

فقہ حنفی
پر
اعتراضات کے جوابات



پیر جی سید مشتاق علی شاہ

ناشر

پیر جی کتب خانہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات
مرتب	پیر جی سید مشتاق علی شاہ
تاریخ طبع اول	جولائی ۱۹۹۴ء
تاریخ طبع ثانی	جولائی ۲۰۰۹ء
تعداد	پانچ سو (۵۰۰)
قیمت	
ناشر	پیر جی کتب خانہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ
مطبع	زاہد بشیر پرنٹنگ پریس لاہور

ملنے کا پتہ

- ۱..... پیر جی کتب خانہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ
- ۲..... مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
- ۳..... کتب خانہ مجیدیہ ملتان
- ۴..... کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
- ۵..... مکتبہ اہل سنت چک ۸۷ جنوبی سرگودھا
- ۶..... قدیمی کتب خانہ آرام بازار کراچی

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان
33	الجواب الکامل
	اعتراض نمبر ۱:
	زنا کرانے والی عورت اگر خرچی مقرر کر کے زنا کرادے
39	تو وہ مال امام اعظم کے نزدیک حلال ہے۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۲:
	یعنی شہوت کی تسکین کے واسطے جلق کرے تو کچھ حرج نہیں اور
	رد المحتار میں ہے کہ شہوت کے غلبہ کا خوف ہو تو مٹھ مارنا
48	واجب ہے۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۳:
52	کتایا بھیڑ یا ذبح کر لیا جائے تو اس کی کھال پر نماز جائز ہے۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۴:
	سور کی کھال دباغت یعنی نمک وغیرہ لگانے سے پاک ہو جاتی
60	ہے۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۵:
	اگر کسی نے روزہ کی حالت میں کسی جانور سے یا مردہ عورت یا مرد
62	سے صحبت داری کر لی اور انزال نہیں ہوا تو روزہ بھی نہیں گیا اور غسل

صفحہ	عنوان
62	بھی واجب نہیں اور ہدایہ میں ہے کہ کفارہ نہیں آتا خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ الجواب اعتراض نمبر ۶:
69	خون اور پیشاب سے سورۃ فاتحہ لکھنا جائز ہے۔ الجواب اعتراض نمبر ۷:
79	عورت کی فرج کی رطوبت پاک ہے۔ الجواب اعتراض نمبر ۸:
87	اگر کوئی کافر (ذمی) جو مسلمانوں کی رعیت ہے حضرت نبی اکرم ﷺ کو گالی دے یا مسلمان عورت سے زنا کرے تو اس کو مارنا نہیں چاہیے۔ الجواب
97	احقاق حق
100	اعتراض نمبر ۱: جانور سے جماع کرنے پر حد نہیں آتی۔ الجواب اعتراض نمبر ۲:
102	رضاعت امام ابو حنیفہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کے نزدیک ڈھائی برس ہے۔ الجواب اعتراض نمبر ۳:
104	تقریر ترمذی عربی پر اعتراض۔ الجواب اعتراض نمبر ۴:
106	ایضاح الاولہ پر اعتراض کہ شیخ الہند نے قرآن کی آیت بدل دی الجواب

صفحہ	عنوان
108	اعتراض نمبر ۵: مرد انتہائے مغرب میں ہو اور عورت انتہائے مشرق میں اتنے فاصلہ پر کہ دونوں کے درمیان سال بھر کی راہ ہو کسی طرح ان کا نکاح کر دیا گیا اگر بعد تاریخ نکاح کے عورت چھ مہینے میں بچہ جنے تو یہ بچہ ثابت النسب ہوگا۔ حرامی نہ ہوگا بلکہ یہ اس مرد کی کرامت تصور ہوگی۔ الجواب
	تائید الحنفیہ
114	اعتراض نمبر ۱: دہریا فرج میں انگلی داخل کی خشک نکلی تو روزہ ناسد نہیں، الجواب اعتراض نمبر ۲: سوئی عورت یا مجنونہ سے جماع کیا گیا تو روزے کا کفارہ نہیں۔ الجواب
114	اعتراض نمبر ۳: جو روزے میں زنا کے ڈر سے جلق لگائے اور منی نکال دے تو امید ثواب ہے۔ الجواب
116	اعتراض نمبر ۴: روزے دار عورت یا مرد سے اغلام کرے تو روزہ کا کفارہ نہیں۔ الجواب
118	

صفحہ	عنوان
119	اعتراض نمبر ۵: بھیگے کتے کی چھینٹوں سے اور اس کے کانٹے سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا۔ الجواب اعتراض نمبر ۶: کتے کے بالوں کا تکیہ بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ الجواب
129	سیف نعمان
130	اعتراض نمبر ۱: اگر کسی عورت کو زنا کے لیے اجرت پر رکھے اور پھر اس سے زنا کرے تو بقول ابو حنیفہ اس پر کوئی حد نہیں ہوگی۔ الجواب اعتراض نمبر ۲: اگر کسی محرم عورت مثلاً بیٹی، بہن، پھوپھی اور خالہ سے شادی کرے اور اس کے ساتھ جماع کرے تو بقول ابو حنیفہ اس پر حد نہیں ہے اگرچہ یہ کہہ دے مجھے معلوم ہے یہ میرے لیے حرام ہے۔ الجواب
134	اعتراض نمبر ۳: اگر نمازی قرآن دیکھ لے اور اس سے قرأت کرے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اگر کسی عورت کی شرمگاہ شہوت سے دیکھ لے تو نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ قرأت تعلیم و تعلم سے ہے اور شرمگاہ دیکھنا تعلیم نہیں۔ الجواب
135	

صفحہ	عنوان
	اعتراض نمبر ۴:
138	اگر تکسیر پھوٹ پڑے اور خون سے اپنی پیشانی اور ہناک پر فاتحہ لکھ لے تو تندرستی و صحت حاصل کرنے کے لیے جائز ہے اور پیشاب کے ساتھ لکھنا بھی اگر شفاء کا یقین ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۵:
142	اگر انسان کے کسی عضو کو نجاست (گندگی) لگ جائے اور وہ اسے اپنی زبان سے اس طرح چائے کہ اس کا اثر (نشان) ختم ہو جائے تو عضو پاک ہو جائے گا اس طرح اگر چھری ناپاک ہو جائے اور اپنی زبان سے چاٹ لے یا اپنے تھوک سے صاف کرے تو پاک ہو جائے گی۔ الجواب
145	معین الفقہ
	اعتراض نمبر ۶:
148	اگر جان بوجھ کر تشہد کے بعد گوز مارے یا بات چیت کرے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی، وفی المنیۃ ص ۸۵ وقال ابو حنیفہ یتوضأ و یقعد و یمخرج عن الصلاة (گویا ہوا نکال دینا سلام کے قائم مقام ہے) الجواب

صفحہ	عنوان
	اعتراض نمبر ۲:
149	شرم گاہ کے سوا کسی اور جگہ جماع کیا اور انزال بھی ہوا پھر بھی روزہ کا کفارہ لازم نہیں آئے گا۔ (تنقید ہدایہ) الجواب
	اعتراض نمبر ۳:
	قربانی کے جانور کو اشعار کرنا مکروہ ہے، امام ابو حنیفہ کی رائے یہی ہے۔ الجواب
149	اعتراض نمبر ۴:
	کسی مرد نے کسی غیر عورت کو شہوت سے چھو لیا اور اس کی شرم گاہ کو دیکھ لیا یا اس عورت نے اس کی شرم گاہ کو شہوت کی نظر سے دیکھ لیا تو اس عورت کی ماں اور بیٹی اس مرد پر حرام ہو گئی۔ الجواب
150	اعتراض نمبر ۵:
	اگر چھونے سے انزال ہو جاوے تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔ الجواب
151	اعتراض نمبر ۶:
	من اتی امرأة فی الموضع المکروه او عمل عمل قوم لوط فلا حد علیہ عند ابی حنیفہ اور در مختار ص ۷۷ میں ہے ولا یحد بوطی بهیمة ولا یوطی دبر۔ الجواب
152	اعتراض نمبر ۷:
	جو شخص محرمات ابدیہ سے نکاح کرے، اس پر حد نہیں (ہدایہ)
156	الجواب

صفحہ	عنوان
	اعتراض نمبر ۸:
	ایک زانی کے زنا پر چار گواہ ہیں۔ دو تو کہتے ہیں کہ عورت راضی نہ تھی دو کہتے ہیں وہ راضی تھی تو نہ عورت کو حد لگائی جائے گی نہ مرد کو،
165	امام ابو حنیفہ کا فتویٰ یہی ہے۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۹:
	ایک شرابی نے اپنے شراب پینے کا اقرار کیا، لیکن اس وقت اس کے منہ سے شراب کی بدبو چلی گئی تو باوجود اس کے اقرار کے اسے حد نہیں لگے گی۔ الجواب
167	اعتراض نمبر ۱۰:
	شرابی نے شراب پی جب اس کے منہ کی بدبو چلی گئی تو اگرچہ گواہ گواہی دیں تاہم حد نہیں لگائی جائے گی۔ الجواب
167	اعتراض نمبر ۱۱:
	جو نشہ لانے والی مباح چیزیں ہیں ان کے استعمال سے اگر نشہ آوے تو حد نہیں جیسے بھنگ کا پینا۔ الجواب
168	اعتراض نمبر ۱۲:
	زانی کی سنگسار کرنے کے وقت پہلے گواہ سنگساری شروع کریں، اگر وہ نہ کریں تو حد ساقط ہوگی۔ الجواب
168	

صفحہ	عنوان
168	<p>اعتراض نمبر ۱۳:</p> <p>جو شخص اپنے باپ یا ماں کی یا اپنی بیوی کی لونڈی سے زنا کرے اور یہ کہہ دے کہ میں نے خیال کیا تھا کہ یہ مجھ پر حلال ہے تو اسے حد نہیں لگائی جائے گی۔ الجواب</p> <p>اعتراض نمبر ۱۴:</p>
169	<p>کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں پھر اس نے عدت کے اندر زنا کیا یا طلاق بائن مال دے کر دے دی پھر عدت میں زنا کیا اور ام ولد لونڈی کو آزاد کر دیا اور عدت میں اس سے زنا کیا اور غلام بنے اپنے آقا کی لونڈی سے زنا کیا، اگر یہ لوگ کہہ دیں کہ ہم نے اس سے حلال جانا تھا تو ان میں سے کسی پر حد نہیں۔ (ہدایہ)</p> <p>الجواب</p>
170	<p>اعتراض نمبر ۱۵:</p> <p>اگر کسی کے پاس دوسرے کی لونڈی گروی ہو اور وہ اس سے بدکاری کرے تو اس پر بھی کوئی حد نہیں، خواہ کہے میں حلال خیال کرتا تھا خواہ کہے میں اس سے حرام جانتا تھا۔ الجواب</p> <p>اعتراض نمبر ۱۶:</p>
170	<p>اگر کوئی شخص اپنی اولاد کی لونڈی سے بدکاری کرے اگرچہ وہ جانتا ہو کہ یہ اس پر حرام ہے تاہم اس سے حد نہ ماری جاوے۔ الجواب</p>

صفحہ	عنوان
	اعتراض نمبر ۱:
171	ہدایہ میں ہے کہ اگر تھوڑے پانی میں سور کا بال گر پڑے تو امام محمد کے نزدیک پانی خراب نہ ہوگا۔ الجواب اعتراض نمبر ۱۸:
172	مختار الفتاویٰ میں ہے جس نے نماز پڑھی اس کی آستین میں سور کے بال درہم سے بہت زیادہ ہوں تو نماز ہو جائے گی۔ الجواب اعتراض نمبر ۱۹:
172	در مختار میں ہے پیاسا شراب پی سکتا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ الجواب اعتراض نمبر ۲۰:
173	نیز امام صاحب کے نزدیک شراب کی بیج و شری بھی ذمی کی وکالت سے صحیح ہے۔ (در مختار) الجواب اعتراض نمبر ۲۱:
175	در مختار میں ہے والخنزیر لبس بنجس العین عند ابی حنیفہ علی ما فی التجرید وغیرہ۔ الجواب اعتراض نمبر ۲۲:
175	غایۃ الاوطال ج ۱ ص ۱۵۰ میں ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک خلال جانوروں کے پیشاب سے دوسری نجاست کو دھو کر پاک بھی کر سکتے ہیں۔ الجواب

صفحہ	عنوان
176	<p>اعتراض نمبر ۲۳:</p> <p>منیہ ص ۶۳ میں ہے ولا احرققت العذرة والروث فصار رماراً او مات الحمار فی المملحة فصار ملحاً او وقع الروث فی البئر فصار حمأة زالت نجاسة وطهرت عند محمد خلافاً لابی یوسف حتی لو اكل للملح او صلى على ذالك الرماد جازت۔ الجواب</p>
177	<p>اعتراض نمبر ۲۴:</p> <p>ایک قول میں ہے جنت میں بھی وطی فی الدبر ہوا کرے گی۔ الجواب</p> <p>اعتراض نمبر ۲۵:</p>
178	<p>رکوع سجود والی نماز میں کھلکھلا کر ہنس پڑا تو وضو ٹوٹ جائے گا جنازہ کی نماز میں سجدہ تلاوت میں کھلکھلا کر ہنسنے سے وضو نہیں جائے گا۔</p> <p>(ہدایہ) الجواب</p>
179	<p>اعتراض نمبر ۲۶:</p> <p>چوپائے کے ساتھ بد فعلی کرنی اور شرمگاہ کے سوا اور جگہ بد فعلی کرنی جب تک انزال نہ ہو غسل واجب نہیں۔ الجواب</p> <p>اعتراض نمبر ۲۷:</p>
180	<p>حنفیوں کے نزدیک وہ روٹی جس کی خمیر میں شراب کی میل ڈالی جاتی ہے، پاک ہے اور اس کا کھانا حلال ہے اس لیے کہ خمر نجس ہونے پر کوئی دلیل نہیں (حوالہ ندارد) الجواب</p>

صفحہ	عنوان
	اعتراض نمبر ۲۸:
180	اگر گیہوں شراب میں گرے تو اس کا کھانا حنفیوں کے نزدیک جائز ہے۔ (عالمگیری ص ۳۲) الجواب
	اعتراض نمبر ۲۹:
181	یعنی کسی غریب مسکین شخص کو زکوٰۃ کے مال میں سے دو سو درہم یعنی پچاس روپے یا اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۳۰:
181	مشت زنی کرنے والے کا روزہ نہیں تو ثما، حنفی مذہب کے فقہاء نے بھی کہا ہے۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۳۱:
182	مردہ عورت یا چوپائے سے بدعتی کرنے سے روزہ کا کفارہ نہیں آتا اگرچہ دل کھول کر کیا ہو یہاں تک کہ انزال بھی ہو گیا ہو۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۳۲:
183	اگر نجاست خفیف ہو اور نجس ہو اور اس سے کپڑا نجس ہو گیا ہو۔ اگر چوتھے حصے سے کم ہو تو اس کو پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے امام ابو حنیفہ کا مسلک یہی ہے۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۳۳:
186	اگر حرام پرندوں کی بیٹھ کیڑے پر تھیلی کی چوڑائی سے بھی زیادہ لگی ہوئی ہو پھر بھی نماز ہو جائے گی۔ الجواب

صفحہ	عنوان
188	اعتراض نمبر ۳۴: ایک شخص عربی میں اچھی طرح قرآن پڑھ سکتا ہے باوجود اس کے فارسی میں قرآن شریف کے معنی پڑھتا ہے۔ قرآن نماز میں نہیں پڑھتا اللہ اکبر کے بدلے بھی اس کا ترجمہ فارسی میں پڑھ لیتا ہے تو اس کی نماز جائز ہے۔ الجواب
189	اعتراض نمبر ۳۵: امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ہر رکعت میں بسم اللہ سورہ فاتحہ سے پہلے نہ پڑھے صرف پہلی رکعت میں پڑھے۔ الجواب
189	اعتراض نمبر ۳۶: سورہ فاتحہ پڑھ لی پھر دوسری سورۃ نماز میں پڑھے تو اس سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھے۔ الجواب
190	اعتراض نمبر ۳۷: درمختار مطبوعہ مصر ص ۵۳ میں ہے ولو اخرج حیا ولم یصب فم الماء لا یفسد ماء البئر۔ الجواب
190	اعتراض نمبر ۳۸: درمختار مطبوعہ دارالکتب مصر ج ۱ ص ۱۵۳ میں ہے ولا الثوب بانتقا منه۔ الجواب
190	اعتراض نمبر ۳۹: درمختار مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۱۵۳ میں ہے ولا بعضہ مالہ یدریقہ۔ الجواب

صفحہ	عنوان
	اعتراض نمبر ۴۰:
	در مختار مطبوعہ دارالکتب مصر ج ۱ ص ۱۵۳ میں
191	ولا صلوة حاملہ کبیرا۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۴۱:
	در مختار دارالکتب مصر ج ۱ ص ۱۵۳ میں ہے وطہارۃ شعرہ
192	یعنی کتے کا بال حنفی مذہب میں پاک ہے بالاتفاق۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۴۲:
	در مختار مطبوعہ دارالکتب مصر جلد ۲ ص ۸۰۸ میں ہے او جامع دون
	الفرج ولم ينزل یعنی اگر روزے دار روزے کی حالت میں
	شرمگاہ کے سوا اور کہیں مجامعت کر لے اور انزال نہ تو روزہ نہیں
193	ٹوٹتا۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۴۳:
	در مختار میں ہے ولو خاف الزنا يرجی لاوبال علیہ یعنی اگر
	زنا کا خوف ہو اور مشیت زنی کرے یعنی ہاتھ سے پانی نکال
194	ڈالے تو امید ہے کہ اس پر کچھ وبال نہ ہوگا۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۴۴:
	در مختار میں ہے وكذا الاستمتاع بالكف او ادخل ذكره فی
	بہیمۃ او میتۃ یعنی ایسی حالت میں مشیت زنی کرنا اور چوپائے
194	یا مردے کے ساتھ بدفعی کرنے سے روزہ نہیں بگڑتا۔ الجواب

صفحہ	عنوان
196	اعترض نمبر ۳۵: در مختار میں ہے قبل السكران بننتہ تحرم الام یعنی نشہ کی حالت میں کسی نے اپنی بیٹی کا بوسہ لیا تو اس پر اس کی بیوی حرام ہوگئی۔ الجواب اعترض نمبر ۳۶: در مختار مطبوعہ دارالکتب مصر ج ۲ ص ۳۰۷ میں ہے فقال جامعہا تثبت الحرمة یعنی اگر کسی نے ہنسی مذاق میں جھوٹ کہہ دیا کہ میں نے اپنی ساس سے مجامعت کی تو اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی۔ الجواب اعترض نمبر ۳۷: در مختار مطبوعہ مصر ص ۱۵ میں ہے ولو دبغ طهر یعنی اگر انسان کی کھال کو بھی دباغت دی جائے تو پاک ہو جاتی ہے۔ الجواب اعترض نمبر ۳۸: در مختار مطبوعہ دارالکتب مصر ج ۱ ص ۱۵۰ میں ہے وافاد كلامه طهارة جلد کلب وفیل یعنی کتے اور ہاتھی کی کھال بھی بعد از دباغت پاک ہے۔ الجواب اعترض نمبر ۳۹: در مختار میں ہے ويحل له وطى امرأة ادعت عليه وكذا تحل له لو ادعى هو نكاحها ولو قضى بطلاقها بشهادة النور الخ حل للشاهد زردا تزوجها یعنی ایک عورت نے
202	

صفحہ	عنوان
202	<p>عدالت میں جوٹھا دعویٰ کیا کہ میرا نکاح فلاں سے ہو گیا۔ وہ انکار کرتا ہے عورت نے دو جھوٹے گواہ گزار دیئے قاضی نے نکاح کر دیا تو اس شخص کو اس عورت سے ملنا جلنا وطی کرنا حلال ہے اگرچہ حقیقتاً نکاح نہ ہوا ہو اسی طرح مرد نے دعویٰ کیا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر عورت نے طلاق کا جھوٹا دعویٰ کیا گواہ گزار دے اور قاضی نے فیصلہ طلاق کا دیا تو عورت دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اور اس جھوٹے گواہ کو جس نے طلاق کی جھوٹی گواہی دی تھی۔</p> <p>اس عورت سے نکاح کر لینا جائز ہے۔ ملخصاً۔ الجواب</p> <p>اعتراض نمبر ۵۰:</p>
207	<p>درمختار میں ہے یباح اسقاط الولد قبل اربعة اشهر یعنی چار مہینے سے پہلے حمل گرا دینا جائز ہے (ملخصاً) الجواب</p> <p>اعتراض نمبر ۵۱:</p>
209	<p>درمختار میں ہے مواضعه فربصہ عشرون یعنی بیس صورتوں میں مرد کو بھی عورت کی طرح عدت گزارنی ہوگی۔ الجواب</p> <p>اعتراض نمبر ۵۲:</p>
211	<p>درمختار مطبوعہ دارالکتب مصر ج ۱ ص ۴۱۲ میں ہے ثم الاحسن ذوجہ یعنی امامت کی ابتدائی شرطوں میں اگر برابری ہو تو اسے امام بنایا جاوے جس کی جو روزیادہ خوبصورت ہو، کیا امامت کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ بیویاں ٹٹولی جائیں اور ان کی خوبصورتی کو امتحان کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ الجواب</p>

صفحہ	عنوان
212	<p>اعتراض نمبر ۵۳:</p> <p>در مختار ج ۳ ص ۱۷۲ میں ہے زنی فی دار الحرب والبعی یعنی حربی کافروں یا باغیوں کی سلطنت میں زنا کرنے سے حد نہیں۔</p> <p>الجواب</p>
213	<p>اعتراض نمبر ۵۴:</p> <p>در مختار میں ہے ولا حد بزنا غیر مکلف بمکلفہ مطلقاً یعنی نابالغ وغیرہ غیر مکلف مرد اگر زنا بالغہ عورت سے کرے تو دونوں پر حد نہیں ہے۔ الجواب</p>
213	<p>اعتراض نمبر ۵۵:</p> <p>در مختار میں ہے ولا بزنا بالمستاجرة له یعنی اگر عورت کو اجرت یعنی خرچی دے کر زنا کرے تو اس پر حد نہیں ہے۔ الجواب</p>
214	<p>اعتراض نمبر ۵۶:</p> <p>وکذا لو قال اشتریتها ولو حرة یعنی اگر آزاد عورت سے زنا کیا پھر کہہ دیا کہ میں نے اسے خریدا ہے تو اس پر بھی حد نہیں۔</p> <p>الجواب</p>
214	<p>اعتراض نمبر ۵۷:</p> <p>در مختار میں ہے او منکوحۃ الغیر او معتدۃ یعنی دوسرے کی نکاح بیوی یا عدت میں بیٹھی ہوئی عورت سے نکاح کر کے وطی کرے تو حد نہیں لگائی جائے گی۔ اگرچہ دونوں کو اس فعل کی حرمت کا علم ہو۔ الجواب</p>

صفحہ	عنوان
	اعتراض نمبر ۵۸:
215	در مختار مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۱۵۰ میں ہے و طہر بزکاة یعنی کتابا تھی وغیرہ اگر ذبح کر دیئے جائیں تو بھی ان کا چمڑہ پاک ہے۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۵۹:
216	در مختار مصری ص ۱۵۲ میں ہے لیس الکب نجس العین عند الإمام۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۶۰:
216	در مختار میں ہے ویتخذہ جلدہ مصلی و دلوا ص ۱۵۲ الجواب
	اعتراض نمبر ۶۱:
217	در مختار میں ہے و لو اخذ بشرط یباح۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۶۲:
217	ہدایہ میں ہے ہذہ الاشیاء جائز۔ الجواب
225	فقہ حنفی پر اعتراضات کی حقیقت
	اعتراض نمبر ۱:
226	مدعت رضا عت امام ابو حنیفہ کے نزدیک اڑھائی سال ہے الجواب
	اعتراض نمبر ۲:
235	امام ابو حنیفہ کے نزدیک عقیقہ کرنا مکروہ ہے۔ الجواب

صفحہ	عنوان
	اعتراض نمبر ۳:
239	امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز استسقاء کی جماعت مسنون نہیں
240	الجواب اعتراض نمبر ۴:
244	حنفیہ کے نزدیک مدینہ طیبہ حرم نہیں۔ الجواب اعتراض نمبر ۵:
247	گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔ الجواب اعتراض نمبر ۶:
	مرد انتہائے مغرب میں ہو اور عورت انتہائے مشرق میں ہو دونوں کے درمیان سالی بھر کی مسافت کا فاصلہ بھی ہو ان کا نکاح ہو جائے گا اور نکاح کے چھ ماہ بعد عورت بچہ جنے تو یہ بچہ ثابت النسب ہوگا۔
249	الجواب اعتراض نمبر ۷:
	گندم، جو، شہد اور مکئی سے بنائی گئی شراب امام ابو حنیفہ کے نزدیک حلال ہے۔
250	اعتراض نمبر ۸:
	شیرہ، انگور پکانے کے بعد اگر ایک تہائی باقی رہ جائے تو فقہ حنفی میں حلال ہے۔ جواب اعتراض نمبر ۷، و نمبر ۸
251	

صفحہ	عنوان
	اعتراض نمبر ۹:
254	ماں، بہن، پھوپھی، خالہ سے نکاح کرے اور اس سے جماع کرے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر حد نہیں۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۱۰:
256	خنزیر کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے، حاشیہ طحاوی
257	الجواب
	اعتراض نمبر ۱۱:
258	جو چیز دباغت سے پاک ہو جاتی ہے وہ ذبح سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔
259	الجواب
	اعتراض نمبر ۱۲:
260	حق مہر میں شراب اور خنزیر دینا جائز ہے۔
260	الجواب
	اعتراض نمبر ۱۳:
262	ابو بکر و عمر کو گالی دینے سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۱۴:
263	جو شخص وطنی فی الدبر کرے اس پر حد نہیں
264	الجواب
	اعتراض نمبر ۱۵:
265	عورت کو کرایہ پر حاصل کر کے زنا کرنے سے حد نہیں۔ الجواب

صفحہ	عنوان
	اعتراض نمبر ۱۶:
267	اگر نکیر پھوٹ پڑے تو خون کے ساتھ سورۃ فاتحہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۱۷:
269	تشہد میں جان بوجھ کر ہوا خارج کر دے تو نماز ہو جائے گی۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۱۸:
270	انگلی پر نجاست لگ جائے تو اس کو زبان سے چاٹ لے تو انگلی پاک ہو جائے گی۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۱۹:
271	کتے اور گدھے کا گوشت فروخت کرنا۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۲۰:
282	مرد و عورت کی نماز میں فرق۔
283	الجواب
	اعتراض نمبر ۲۱:
292	امام اس کو بناؤ جس کی بیوی خوبصورت ہو۔
293	الجواب
	اعتراض نمبر ۲۲:
298	زبان سے نیت کرنا۔
299	الجواب

صفحہ	عنوان
	اعتراض نمبر ۲۳:
300	مدت رضاعت۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۲۴:
304	مشرک کا حرم پاک میں داخلہ۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۲۵:
307	کافر کو عبادت کے لیے مکان کرایہ پر دینا۔
308	الجواب
	اعتراض نمبر ۲۶:
309	شیرہ، انگور مثلث پینا جائز ہے۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۲۷:
301	اجرت دے کر زنا کرے تو حد نہیں۔
301	الجواب
	اعتراض نمبر ۲۸:
315	خزیر کی کھال و باغٹ سے پاک ہو جاتی ہے۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۲۹:
316	آدھا بچہ باہر اور آدھا اندر ہو تو عورت پر نماز معاف نہیں۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۳۰:
318	رطوبت فرج پاک ہے۔ الجواب

صفحہ	عنوان
319	اعتراض نمبر ۳۱: کتے کو ذبح کرنے سے اس کی کھال اور گوشت پاک ہو جاتا ہے۔ الجواب
320	اعتراض نمبر ۳۲: اجرت دے کر زنا کرنے پر حد نہیں۔ الجواب
322	اعتراض نمبر ۳۳: محرمات سے نکاح کر کے وطی کے تو حد نہیں۔ الجواب
324	اعتراض نمبر ۳۴: قرآن دیکھ کر پڑھنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ الجواب
327	اعتراض نمبر ۳۵: نجاست چاٹنا جائز ہے۔ الجواب
330	اعتراض نمبر ۳۶: مدینہ حرم نہیں۔ الجواب
332	اعتراض نمبر ۳۷: نکاح شغار جائز ہے۔ الجواب
334	اعتراض نمبر ۳۸: فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں قرآن نہیں۔
335	الجواب
336	اعتراض نمبر ۳۹: شوال کے چھ روزے امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ ہیں۔ الجواب

صفحہ	عنوان
337	اعتراض نمبر ۴۰:
338	حقیقہ مکروہ ہے۔
340	الجواب اعتراض نمبر ۴۱:
342	خزیر مہر میں دینا۔ الجواب اعتراض نمبر ۴۲:
345	کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ الجواب
347	در مختار پر اعتراضات کا محققانہ جواب
351	اعتراض نمبر ۱:
352	جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے سے نہ غسل لازم آتا ہے
354	نہ وضو ٹوٹتا ہے۔ الجواب اعتراض نمبر ۲:
	ہاتھی اور کتے کی کھال پاک ہے۔
	الجواب اعتراض نمبر ۳:
	امام اس کو بناؤ جس کی بیوی خوبصورت ہو اور جس کا
	سر بڑا اور عضو چھوٹا ہو۔ الجواب

صفحہ	عنوان
	اعتراض نمبر ۲۱:
386	پیشاب کے ساتھ قرآن لکھ لے تو مضائقہ نہیں۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۲۲:
386	اگر مردار کی کھال پر قرآن لکھ لے تو مضائقہ نہیں۔ الجواب
	اعتراض نمبر ۲۳:
386	تکسیر بند کرنے کے لیے فتح خون سے لکھنا جائز ہے
387	الجواب
	اعتراض نمبر ۲۴:
	جو شخص اپنی منکوحہ عورت سے برس بھر کی راہ کے فاصلے پر دور رہتا ہے اور دونوں زن و مرد مشرق و مغرب کے سبب یک جا نہ ہو سکیں
389	اور اس کی عورت چھ ماہ بعد بچہ جن لے تو وہ حلال ہوگا۔ جواب
	اعتراض نمبر ۲۵:
389	وطی فی الدبر جائز ہے۔ جواب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ - أَمَّا بَعْدُ :

برادرانِ اسلام ! فرقہ غیر مقلدین کی طرف سے آئے دن کوئی نہ کوئی کتاب یا پمفلٹ سیدنا امام اعظمؒ، فقہ حنفی، اکابر اہل سنت و جماعت حنفی، تصوف اور صوفیاء کرام اور آج کل سارا زور تبلیغی جماعت اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کے خلاف لگایا جا رہا ہے تبلیغی جماعت کے خلاف لکھی جانے والی کتابوں میں سے چند یہ ہیں (۱) تبلیغی جماعت کا اسلام حصہ اول (۲) تبلیغی جماعت اپنے نصاب کے آئینہ میں، (۳) تبلیغی نصاب قرآن و حدیث کی کسوٹی پر (۴) تبلیغی نصاب ایک مطالعہ، (۵) دیوبندی گمراہ فرقہ ہے اس سے بچو، (۶) تبلیغی جماعت اور توحید، تصوف اور صوفیاء کرام کے خلاف چند کتابوں کے نام یہ ہیں: شریعت و طریقت مولانا عبدالرحمن لاہوری، دین و تصوف از مولانا یحییٰ گوندلوی، اہل توحید کے لیے لمحہ فکریہ، اور رسالہ الدعوة وغیرہ، اس کے علاوہ دیوبندیت، دیوبندی بریلوی اصل میں دونوں ایک عقائد کا سائے دیوبند، دیوبندیت کے ضد و خال۔ اس قسم کی کتابیں شائع کی جا رہی ہیں۔ ان سب میں جو مشترک بات ہے وہ یہ ہے اولیاء کرام کی کرامات، کشف، الہام، رویا صالحہ کا انکار پایا جاتا ہے۔ اور صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ اور حضرات اولیاء کرامؒ خاص کر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، معین الدین چشتیؒ، نظام الدین اولیاءؒ، حضرت علی ہجویریؒ، مجدد الف ثانیؒ،

امام غزالیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور دیگر صوفیاء کرام کا نام لیکر انکی توہین کیں گے
 ہے اور بعض حضرات کی تو تکفیر بھی کی ہے اس جگہ تفصیل کا موقع نہیں ہے بغیر مقلدین نے
 اب اپنا تبلیغ کا انداز بدل دیا ہے۔ اب یہ لوگ رفع یدین، آمین، فاتحہ خلف الامام وغیرہ
 مسائل چھوڑ چکے ہیں اور علماء دیوبند کے وہ واقعات جو کرامات، کشف الہام، ریاض صالحہ
 پر مبنی ہیں پیش کر رہے ہیں پہلے یہ کام بریلوی حضرات نے کیا تھا جب علماء دیوبند شریعت کی
 روشنی میں انکی تردید کرتے تھے تو وہ جواب میں علماء دیوبند کے بزرگوں کے واقعات پیش کرتے
 تھے جیسا کہ زلزہ وغیرہ کتابوں میں موجود ہیں اب بریلوی کتب کفر کے غیر مقلدین نے لکھنے
 شروع کیے ہیں۔ دوسری طرف کیسٹن مسعود الدین عثمانی، کمال احمد عثمانی، جماعت المسلمین،
 حقیقی جماعت المسلمین، حقیقی حزب اللہ، فرقہ غامدی، منکرین حدیث (پڑھنی) یہ سب وہ
 لوگ ہیں جو کرامات، کشف، الہام کے سرے ہی سے منکر ہیں اور آج کل کے غیر مقلدین
 بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ پہلے غیر مقلد علمائیں حضرت مولانا عبداللہ غزنویؒ، عبدالجبار غزنویؒ
 بارک اللہ لکھوی، محمد بن بارک اللہ لکھوی، عبداللہ ڈوٹری، ایراہیم سیانکوٹی، نواب صدیق
 حسن خاں، وحید الزمان، قاضی سلمان منٹو پوری وغیرہ کرامات، کشف، الہام، ریاض صالحہ کو مانتے
 تھے بلکہ انکی اثبات میں کتابیں بھی لکھیں کرامات اہل حدیث، اثبات الہام والبیعت اس پر شاہد
 ہیں سوانح مولانا عبداللہ غزنویؒ جو عبدالجبار غزنویؒ اور مولانا غلام رسولؒ (دقلم میاں سنگھ) نے
 لکھی ہے۔ یہ ایک ہی کتاب ایسی ہے جس میں کشف، الہام کے اتنے واقعات ہیں کہ
 کسی دیوبندی عالم کے اتنے نہیں ہونگے۔ اگر ہم بھی غیر مقلدین کی کتابوں میں سے
 وہ سب جمع کر دیں تو ایک بڑی کتاب تیار ہو سکتی تھی۔ زیر نظر کتاب آٹھ کتابوں کا
 مجموعہ ہے۔ پہلے یہ سب کتابیں الگ الگ شائع ہو چکی ہیں اب ان کو جمع کر دیا
 گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ دین حق کی کچھ عطا فرمائے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے۔ آمین

نعت بالخیر

الجواب الکامل انحقاق الباطل

○

تالیف

مولانا میر محمد مسیحی

○

فاش

مکتبہ فاروقیہ، گوبند گڑھ، گوجرانوالہ، پاکستان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تہذیب

سُبْحَانَكَ لَا إِلَهَ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ

بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح رائے ناظرین ہو کہ میرٹھ شہر میں چند دنوں سے ایک نیا فرقہ اہل اسلام میں سے نکلا ہے عام لوگ لامذہب کہتے ہیں اور اپنے سرگروہوں کو حق پرست جتاتے ہیں اور ماسولتے اپنے جس قدر اہل اسلام زمانہ ائمہ کرام سے لے کر اس وقت تک ہوئے ہیں سب کو دین سے بے دین اور راہ سے بے راہ سمجھتے ہیں حالانکہ اس زمانہ طول طویل میں جس کا اندازہ بارہ سو برس سے کم نہیں ہے۔ لکھو کچھا علماء اور ہزار ہا اولیاء اور سنی کٹر دل غوث اور قطب ہوئے ہیں اور ان کے واسطہ در واسطہ علم دین چلا آیا ہے مگر ان کے گمان فاسد میں کسی کو آج تک ہدایت نصیب نہیں ہوئی ہے اگر ہوئی ہے تو اس دور آخر میں ان چند آدمیوں کو نصیب ہوئی ہے اور وہ بھی اس طرح کہ دو کو یہاں اور چار کو وہاں، دس کو اس شہر میں بیس کو اس شہر میں باقی سب کے سب گمراہ اور بے دین رہے ہیں اور یہ نہ سمجھا کہ اس خام خیالی سے تو خود حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جھوٹا بنانا ہے اور سراسر اس کے خلاف کہنا ہے۔ پھر اس پر دعویٰ عمل بالحدیث کا کیوں کر ٹھیک ہو گا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بطور پیشین گوئی یوں ارشاد فرما گئے ہیں کہ ان اللہ لا یجمع اُمتی علی الضلالة وید اللہ علی الجماعۃ ومن شد شد فی النار یعنی اللہ تعالیٰ میری اُمت

کو گمراہی پر ہرگز جمع نہ کرے گا اور ہمیشہ خدا کی امداد جماعت ہی پر رہے گی اور جو جماعت سے علیحدہ ہوا جہنم میں ڈالا جائے گا۔ سو بتلائے کہ اگر یہ بات ٹھیک ہو کہ اول سے لے کر اس وقت تک تمام جہان کے مسلمان گمراہی پر جیسے رہے ہوں اور صرف ان گنے چنے آدمیوں کو اتباع حق نصیب ہوا ہو تو درپردہ یہ لوگ گویا یوں کہ رہے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد بھوٹ فرما گئے ہیں اور یہ افشاء محض لا اصل بنا گئے ہیں۔ اور ارشاد خداوندی مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحٰی جس سے سراسر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف اور آپ کی دیانت و امانت ٹپکتی ہے لغو و بے کار ہو جائے گا اور پھر خدا نے پاک اور صاحبِ لولاک دونوں کے ذمہ بھوٹ کا دھبہ عائد ہو جائے گا۔ اب بتلائیے کہ بعد خدا و رسول کے اور کس سے حق گوئی کی توقع رکھی جائے اور کس کے قول پر اعتماد کیا جائے۔ بھلا جس مذہب کی بنیاد ایسے ایسے خراب اصول پر ہو اس مذہب کا کیا ٹھکانا ہے۔ بالکل ایسے ایسے عقاید فاسدہ اس فرقے نے تراش کر خلق خدا کو گمراہ کرنا شروع کیا اور سیدھے سادے مسلمانوں کو راہ سے بے راہ کرنا اختیار کیا اور ائمہ دین خصوصاً امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر طعن و تشنیع کی بوچھاڑ اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ پر سب و شتم کی دھواں دھار برسانی شروع کی۔ اس اشار میں بعض بعض علماء حنفی المذہب یہاں تشریف لائے اور ان لوگوں کے مذہب کی حقیقت موٹ گاف کر دکھائی اور ان کی بہتان بندی اور افسار پر دازی کا حال لوگوں کو سنایا جس کا یہ ثمرہ ہوا کہ جو لوگ اپنی سادہ لوحی سے ان کے ساتھ ہو گئے تھے اس مذہب سے تائب ہوئے اور حنفی المذہب پر قائم ہوئے اور جو لوگ متردو تھے اور مذہب کے بارے میں مذہب تھے ان کے دل سے شبہات و تردیدات دور ہوئے۔ اس امر سے اس فرقہ کی حد سے زیادہ کساد بازاری ہوئی اور مدتوں

کا منصوبہ بند ہا بندھایا مثل تار عنکبوت ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہوا اور لوگوں کے بچانے
 کی آئندہ کو توقع منقطع ہوئی جب یہ خوف ان کو معلوم ہوا ہوا کہ کہیں رہے سے لوگ
 بھی ہمارا ساتھ نہ چھوڑ دیں اور کہیں رشتہ محبت بالکل نہ توڑ دیں تو ان کے آنسو پونچھنے
 کے لیے اور اپنی بات کی ہوا باندھنے کے لیے ایک اشتہار طبع کرایا اور اس میں بڑے
 زور شور سے علماء مقلدین سے مناظرہ کی درخواست کی اور اس میں بہت کچھ پھکڑ بازی
 اور بدتمیزی کو کار فرمایا اور چند عمائدین شہر کی نسبت لکھا کہ ہم نے فلاں فلاں حضرات
 کو اپنا بیچ مقرر کیا ہے۔ علماء حنفیہ بھی جن کو چاہیں اپنا بیچ مقرر کر لیں اور تو اب
 احمدیہ صاحب کی کوٹھی جنت نشان میں مناظرہ کر لیں اس پر مقلدین میرٹھ نے
 ان کی بدتمیزی سے قطع نظر کر کے بمقتضائے آیہ کریمہ **وَإِذَا مَلَؤُا بِاللَّغْوِ**
مَلَأُوا كَلِمًا۔ ایک اشتہار طبع کرایا۔ اس میں نہایت نرم لفظوں سے شائستگی
 کے ساتھ ان کی درخواست مناظرہ کو بسر و چشم منظور کیا چونکہ وہ حضرات جن کو ان
 لوگوں نے اپنا بیچ مقرر کیا تھا نہایت لائق اور فہیدہ اور معزز و سلتھے اس لیے اہل
 شہر نے بھی ان ہی حضرات کو اپنا بیچ مقرر رکھا اور لکھ دیا کہ ہم کو آپ کی جملہ شرط منظور
 ہیں۔ حکام ضلع سے درخواست انتظام کر کے جہاں چاہو بلا لیجئے اور مسائل خلافہ
 میں گفتگو کر لیجئے جب غیر مقلدین نے دیکھا کہ اہل شہر تو دل و جان سے مناظرہ پر آمادہ
 ہو گئے تو اپنے مولویوں سے مناظرہ کی درخواست چاہی اس پر کسی نے کچھ عذر کیا کسی
 نے کچھ بہانہ لیا غرض کوئی مجمع میں مناظرہ کرنے پر آمادہ نہ ہوا اور وقت پر کورا جواب دیا
 سو جب ان لوگوں نے اپنے معتمد علیہم کی یہ کیفیت دیکھی تو یہ تدبیر سوچی کہ اپنے ذمہ
 سے بار بوجھ مناظرہ کا اتاریں اور کسی طرح اہل شہر کے ذمہ ڈال دیں اس بنا پر ایک
 دوسرا اشتہار طبع کرایا اور اس میں ظاہر کیا کہ ہم کو مناظرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں
 ہے ہاں اگر اہل شہر حکام ضلع سے اجازت مناظرہ حاصل کر لیں تو ہم کو کچھ انکار بھی نہیں

ہوگا۔ ناظرین ہر دو اشتہار خوب جانتے ہیں کہ اوّل اشتہار میں تو کس طرح مناظرہ کے لیے اہل شہر کی بہتیں بندھائی جاتی تھیں اور پھر دوسرے اشتہار میں کس طور اپنے ذمے سے بات ٹٹالی ہے اوّل اوّل تو یہ شورا شوری اور پھر یہ بے نمکی۔ اس دوسرے اشتہار سے اہل شہر پر خوب ظاہر ہو گیا کہ ان لوگوں کی درخواست مناظرہ مثل آواز طبل ایک بے معنی آواز ہے۔ نظر بریں ان کا تعاقب کرنا قرین مصلحت نہ سمجھا اہل شہر کی جانب سے نہ اوّل اور درخواست تھی نہ ثانیاً۔ البتہ ان لوگوں کی درخواست کو بے پروا چشم منظور کیا تھا سو وہ خود ہی اس سے گریز کر گئے۔

الغرض جب علماء رتق کے کفش برداروں نے شہر میں مختلف جگہ پر وعظ و پند شروع کیا تو بہت سے لوگ ان کے جال سے نکل بھاگے اور سیدھی راہ پر چلنے لگے اور ٹوٹ ٹوٹ کر ادھر آنے لگے جب ان کی کوئی تدبیر کام نہ آئی اور سب کام قابو سے باہر ہوا تو حسب عادت قدیم بیتان بندی اور افتراء پر دازی کو کار فرما کر ایک اشتہار طبع کرایا جس میں چند مسائل طبع زاد لکھ کر کتب فقہ کے ذمہ لگایا اور نقل عبارت میں قطع برید کو کار فرمایا کہیں اوّل کی عبارت فروگزاشت کی اور کہیں آخر کی عبارت حذف کی اور پھر اس پر بھی لبس نہ کیا بلکہ بعض جملوں کا ترجمہ بھی ہر اسر غلط کیا اور عوام پر ظاہر کیا کہ فقہ کی کتابوں میں ایسے ایسے گندے مسائل ہیں تاکہ شاید اسی بہانہ لوگ ان کتابوں سے بدظن ہو جاویں۔ لیکن ہر ذی عقل پر خوب روشن ہے کہ آفتاب پر خاک ڈالنے سے آفتاب کا کوئی نقصان نہیں ہے پر خاک ڈالنے والے کی حقیقت سب پر عیاں ہو جاتی ہے اور اس کی حماقت و بلاہت نمایاں ہو جاتی ہے۔ ہر چند کہ بروئے عقل ایسی خرافات و مزخرفات کا جواب دینا بھی لا حاصل تھا مگر جب بعض بعض حضرات کے دلوں میں ان شبہات نے کسی قدر گنجائش پائی اور اصل حقیقت ان کے فہم میں نہ آئی تو کسی کسی کی تو زبانی طور سے

تشفیٰ کی گئی مگر پھر خیال آیا کہ اگر ان تمام شبہات کا جواب کتب فقہ سے لکھ کر
مشتہر کرایا جائے تو عین مصلحت ہے۔ اس ذریعہ سے اہل شہر کی بھی عام طور سے
تشفیٰ ممکن ہے اور نیز جہاں جہاں یہ لوگ عام مسلمانوں کو بہکاتے پھرتے ہیں اور
ان کے دلوں میں شبہ ڈالتے پھرتے ہیں یہ تحریر کار آمد ہوگی اس لیے بنام خدا
قلم اٹھایا اور جوابات کا دھیان دل میں جمایا اور خدا نے پاک سے دعائیں مل گئیں کہ توفیق
صواب عطا فرمائے اور جوابِ ناصواب سے مجھ کو بچائے۔

واضح ہو کہ ہر جواب کے اوّل بجنسہ عبارت اعتراض جو غیر مقلدین نے درج
اشتہار کی ہے لکھی جائے گی۔ پھر لفظ الجواب سے اس کا جواب دیا جائے گا۔
شرح وقایہ چھاپہ لوکستوری کے ص ۲۹۸ کے حاشیہ میں
پسلا اعتراض لکھا ہے: ان ما اخذته الزانیۃ ان کان بعقد

الاجارۃ فحلّال عند الاعظم۔ (ترجمہ) یعنی تحقیق زنا کرانے والی عورت
اگر غریبی مقرر کر کے زنا کرے تو وہ مالِ امامِ اعظم کے نزدیک حلال ہے۔

الجواب | ان مدعیانِ عقل بالحدیث کا شیوہ اور طریقہ ہے کہ اپنے مذہب کے
راج دینے کو جھوٹ بول دیا کرتے ہیں۔ بہتان بندی اور جھلسازی

سے کام لیا کرتے ہیں اور دیدہ انصاف بندہ کو کے جو چاہیں سو کیا کرتے ہیں۔ سو اسی
عادتِ قدیمہ کے موافق نقل عبارتِ مذکورہ اور اس کے ترجمہ میں عوام الناس کو دھوکہ
دینے کے لیے تصرف کیا ہے۔ سو دیکھ لیجئے کہ نہ اشتہار میں یہ لکھا کہ یہ حاشیہ کوئی

باب کے مسائل کا حاشیہ ہے اور نہ اس عبارت سے اگلی کچھلی عبارت لکھی اور پھر
اس پر بھی اکتفا نہ کیا بلکہ ترجمہ بھی سراسر غلط کیا تا کہ عوام کے خیال میں یہ بات جم
جائے کہ جب ان لوگوں نے اس اہتمام سے یہ مسائل درج اشتہار کیے ہیں کہ
کتا بول کے صفحات بھی لکھ دیئے اور عبارت بھی نقل کر دی اور ترجمہ بھی صاف

کر کے لکھ دیا تو واقعی یہ مسائل ان کتابوں میں اسی طرح ہوں گے ورنہ ایسا بھی کیا تھا کہ اس طرح سبے باکانہ لکھ دیتے اور سمجھا کہ شاید اسی تدبیر سے مذہبِ حنفی کی توقیر لوگوں کے دلوں سے اٹھ جائے اور یہ ایک کی طبیعت اس کی حقانیت کی جانب سے ہٹ جائے مگر ان حضرات نے یہ خیال نہ کیا کہ خداوندِ کریم نے ان مذاہبِ اربعہ کو خصوصاً مذہبِ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو وہ مقبولیت عنایت فرمائی ہے کہ اس قدر زمانہ دور دراز سے اس وقت تک یہ آب و تاب چلے آئے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ اسی حیثیت سے قیامت تک جاری رہیں گے نہ کسی متعصب کو آج تک اس قدر حوصلہ ہوا کہ ان مذاہبِ مقبولہ کو ریٹ میٹ کرے اور نہ آئندہ کسی سے انشاء اللہ تعالیٰ یہ امر ہو سکے۔ پہلے بھی بہت سے سگانِ مردم صورتاً نے محض اپنی ذنارت و سفاہت سے عموماً کر کے ان مذاہبِ مقبولہ کا پیچھا کیا تھا اور پھر آخر کار چپ ہو کر بیٹھ رہے۔ سو ایسے ہی آج کل کی شورش کو خیال کیجئے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ اس اشتہار کا شائع ہونا اور زیادہ تر باعثِ فروغِ مذہبِ حنفی ہوا اور ان لوگوں کے ظہور و رواج کوئی کا پورا پورا سامان بنا۔ دیکھئے تو سہی کہ اب کس طرح وعدہ الہی الحق یصلو ولا یصلی ظہور کرتا ہے اور مضمونِ جاء الحق و زکھق الباطل فروغ پکڑتا ہے قبل اس کے کہ اصل مسئلہ کی صورت بیان کی جائے اور اہل اشتہار کی غلطی عیاں کی جائے چند امور قابلِ گزارش معلوم ہوتے ہیں۔ ناظرین جوابِ اولاً ان کو بغور ملاحظہ فرمائیں:

اجارہ عربی زبان میں اُجرت کے معاملہ کو کہتے ہیں۔ شریعت میں اس کی تین اقسام ہیں۔ اول اجارہ صحیح، دوم اجارہ فاسدہ، سوم اجارہ باطلہ ان تینوں اقسام کی تعریف جو آگے لکھی جاتی ہے خوب یاد رکھنی چاہیے کیونکہ اس مسئلہ کا جواب ان اقسام سے گمانہ کی تعریف یاد رکھنے پر موقوف ہے۔

سواوّل قسم سے وہ معاملہ اجرت مراد ہے کہ جس میں اصل کام جس کے عوض اجرت دی جاتی ہے شرعاً جائز و درست ہو اور کوئی وجہ ناجائز مثل شرط وغیرہ کے بھی اس معاملہ کے ساتھ اوپر سے نہ لگی ہے مثلاً کسی کو کھانا پکانے پر نوکر رکھنا یا نوشت و خواند کے لیے کسی کو مامور کرنا اور کار کی تعین اور وقت روزانہ کی تعین اور اجرت کا پوری طرح سے تقرر کر دینا اور بھی کسی شرط خارجی کا اس کے ساتھ نہ لگانا سو ایسا معاملہ شرعاً و عقلاً ہر طرح سے جائز ہو گا نہ اس میں کوئی ذاتی خرابی ہے اور نہ شرط وغیرہ کی وجہ سے کوئی بیرونی خرابی ہے اس لیے کار معلوم کے انجام دینے پر اجرت مقررہ نوکر کو دی جائیگی۔

قسم دوم یعنی اجارہ فاسدہ سے یہ مراد ہے کہ اصل کام تو اس معاملہ میں شرعاً درست اور مباح ہو پر اور کسی شرط وغیرہ کی وجہ سے اس معاملہ کی ممانعت کی گئی ہو عام ہے کہ وہ شرط فی نفسہ امر مباح ہو یا امر حرام دونوں صورتوں میں اصل معاملہ فاسد ہو جائے گا مثلاً کسی کو حفاظت مکان پر بتعین اوقات تنخواہ معلومہ پر نوکر رکھنا اور چھپر کوئی بالائی شرط اس طرح سے کر لینا کہ گاہ و بے گاہ کھانا بھی پکا دیا کرنا یا چوسر و گنجفہ میرے ساتھ کھیلنا کرنا ان دونوں صورتوں میں معاملہ حفاظت مکان کا ناجائز ہو جائے گا یہ نہیں کہ چوسر وغیرہ کی شرط کرنے سے تو بوجہ حرمت ان اشیاء کی اصل معاملہ ناجائز ہو اور کھانا پکانے وغیرہ کی شرط ہے۔ چونکہ یہ امور جائز ہیں اصل معاملہ بدستور صحیح رہے نہیں، بلکہ شرط خواہ مباح ہو یا حرام دونوں کے دونوں اصل معاملہ کو ناجائز کر دیتے ہیں۔ سو اگر کسی عالم سے اس قسم کے اجارہ کا استفتاء کیا جاوے تو اس کو لازم ہے کہ عدم جواز کا فتویٰ دیوے اور اگر حاکم اسلام تک اس معاملہ کی نوبت پہنچی تو اس معاملہ کو فسخ کر دے اور از سر نو معاملہ کرادیوے لیکن اگر کسی نے ایسی شرائط کے ساتھ اجرت کا معاملہ کیا اور نوکر سے وہ کام لے لیا اور عالم یا حاکم سے پوچھنے کا اتفاق نہ ہوا اور

پھر مسئلہ کی چھان بین کا اتفاق پڑا تو حکیم شریعت غزالیوں سے کہ اصل اجرت مقررہ کا کچھ اعتبار نہ کریں اور یوں سمجھیں کہ گویا بلا تعین مزدوری کام لیا ہے اس لیے جو مزدوری اس جیسے کام کی اس شہر میں مروج ہو حسب تفصیل کتب فقہ مزدور کو دلوادیں۔ اس مزدوری کو اصطلاح شریعت میں اجر المثل کہتے ہیں اور جو مزدوری اوّل سے مقرر ہو اس کو اجر معین بولتے ہیں۔

قسم سوم یعنی اجارہ باطلہ اسکو کہتے ہیں کہ جس میں اصل کام ہی شرعاً حرام و ممنوع ہو مثلاً شراب بنانے یا تصویر کھینچنے یا بتوں کے تراشنے پر کسی کو نوکر رکھنا یا ماتم و لوحہ کرنے یا ستارہ سازنگی بجانے یا زنا کرنے کو لانے یا باجے گاجے سکھانے پر کسی کو نوکر رکھنا یہ سب مزدوریاں شرعاً حرام ہیں نہ ایسی اجرت کا دینا جائز نہ لینا جائز بلکہ اور الٹا دین دنیا کا خسران ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور جس قدر معصیتیں ہیں ان کا بھی یہی حال ہے۔

جب یہ چند امور ذہن نشین ہو چکے تو اصل مطلب کا حال ٹہنیے :۔ صورت مسئلہ درحقیقت کیا تھی پران و ثمنان دین و دانش نے اس میں کیا کیا اختراع کیا ہے ؟ واضح ہو کہ اصل مسئلہ یوں ہے کہ اگر کسی نے کسی عورت کو کسی امر مباح مثلاً کھانا پکانے یا بچے کے دودھ پلانے کے لیے یہ تنخواہ معین نوکر رکھا اور بعد پورا ہو جانے معاملہ کے ایک شرط بالائے فعل حرام کی اس سے کر لی ہو اور پھر کھانا پکانے وغیرہ کا کام اس سے لیا گیا ہو تو اس صورت میں تین امر قابل استفسار ہیں :۔ اوّل یہ کہ بوجہ شرط کر لینے فعل حرام کے اصل معاملہ کا کیا حکم ہے ؟ آیا وہ اجارہ صحیح ہے یا اجارہ باطلہ ؟

دوم یہ کہ اگر کبھی اس شرط پر عمل درآمد نہ ہوا ہو اور عورت مذکور نے اصل نوکری مثل کھانا پکانے وغیرہ کا کام سرانجام دیا ہو تو اس کھانا پکانے وغیرہ کی اجرت

اس کو دی جائے گی یا بوجہ شرط کر لینے حرام کے وہ اجرت بھی سوخت ہو جائیگی۔
سو ہم یہ کہ اگر وہ عورت کا نوکری بھی بجالائے ہو اور اس شرط ناجائز پر بھی عمل نہ
کیا ہو یا ہو تو اجرت نوکری کا کیا حکم ہے دینی چاہیے یا نہیں؟ اور بوجہ مرکب ہونے
فعل زنا کے ان دونوں کا کیا حکم ہے؟ سو امر اول کا یہ جواب ہے کہ معاملہ اجرت
کسی امر زائد کے شرط کر لینے سے فاسد ہو جایا کرتا ہے خواہ وہ امر زائد فی نفسہ جائز و
مباح ہو یا حرام و ممنوع ہو جس حالت میں امر مباح کی شرط سے بھی معاملہ صحیح فاسد ہو
جاتا ہے تو اس صورت میں چونکہ وہ شرط خود ہی حرام و ممنوع ہے تو وہ معاملہ بدرجہ اولیٰ
فاسد ہوگا۔ ایسے معاملہ کو نہ صحیح کہہ سکتے ہیں اور نہ باطل کیونکہ صحیح معاملہ کی تعریف
میں داخل ہے کہ وہ اصل سے بھی صحیح ہو اور کوئی شرط بھی اس کے ساتھ نہ کی گئی ہو
سو اس صورت خاص میں شرط موجود ہے اور وہ بھی کسی حرام معصیت اور اجارہ باطلہ
اس وجہ سے نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اس میں اصل کام ہی سرے سے حرام معصیت
ہوا کرتا ہے اور یہاں نوکری کا اصل کام کھانا پکانا، دودھ پلانا وغیرہ ہے جو ہر طرح
سے شرعاً مباح ہے ہاں البتہ شرط معلوم حرام ہے سو ایسے ہی اجارہ کو جو اصل سے
حلال ہو پر اور کسی طرح کی شرط اس کے ساتھ کر لی گئی ہو اجارہ فاسدہ رکھتے ہیں۔
اور امر دوم کا یہ جواب ہے کہ گو اس شرط حرام پر طرفین کا بھی عمل درآمد ہوا
پر چونکہ اول شرط کر لی تھی لہذا وہ معاملہ فاسد ہو گیا سو اگر عورت معلومہ کھانا پکانے
وغیرہ کا کام انجام دیے تو تنخواہ مقررہ کا کچھ اعتبار نہ ہو گا مگر اجر المثل واجب ہو گا چنانچہ
اس کی کسی قدر تفصیل اوپر جا چکی ہے وہاں دیکھ لینا چاہیے۔

اور تیسرے امر کا یہ جواب ہے کہ اصل کام کے عوض میں اجر المثل حسب تفصیل
نقد دینا چاہیے اور زنا کی سزا جو کچھ شریعت میں مقرر ہے اور ان دونوں پر جاری
کرنا چاہیے تفصیل اس کی اپنے موقع پر پورے طور سے شرح ہے اس کے بعد

ناظرین باتمکین کی خدمت میں گزارش ہے کہ چونکہ اس مسئلہ خاص میں پہلے دو امر
یعنی ایسے معاملہ کا اجارہ فاسدہ ہونا اور کام پورا کرنے پر اجر المثل کا دلایا جانا اجارہ
فاسدہ کے باب سے متعلق تھے اور تیسرا امر یعنی حد زنا کا جاری ہونا باب حد
الزنا کے متعلق تھا اس لیے پہلے دو امر تو اجارہ فاسدہ کے باب میں مذکور ہوئے
اور تیسرا امر حد زنا کے باب میں مذکور ہوا اب غیر مقلدین کی سفاہت و بلاوت قابل
دید ہے کہ بے سوچے سمجھے کچھ سے کچھ کہنے لگے اور عام لوگوں کو طرح طرح سے
بہکانے لگے اور صریح بہتان حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ لگایا کہ ان کے
نزدیک زنا کی خرچی درست ہے حالانکہ زنا کی خرچی خواہ اول ٹھہرا کر لی جائے یا بلا ٹھہرائے
لی جاوے باتفاق ائمت حرام و معصیت ہے تو امام اعظم کے نزدیک جو تقویٰ طہارت
میں ادبوں سے نمبر اول ہیں کیوں کر جائز ہو سکتی ہے۔ بالجلہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
نے اس مسئلہ میں ایسی فتاہت و درایت کو کام فرمایا ہے کہ گویا وہ وہ ہیں پانی جدا کر دیا
یہ یعنی جب صورت خاص میں اصل معاملہ تو درست ہے پر اوپر کی شرط نا درست ہے
تو دونوں امر کا لحاظ ضروری ہے اصلی کام کے سبب انجام دینے پر اس کی مزدوری ملنی چاہیے
اور زنا کی سزا جو کچھ ہو سچنی چاہیے بڑی نا انصافی ہے کہ بڑے کام کی شرط کر لینے سے
اچھے کام کی مزدوری بھی سوخت ہو جائے اگر ایک شخص بارادہ نماز مسجد میں آیا اور نماز
ادا کی اور چلتے وقت کسی کا کپڑا وغیرہ چرائیا تو بالضرور نماز کا ثواب اس کے نام اعمال
میں لکھا جائے گا اور نیز چوری کا عذاب بھی ثبت کیا جاوے گا پر یہ نہ ہوگا کہ چوری
کی وجہ سے نماز کا ثواب بھی جاتا آتا رہے۔ سو امام صاحب کے نزدیک بھی اس
مسئلہ کا ایسا ہی قصہ ہے۔ امر مباح کی اجرت کو وہ مباح و حلال کہتے ہیں اور شرط
زنا کو حرام بتاتے ہیں اور اس کی اجرت کو خواہ کسی طرح ہو ممنوع فرماتے ہیں۔ اب
عبارت مندرجہ اشتہار کی شرح کس قدر قابل اظہار ہے۔ یہ عبارت واقعی علامہ

چلی کی ہے اور شرح وقایہ کے حاشیہ پر منقول ہے اور اجارہ فاسدہ کے ایک مسئلہ کا حاشیہ ہے اور اسی طرح رد المحتار جلد ثالث میں اجارہ فاسدہ کے بیان میں مذکور ہے جائے تعجب ہے کہ یہ لوگ جب علماء کی عبارت سمجھنے سے بھی قاصر ہیں تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام کیونکر سمجھتے ہوں گے حالانکہ آپ کو جو امع الکلم عنایت فرمائے گئے ہیں۔ سنئے کہ شرح وقایہ میں ہے فیہا اجر المثل یعنی اجارہ فاسدہ میں مزدوری مقرر نہیں دی جاتی ہے بلکہ اجر المثل واجب ہوتا ہے۔ اس قول پر علامہ چلی نے محیط سے نقل کر کے اس طور سے حاشیہ لکھا ای يجب اجرہ حتی ان ما اخذتہ الزانیۃ ان کان بعقد الاجارہ فحلل عند الاعظم لان اجر المثل فی الاجارۃ الفاسدۃ طیب وان کان السبب حراما وحرام عندہما۔

اس میں غیر مقلدین نے چند غلطیاں کھائی ہیں ان کا لکھنا ضروری ہے۔ پر جو لوگ صرف و نحو میں غور و تعمق سے بھی استعداد رکھتے ہوں گے بلا تکلف اس کو سمجھ لیں گے اور جو لوگ اس فن سے ناواقف ہوں گے وہ اپنی تسلی کسی مولوی یا طالب علم سے کر لیں گے اوّل تو یہ کہ غیر مقلدین نے ضمیر (ان کان بعقد الاجارۃ) کے لفظ (ما) کی جانب پھیری ہے۔ دوم یہ کہ با اجارہ (بعقد الاجارۃ) کو سبب سمجھ بیٹھے ہیں سوّم یہ کہ الاجارۃ کو جو (بعقد الاجارۃ) میں واقع ہے زنا کے اجارہ پر حمل کرتے ہیں حالانکہ یہ تینوں امر غلط ہیں بلکہ ضمیر (ان کان) کی زنا کی طرف راجع ہے جو لفظ الزانیۃ سے مفہوم ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ "اَعِدُّوْا هُوَ اقْرَبُ لِلتَّقْوٰی" اور یہی اکم کان کا ہے اور با اجارہ بعقد الاجارۃ میں معنی سبب نہیں بلکہ معنی تلبس ہے۔ یعنی متلبساً بعقد الاجارۃ پھر چونکہ متلبساً صیغہ صفت ہے لا محالہ اس کے لیے کوئی موصوف چاہیے سو وہ لفظ شرطاً ہے اور لفظ الاجارہ

سے اجارۂ زنا مراد نہیں بلکہ بقرینہ اطلاق اجارہ صحیح مراد ہے جب یہ بات ذہن نشین
 ہوئی تو تقدیر عبارت یوں ہوگی: "حتی ان ما ای اجر المثل الذی اخذتہ الزانیۃ
 ان کان ای الزنا شرطاً متلبساً بعقد الاجارۃ اسے الصحیحۃ فہو
 اسے ما اخذتہ جلال عند الاعظم لان اجر المثل فی الاجارۃ الفاسدۃ
 طیب وان کان السبب حراماً و حرام عند ہما" جس کا خلاصہ یہ ہے کہ
 زنا کرانے والی کا لینا اگر اس طرح سے ہوا کہ فعل زنا کسی جائز فوکری کے ساتھ
 شرط کر دیا گیا تھا تو جائز فوکری کے عوض اجر المثل لینا اس کو حلال ہے اگرچہ ایسے
 معاملہ کا کرنا حرام ہے اور صاحبین کے نزدیک یہ مال حرام ہے ان کے نزدیک حرمت
 کی وجہ یہ ہے کہ فعل زنا کو داخل معاملہ خیال کرتے ہیں اور اجرت کو دونوں کام کی
 مزدوری تصور کرتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ صورت مرقومہ بالا میں یہ شرط داخل معاند
 نہیں ہے بلکہ شرط زائد خارج عقد ہے بناً علیہ امام صاحب اور صاحبین میں کوئی
 نزاع حقیقی نہیں بلکہ نزاع لفظی ہے درحقیقت سب کا ایک ہی مذہب ہے
 یعنی فعل زنا اگر معاملہ میں داخل مانا جائے تو امام اعظم کے نزدیک بھی مثل مذہب
 صاحبین وہ اجرت حرام ہوگی اور اگر خارج مانا جائے تو لاریب صاحبین کے
 نزدیک بھی مثل امام اعظم امر مباح کی اجرت مباح ہے۔ بالجملہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ
 امر مباح کی اجرت کو حلال فرماتے ہیں نہ اجرت زنا کو۔ پھر کیسی بڑی خیانت ہے
 کہ عبارت کے معنی کچھ ہوں اور لکھیں کچھ۔ یہ سب ان لوگوں کی لاعلمی کا ثمرہ
 اور نتیجہ ہے کہ عبارت سے معنی نہیں سمجھ سکتے اور خواہ مخواہ ان مسائل کو اپنی گندی
 سمجھ سے گندے بتاتے ہیں اب ایک اور خیانت ان لوگوں کی قابل خیال ہے
 یہ ہے کہ اس عبارت کے آگے کا جملہ جس میں صراحۃً زنا کی خرجی حرام و منوع
 لکھی ہوئی ہے بالکل حذف کیا اور سہلی عبارت کے ترجمہ میں تصرف کر کے زنا

کی فرجی سے تعبیر کیا حالانکہ وہ کسی امر مباح کی اجرت ہے نہ کہ فعل زنا کی اور پھر خواہ مخواہ عوام کے بہکانے کے لیے حنفی مذہب کے ذمہ اتہام لگایا اور ذرا خدا سے نہ شرمائے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اس لیے مناسب ہے کہ وہ عبارت بھی نقل کی جائے اور اس کا ترجمہ لکھا جائے عبارت اس کی اس طرح سے ہے: وان كان بغیر عقد الاجارة فحرام اقضاقا۔ لانها اخذته بغیر حق۔ یعنی اگر فعل زنا کسی معاملہ صحیحہ کے ساتھ شرط منضم نہ تھا بلکہ خود زنا ہی کے عوض کچھ لیا لایا تو مال باتفاق علماء کرام حرام ہے کیونکہ اس عورت نے یہ مال کسی حق جائز کے بدلے نہیں لیا ہے بلکہ معصیت کے عوض لیا ہے اور ظاہر ہے کہ عرف میں اسی مال کو زنا کی فرجی کہتے ہیں نہ اور کسی کام کی اجرت کو، سو اس کو باتفاق علماء کرام حرام لکھا ہے اب بتلائیے کہ امام غفر نے اس مسئلہ میں کیا خلاف شرع کیا ہے جس کے صلہ میں یہ سفہار ان کو لعن و طعن سے یاد کرتے ہیں۔ بالجملة اس مسئلہ کا اجارہ فاسد میں لکھنا اور پھر اس کی دلیل اس طرح سے بیان کرنا۔ لان اجر المثل فی الاجارة الفاسدة طیب دلیل روشن ہے اس امر کی کہ اس مال کا حلال ہونا کسی امر مباح کے عوض ہے نہ زنا کے عوض میں اگر زنا کی اجرت اس کو قرار دے حلت کا حکم دیا جائے جیسا کہ ان لوگوں کا خیال خام ہے تو چند خرابیاں لازم آتی ہیں:

۱۔ اول تو یہ کہ اس کو اجارہ فاسدہ میں لکھنا نہیں چاہیے بلکہ اجارہ باطلہ میں بیان کرنا چاہیے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اس اجارہ فاسدہ ہی میں لکھا ہے۔

دوم یہ کہ دلیل مسئلہ یعنی لان اجر المثل... الخ اس مسئلہ پر چسپاں نہ ہو گی کیونکہ خلاصہ دلیل یہ ہے کہ اس صورت مرقومہ میں اجارہ صحیحہ فاسدہ ہو گیا تو اجر المثل جائز رہے گا سو جس صورت میں خود زنا ہی کا معاملہ ہے تو اجارہ فاسدہ کہاں ہوگا بلکہ بوجہ معصیت کے اجارہ باطلہ ہوگا اور ظاہر کہ اس میں ہرگز مزدوری واجب

نہیں ہوتی ہے جیسا کہ روایتیں ہیں : بخلاف الثانی وهو الباطل فانه لا احص فیہا بالاستعمال ۔

سوئم یہ کہ جب تمام کتب فقہ میں گانے بجانے یا اور لہو و لعب کی مزدوریوں کو حرام قطعی لکھیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ زنا کی مزدوری کو جائز و حلال بتلاویں چنانچہ ہدایہ میں مذکور ہے : ولا يجوز الاستیجار علی الفناء والنوح وکذا سائر الملاحی لانه استیجار علی المعصیۃ والمعصیۃ لا تستحق بالعقد ۔ یعنی گانے اور نوح کرنے پر اور ایسے ہی اور لہو و لعب کام پر نوکر رکھنا جائز نہیں کیونکہ یہ معصیت پر نوکر رکھنا ہے اور معصیت معاملہ سے جائز نہیں ہو جاتی ہے اس کے بعد ہر انصاف پسند غور کر سکتا ہے کہ جس امام کے نزدیک گانا بجانا جو اکثر زنا کا ذریعہ ہو جایا کرتا ہے خود حرام ہو اور اس کی اجرت بھی حرام ہو تو اس کے نزدیک زنا کی اجرت کیسے حلال ہو سکتی ہے یہ صرف ان لوگوں کا اتہام ہی اتہام ہے مروعاقل کو یہی پس ہے ۔ اب دوسرے اعتراض کا جواب لکھتا ہوں فقط

کفایہ میں ہے : ان اراد تسکین ما بہ من الشهوة **دوسرا اعتراض** | ارجوان لا یكون علیہ وبال ۔ یعنی شہوت کی تسکین کے واسطہ حلق کرے تو کچھ حرج نہیں اور ردالمحتار میں ہے کہ شہوت کے غلبہ کا خوف ہو تو مٹھولے مارنے واجب ہیں ۔

انے مدعیان عمل بالحديث کبھی تو خدائے پاک سے شرایا کرد، اور **الجواب** | کہیں تو بھول چوک کر عبارت کا صحیح ترجمہ لکھ دیا کرو اور کچھ تو اپنے دعویٰ عمل بالحديث کا پاس کیا کرو کیا سارے جہان کی افترا پر وازی آپ ہی کے حصہ میں آگئی ہے ؟ کیا عمل بالحديث بہتان بندی ہی کا نام ہے ۔ اے مسلمانان منصف مزاج دیکھو ان لوگوں نے دیدہ و دانستہ کیسی حق پوشی کی ہے اور کیا غلط

ترجمہ کیا ہے ایک کتاب کی عبارت نقل کی اس کا ترجمہ صریح غلط کیا دوسری کتاب
 کی عبارت نقل نہیں کی پر زبانی ہی مسئلہ نقل کیا لیکن یہ مسئلہ کسی کتاب میں نہیں کہ غلبہ
 شہوت میں اس فعل شنیع کا ارتکاب واجب ہے۔ یہ مسئلہ ان لوگوں کا طبع زاد ہے یہی
 وجہ ہے کہ اس کی عبارت نقل نہیں کی ہے خیر یہ لوگ تو اپنے مذہب کی پاسداری میں
 حق و ناحق سے قطع نظر کر لیا کرتے ہیں پر ہم یہ مسئلہ واقعی طور سے بیان کرتے ہیں تاکہ
 عوام و خواص پر ظاہر ہو جائے کہ ان لوگوں نے کیسی کچھ تعریف و تبدیل کی عادت کر رکھی
 ہے۔ مکتب فقہ میں لکھا ہوا موجود ہے کہ لذت حاصل کرنے کے لیے اضرار جہنمی حرام و
 معصیت ہے اگر حاکم اسلام کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص ایسی بلائے شنیع میں مبتلا
 ہے تو اس کا فرض منہی ہے کہ اس کو تعزیر و سزا دیوے اور ہرگز اس میں چشم پوشی
 نہ کرے اگر میراث قول باور نہ سمجھا جائے تو درمختار کو ملاحظہ فرمائیے۔ باب حدود میں یہ
 عبارت موجود ہے: **والاستعناء بحرام وفيه التعزیر** یعنی ہاتھ سے منی
 نکالنا حرام ہے اور مرتکب اس فعل زبوں کا اس جرم میں تعزیر و سزا دیا جائے گا یہ
 دیکھ لیجئے کہ کیسے شد و مد کے ساتھ اس فعل قبیح کی حرمت مکتب فقہ میں مذکور ہے
 پھر کس وجہ سے یہ لوگ اس مذہب مقبول پر طعن و تشنیع کی بوجھاڑ برساتے ہیں۔
 خیر جب اس فعل کی حرمت ہم اپنی کتابوں سے صاف طور سے دکھا چکے تو اب
 اس عبارت کا حال جو درجہ اشتہار ہے ملاحظہ فرمائیے:

پہلے کچھ چکا ہوں کہ ان لوگوں نے حسب عادت قدیم اس کے ترجمہ میں تصرف
 کیا ہے سو ہم اس کو واضح طور سے ہی بیان کرتے ہیں۔ ردالمحتار شرح درالمختار سے
 اس مسئلہ کا خلاصہ بیان کر کے اس کی عبارت بحسبہ ملاحظہ ناظرین سے گزرے گی
 جو فتاویٰ قاضی خاں کی عبارت سے مطابقت و موافق ہے مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی جوان
 صالح صاحب تقویٰ و طہارت بعالم شباب مجروری کی حالت میں ہو اور نعمت نکاح

سے ابھی تک فائز نہ ہوا ہو یا نکاح ہو چکا ہو پر کسی وجہ خاص سے بیوی تک پہنچنا
 ممکن نہ ہو اور شہوت کی شدت و حدت کی یہ نوبت ہو کہ حد سے تجاوز کر گئی ہو مگر
 اس پر بھی بمقتضائے حدیث نبوی مشابہ نشاء فی عبادت اللہ عبادت خدا
 اور تلاوت قرآن اور دیگر اواراد و وظائف میں لگا ہوا ہو اور ان نیک کاموں کا اجر
 سے زیادہ شائق ہو پر غلبہ شہوت اُن میں دل لگنے نہ دیتا ہو اس پر وہ اپنی کمی ضبط
 سے اخراج مٹنی کر دے اور دل میں اس فعل کو حرام سمجھنے اور اس کو عبادت کے
 لیے ذریعہ فارغ دلی سمجھ اور تحصیل لذت اس کی غرض نہ جانے تاہم یہ فعل شرعاً
 ممنوع ہے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں مواخذہ نہیں ہے پر بمقتضائے اَلْعَمَلُ
 بِالْغَيْرِ بِالْغَيْرِ چونکہ اس فعل سے تحصیل لذت مد نظر نہیں بلکہ تحصیل
 فارغ دلی منظور ہے جو عبادت کا جزو اعلیٰ ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے امید
 ہے کہ اس گناہ کو معاف کرے اور وبال و نکال سے بچائے اور چونکہ اس نے
 اس فعل کو معترف بہ گناہ ہو کر اپنی غلطی اجتہاد سے فارغ دلی عبادت کے لیے
 کیا ہے سو امید ہے کہ خداوند کریم بمقتضائے وَالْخَيْرُ وَنَا عَسَىٰ فُؤَادُكُمْ جُوهَرٌ
 خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرًا سَيِّئًا عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ
 إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ اس گناہ سے درگزر فرمائے اب جانے غور ہے
 کہ فقہار حنفیہ تو اس حالت میں بھی جائز و مباح نہیں فرماتے بلکہ اس گناہ کو گناہ جتانے
 میں پر خدا کے پاک سے امید عفو رکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ امید عفو وہاں ہی ہوتی ہے
 جہاں وجود گناہ ہو سو معلوم نہیں کہ ان دشمنانِ دین و دانش نے کس عبارت سے یہ
 بات نکالی کہ حنفیہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ فعل جائز ہے اور اس میں کچھ جرح نہیں
 اگر یہ جواز فقہار کی امید عفو سے استنباط کیا ہے سو چاہیے کہ جن جن گناہوں میں خدا نے عفو و
 نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امید معافی ظاہر فرمائی ہے وہی سب کے سب جائز مباح ہو

جائیں سو ایسی بات سوان بے وقوفوں کے اور کون کر سکتا ہے۔ عبارت رد المحتار
 ملاحظہ فرمائے اور پھر اگلی بات کی جانب دھیان لگائے۔ ان اراد تسکین
 الشهوة المفرطة الشاغلة للقلب وکان غریبا لا زوجة له ولا امة
 او کان الا اذ لا یقدر علی الوصول الیہا العذر قال ابو الیث
 ارجوان لا وبال علیہ۔ اس عبارت کا وہی خلاصہ ہے جو اوپر مذکور ہوا یعنی
 اگر عبادت کی فارغ البال کے لیے اس فعل کا ارتکاب کیا جائے تاہم گناہ ہے
 پر امید عفو و کرم ہے اس کے بعد گزارش ہے کہ اگر بلا غلبہ شہوت صرف حصول لذت
 کے لیے یہ فعل شائع کیا جاوے جیسے اکثر نو عمر ان نا عاقبت اندیش اس مرض
 سخت میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس میں علاوہ مضرت دنیاوی کے سخت درجہ کا
 گناہ ہے۔ چنانچہ صاحب در مختار نے اس کی حرمت بیان کر کے دلیل حرمت
 یوں بیان کی ہے: الحدیث ناکح الیہ ملعون یعنی حدیث میں آیا ہے کہ
 ہاتھ سے سنی نکالنے والا ملعون ہے اور رد المحتار میں اس کی نسبت یہ عبارت
 مذکور ہے واما اذا فعله لاستجاب الشهوة فهو اثم یعنی اگر کوئی
 اس فعل کو صرف لذت حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے تو وہ گنہگار ہے۔ الغرض
 یہ تحقیق تو شہوت غالبہ کے فرو کرنے یا تفصیل لذت کے متعلق تھی جس کی حرمت دونوں
 صورتوں میں یکساں ہے اب اس کا جواب لکھا جاتا ہے کہ انھوں نے بے باکانہ لکھ
 دیا ہے کہ نفقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جب شہوت غالب ہو تو یہ حرکت شیعہ واجب
 ہے۔ سو صاحبو یہ ان لوگوں کا سراسر اتہام ہے غلبہ شہوت میں کسی کتاب کی رو
 سے واجب تو درکنار مباح بھی نہیں چنانچہ غلبہ شہوت کا قصہ اوپر تفصیل سے لکھ چکا
 ہوں اور حوالہ کتب دے چکا ہوں ہاں بعض موقع ایسا ہوتا ہے کہ اس میں اندیشہ
 زنا قریب الیقین ہوتا ہے اور بچنے کی کوئی صورت ظاہر نظر میں معلوم نہیں ہوتی ہے

مثلاً ایک شخص دیندار کسی مکان میں آگھرا ہو اور وہ مکان فرش فروش سے راستہ
 اور شیشہ و آلات سے پیراستہ ہو اور چھت گیری اس کی جھاڑ و فانوس سے مزین
 اور دیواریں پھول و پونٹھ سے رشک گلشن ہوں اور وہاں کوئی عورت نازنین چاندنگاہ
 و فریب جدا جلوہ دکھا رہی ہو کبھی اپنی خوب روئی کا جو بن اور اپنے جامہ چہیت کی
 پھین دکھاتی ہیں اور کبھی اپنا ساعد سیمیں دکھا کر سیلاب واری بناتی ہے اور کہیں
 زلف و دتا کا جال بچھاتی ہے اور سٹھی باتوں سے قند مکر کا مزہ چکھاتی ہے پر یہ
 شخص دیندار اپنی قوت ایمانی سے اس کے فریب میں نہیں آتا ہے اور ہرگز
 راہِ شیطانی پر نہیں جاتا ہے مگر بمقتضائے بشریت غلبہ شہوت سے مجبوراً اور جوانی کے
 نشہ میں مغمور ہے اور اندیشہ ناک ہے کہ اگر اخراجِ منی نہ کیا گیا تو معصیتِ زنا میں ضرور
 مبتلا ہو جائے گا سو ایسے حالات میں یوں حکم ہے کہ اخراجِ منی کرے اور زنا سے
 بچے کیونکہ کم درجہ کی معصیت بمقابلہ بڑی معصیت کے آسان ہوتی ہے دیکھئے
 اپنی جان تلف کرنا بھی حرام ہے پر بحالتِ اضطرابِ اکلِ خنزیر کا حکم ہے کہ بمقابلہ
 تلفِ جان یہ کم درجہ ہے سو اگر فقہاء پر اس وجہ سے اعتراض ہے کہ ایسی حالت
 میں بھی اھنوں نے اس فعل کو ضروری لکھا ہے تو اوّل خدا نے پاک اور صاحبِ
 لولاک کی جانب سے ایسے اعتراضوں کا جواب دیکھئے پھر کہیں فقہاء پر اعتراض
 کیجئے سو اہلِ فہم خوب جانتے ہیں جو جواب وہاں ہے وہی جواب یہاں اس
 صورت میں ان لوگوں کا فقہاء پر اعتراض و تحقیقتِ خدا و رسول پر اعتراض ہے
 کہ کیوں اھنوں نے حالتِ اضطراب میں محرمات کو مباح کیا ہے سو ایسے مذہب سے
 خدا بچائے۔ اللہم! حفظنا من الفہم الردي۔ فقط۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: اذا صلی علی جلد
 کلب او ذئب قد ذبح حازت صلواتہ۔

تجسس؟ کتا یا بھیریا ذبح کر لیا جائے تو اس کی کھال پر نماز جائز ہے۔

اس اعتراض کا یہ خلاصہ ہے کہ کتا یا بھیریا یا اور جانور جن کا کھانا

الجواب شرعاً حرام ہے ان کی کھال کسی طرح پاک نہیں ہوتی خواہ اللہ کے نام

پر ذبح کیے جائیں یا اور کسی طرح مر جاویں اور مذہب حنفیہ میں ایسے جانوروں کا

گوشت کھانا تو ہر طرح سے حرام و معصیت ہے پر اگر ان جانوروں کو بسم اللہ

اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر لیں تو ان کی نجاست جاتی رہے گی البتہ حرمت ان کی

بدستوری باقی رہے گی سو اگرچہ اس مسئلہ کا تسلیم کرنا عوام کے دھیان میں بہت مشہور

معلوم ہوتا ہے پر جب قرآن و حدیث کی جانب دھیان کیا جاوے تو یہ مسئلہ قابل تسلیم

معلوم ہوتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ خداوند کریم سورۃ مائدہ میں فرماتا ہے:

وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا

ذَكَّيْتُمْ یعنی تم پر حرام کیا گیا چوٹ کھا کر مر جانے والا جانور اور گھساکر

مر جانے والا جانور اور سینگوں سے لڑ بھڑ کر مر جانے والا جانور اور درندہ کا بچھاڑا ہوا

جانور مگر جس کو تم ان میں سے ذبح کر لو وہ تمہارے لیے حلال ہے مقصود اس

آیت کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ اللہ پاک نے اس آیت میں ذبح کرنے کو

تزکیہ سے تعبیر فرمایا ہے اور بجائے "إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ" "إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ"

ارشاد فرمایا ہے اور تزکیہ زبان عرب میں پاک کرنے کو کہتے ہیں۔ اگر وہ لیل و نهار

ہے تو لیجئے ایک دو حدیث نقل کرتا ہوں اور اسی کو سند کافی سمجھتا ہوں۔ اس

کے بعد مدعیان حدیث کو بھی گنجائش انکار باقی نہ رہے گی۔ نسائی شریف میں جو منقولہ

صحاح کثر مستند کتاب ہے یہ حدیث موجود ہے ذکاة المیتہ دباغھا

یعنی مردہ جانور کی کھال و باغٹ سے پاک ہو جاتی ہے سو صاف ظاہر ہے کہ اس

حدیث میں لفظ ذکاة سے تطہیر کے معنی مراد ہیں ذبح کے معنی تو کسی طرح ممکن ہی نہیں

ایسے ہی دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ذکاة الارض یبسھا یعنی زمین کی پاکی اس کا خشک ہو جانا ہے۔ علیٰ ہذا مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ حدیث موجود ہے۔ اذا جفت الارض فقد ذکت یعنی جب زمین خشک ہو گئی تو وہ پاک ہو گئی۔ سو ان چند احادیث سے ثابت ہوا کہ ذکاة کے معنی حقیقی تطہیر اور پاک کرنے کے ہیں سو جب خداوند کریم نے ذبح کو تزکیہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ جانور کو بنام خدا ذبح کرنا اس کے گوشت پوست کو پاک کر دینا ہے ورنہ بڑی ہٹ دھرمی ہے کہ یہی لفظ ذکاة اگر دباغت پر اطلاق کیا جائے تو پاکی کے معنی مراد ہوں اور زمین کی خشکی پر بولا جائے تب بھی پاکی کے معنی مراد ہوں پر ذبح شرعی پر اگر خدا نے پاک بھی اس لفظ کو اطلاق فرمائے تو پاکی کے معنی مراد نہ ہوں یہ کیسی بڑی نا انصافی ہے

فَمَا لَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ بِالْمَجْلِدِ ذَبْحٌ بِاسْمِ اللَّهِ سَ ذَبْحٌ كَا غُوشَتِ لُوسْتِ
 پاک ہو جانا ہے یہی وجہ ہے کہ مذبوہ جانور کی کھال سے لے دباغت بھی شرعاً پاک ہے بشرطیکہ کوئی آلائش خارجی اس پر نہ ہو اور مردہ جانور چونکہ بنام خدا ذبح نہیں ہوا تو اس کا تمام گوشت پوست ناپاک رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی تطہیر میں شارع نے دباغت شرط کر دی ہے اور بلا دباغت اس کے استعمال کو ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ لَا تَتَفَحَّصُوا مِنَ الْمَيْتَةِ بَاهَابٍ
 یعنی مردہ جانور کی کچی کھال سے نفع نہ اٹھاؤ۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ امر ان یستمتع بجلو والمیتة اذا دبغت۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت فرمائی کہ مردہ جانور کی کھال سے نفع اٹھایا جائے جب اس کو دباغت کر لیا جاوے۔ سو ان دونوں حدیثوں سے بھی معلوم ہوا کہ دباغت اگر شرط ہے تو مردہ کی کھال میں شرط ہے نہ کہ مذبوہ جانور کی کھال میں۔ ورنہ تخصیص میتہ کی جو ان دونوں حدیثوں میں موجود ہے لغو و بے کار رہے گی۔

ان فرض جب قرآن و حدیث دونوں سے اس امر کا پتہ لگا کہ مذکورہ جانور کی
 کھال بلا دباغت پاک ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ ہونہ ہو اس کی طہارت اگر حاصل ہوئی
 ہے تو بدولت ذکر اللہ ہوئی ہے اس تطہیر میں اس جانور کی حلت کو کچھ دخل نہیں۔
 ورنہ لازم آتا ہے کہ حلال جانور کا کوئی پارچہ گوشت اگر بغیر ذبح کیے تراش لیا جائے
 تو وہ پاک سمجھا جائے یا اس کے مرنے کے بعد اس کی کھال پاک نسور کی جائے
 کیونکہ اس جانور کا از قسم حلال ہونا موجود ہے حالانکہ اس کے پوست کی نجاست
 ہر دو حدیث بالا سے معلوم ہو چکی اور اس کے گوشت قطع کردہ کی حرمت نجاست
 اس حدیث سے ثابت ہے جو ابو داؤد اور ترمذی میں ہے : مَا يَقْطَعُ مِنَ
 الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهِيَ مَيْتَةٌ وَلَا تَوَكَّلْ بِعَيْنِي جَوْ پارچہ گوشت زندہ جانور
 سے کاٹ لیا جاوے اس کا حکم مردہ کا سا ہے وہ کھایا نہ جائے۔ جب اس گوشت کا
 حکم مردہ کا سا ہو تو معلوم ہوا کہ وہ حرام بھی ہے اور ناپاک بھی ہے کیونکہ مردہ میں یہ
 دونوں باتیں جمع ہوتی ہیں۔ بالجملہ ذبح باسم اللہ تطہیر کے لیے علت مستقلہ ہے اس
 کے بعد دباغت کی حاجت نہیں رہتی۔ جانور کو اس طرح ذبح کریں وہ لاریب پاک
 ہو جائے گا۔ ہاں جس جانور کا نجس العین ہونا کسی دلیل شرعی سے ثابت ہو جائے
 تو وہ البتہ کسی طرح قابل تطہیر نہیں ہو سکتا خواہ اس کو بنام خدا ذبح کریں یا اس کی کھال
 کو دباغت دیں ناپاک کا ناپاک رہے گا۔ سو تمام جانوروں میں سے صرف خنزیر کا
 نجس العین ہونا ثابت ہوا ہے کیونکہ اس کے بارے میں آیت فَاتَّكِرْ رِجْلُكَ
 نازل ہوئی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ سرانسر ناپاک محسوس ہے سو جو چیز بجمع
 اجزاء ناپاک ہو وہ بجلد خشک کرنے سے کیسے پاک ہو سکتی ہے۔ مثلاً جانوروں
 کی لید و گور یا آدمی کا پاخانہ چونکہ ان کا ہر جز ناپاک ہے خشک ہونے سے
 بھی پاک نہیں ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کپڑے میں باندھ کر

اسی کپڑے سے نماز پڑھے تو اس کی نماز نہ ہوگی گو اس کے چھوٹے سے ہاتھ یا کپڑا
 بوجہ خشکی کے ناپاک نہ ہوتا ہو۔ رہا گٹا، بھٹیر یا، شیر و ہاتھی وغیرہ، سو یہ سب حرام
 ہیں پر ان کا نجس العین ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے بلکہ جیسے بیل و مہر
 مرا ہوا حرام ہے ایسے ہی یہ حیوانات بھی حرام ہیں سو جیسے وہ دباغت سے پاک
 ہو جاتا ہے یہ جانور بھی دباغت سے پاک ہو جائیں گے اور جب ان کی کھال غنست
 سے پاک ہوئی تو ذکر اللہ سے بدرجہ اولیٰ پاک ہو جائے گی کیونکہ اوپر ثابت
 ہو چکا کہ ذکر اللہ ایسا اعلیٰ درجہ کا مطہر ہے کہ اس کے سامنے دباغت کی بھی ضرورت
 نہیں رہتی مگر ان کی کھالوں کے پاک ہونے سے یہ مراد نہیں کہ خواہ مخواہ ایسی کھالوں
 کے مصلے بنایا کریں اور پھر اس پر نمازیں پڑھا کریں بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر کسی نے
 لاعلمی سے یا اور کسی وجہ سے اس پر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز ہو گئی حاجت اعادہ
 نہیں۔ پر دیدہ و دانستہ اس پر نماز نہیں پڑھنی چاہیے کیونکہ اقل تو کتے کی دانت
 و حقارت اسی قابل ہے کہ ہر لطیف المزاج اس سے نفرت کیا کرے اور ایسی
 گندی باتوں سے بچا کرے۔ دوسرے احادیث سے بھی جلود سباع کے استعمال
 کی کراہت معلوم ہوتی ہے کیونکہ شیر کی کھال کے استعمال سے رعونت اور تکبر مزاج
 میں سما جاتا ہے اور کتے کی کھال کے استعمال سے دناوت اور حرص جی میں آجاتی
 ہے اس موقع پر پہنچ کر شاید بعض غیر مقلدین یہ بول اٹھیں کہ جب تم نے کتے شیر
 وغیرہ کی کھالوں کی کراہت حدیث سے تسلیم کر لی تو پس یہی احادیث ان کے نجس
 ہونے کے لیے دلیل کافی ہیں سو بندہ نواز ذرا اس کا جواب بھی سن لیجئے، اعتراض
 تو بڑی خوشی خوشی کر ڈالا۔ اگر یہ قاعدہ مسلم ہو کہ جس کے استعمال کی ممانعت ہو وہ شرعاً
 نجس سمجھا جائے گا تو آپ پر لازم ہے کہ ثواب ارغوانی یعنی جامہ سرخ رنگ اور
 دیا و حریر کو جس کے استعمال کے مردوں کے لیے صاف طور پر احادیث میں ممانعت

موجود ہے ناپاک کہئے۔ علیٰ ہذا کرتے ہائے دراز آستین اور تہ بند و راز ممنوع الاستعمال ہے ان کو بھی ناپاک خیال فرمائے غرض ایسے ایسی مثالیں بہت موجود ہیں کہ ان تک لکھوں۔ سو خدا صبر جواب یہ ہے کہ ممنوع ہونا اور چیز ہے اور نجس ہونا اور شے ہے تنگی موقع اجازت نہیں دیتی ورنہ ہر شے کے لیے ممانعت کی وجہ بیان کرتا اور قرآن احادیث سے اس وجہ کو موجب کر دکھاتا۔

یا لجلہ ذکر اللہ اور وباغت سے ان کلمات حیوانات کی کھالیں پاک ہو جاتی ہیں پر اس سے یہ کوئی نہ سمجھے کہ خواہ مخواہ بھی اس پر نمازیں پڑھا کریں اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی عالم مسئلہ بتا دے کہ اگر کوئی شخص زمین پر پیشاب کر دے اور پھر وہ زمین خشک ہو جاوے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔ اس سے کوئی عالمی فہم نہ سمجھ بیٹھے کہ خواہ مخواہ فرش مسجد کو پیشاب سے ترک کرنا شرع میں درست ہے خشک ہو کر اپنے آپ پاک ہو جائے گا۔ اس میں کیا ڈر ہے۔ سو بعینہ ہی قصہ جلد کلب کی طہارت کا ہے سر مؤ فرق نہیں جو اس میں سمجھتے ہیں وہی یہاں سمجھو۔

رہا یہ شبہ کہ جب ذبح باسم اللہ سے کتے کا گوشت پوسٹ پاک ہو جاتا ہے تو اس کے کھانے میں کیا تامل ہے سو اس کا یہ جواب ہے کہ ہمارے مجتہدان زمانہ کی انگریزی نازک فہمی ہے تو ان پر لازم آئے گا کہ جس چیز کی طہارت ان کے نزدیک ثابت ہو جائے گی فوراً اس کے کھانے کے لیے تیار ہو جایا کریں گے۔ سو لیجئے ہم بہت سی اشیاء ظاہرہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں بہ رغبت دل تناول فرمائیے۔ آدمی کا حقوک و بلغم اور ناک کا رینٹھ و شک پاک ہے۔ کپڑا اس سے ناپاک نہیں ہوتا اس کا مچون بنا کر تناول کیجئے۔ زہر پاک ہے خود کھائیے اور اپنے معتقدین کو بھی کھلائیے۔ جلد میتہ بعد وباغت کے پاک ہے۔ پیشاب کا ڈھیلہ خشک شدہ پاک ہے اور جوتی کا تلوہ کل دل و سینے سے پاک ہو جاتا ہے،

ان سب کو بھی کھایا کیجئے۔ سبحان اللہ کیا ان لوگوں کی کوتاہ فہمی ہے کہ اس قدر خرابیاں اپنے ذمہ لے لیں۔

الحاصل کتا وغیرہ ذبح باسم اللہ سے پاک بے شک ہو جاتا ہے پر کھانے کے حق میں بدستور حرام رہتا ہے جیسا کہ میتہ بعد و باغت پاک ہے پر اس کا کھانا حرام ہے لقول النبی علیہ السلام افما حرم اکلہا اس کے بعد غیر مقلدین کی خیانت بھی قابل اظہار ہے وہ یہ ہے کہ فقہ کی کتابوں میں کتے کی نسبت لکھتے ہیں : امہ لیس بنجس العین یعنی کتے کا ہر ہر جزر ناپاک نہیں بلکہ خون اس کا مثل حلال جانوروں کے خون کے بالکل ناپاک ہے اور اس کے اتصال ہی سے سارا گوشت پوست اس کا ناپاک ہے چنانچہ حلال جانوروں کا گوشت پوست بھی تا وقتیکہ اس سے علیحدہ نہ ہو پاک نہیں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ مردہ جانور شرعاً ناپاک و حرام سمجھا گیا کیونکہ خون سائل جو دراصل نجس العین ہے اس سے جدا نہیں ہوا اور نیز اس وجہ سے شاربغ نے اس کی کھال کو ناپاک بتایا اور اس کی تطہیر میں بغرض ازالہ رطوبت ناپاک و باغت کو شرط ٹھہرایا۔

الغرض جمیع حیوانات میں سوائے خنزیر کے خواہ وہ حلال ہوں یا حرام خون تو اصل سے ناپاک ہے اور گوشت پوست ان کا اصل سے ناپاک نہیں ہے بلکہ بوجہ اتصال خون کے ناپاک ہے۔ سو اصطلاح فقہاء میں جو چیز اصل سے ناپاک ہو اس کو نجس العین کہتے ہیں جیسے لید و گوبر، پاخانہ و پیشاب کہ ان کا ہر جزر ناپاک ہے یہی وجہ ہے کہ یہ اشیاء بعد خشک ہو جانے کے بھی بدستور ناپاک رہتی ہیں اور جو چیز اصل سے تو ناپاک نہ ہو، پر اُنسی ناپاک کے اتصال سے ناپاک ہو اس کو نجس بالغیر کہتے ہیں جیسے پیشاب وغیرہ کے اتصال سے بدن یا کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے سو اس کی تطہیر کی ہی شکل ہے کہ اس پیشاب وغیرہ کو

پانی سے دھو ڈالیں سوکتے کی نسبت فقہاء کا یہ ارشاد کہ نجس العین نہیں ہے۔
 اس سے یہ مراد ہے کہ اس کا پوست وغیرہ اصل سے ناپاک نہیں ہے پرنہ بوجہ
 اتصال خون کے ناپاک ہے سو حضرات غیر مقلدین اس عبارت کا ترجمہ یوں لکھتے
 ہیں کہ ”کتنا ناپاک نہیں“ اور عوام کو بہکاتے ہیں کہ فقہ میں کہتے کو پاک لکھا ہے
 حالانکہ فقہ میں اس کی نجس العین ہونے کی نفی کی ہے نہ نجس ہونے کی اس کی
 ایسی مثال ہے کہ کوئی کتے کے میں تے گرم پانی نہیں پیا اس سے کوئی سمجھ بیٹھے کہ
 بالکل پانی ہی نہیں پیا سو یہ غوی فہم کی دلیل ہے۔

الغرض جب کہتے کی ناپاکی بوجہ خون کے عقی موجب اس کو بطریق ذبح آل
 کے گوشت پوست سے نکال ڈالیں تو لاریب وہ پاک ہو جائے گا یا بذریعہ وباغت
 اس کی رطوبت ناپاک دور کر دیں تب بھی پاک ہو جائے گا یہی وجہ ہے کہ سوائے
 خنزیر کے سب جانوروں کی ہڈی وغیرہ کا استعمال شرعاً جائز ہے۔ چنانچہ سنن
 بیہقی میں یہ روایت موجود ہے اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان تمیشط
 بمشط من عاج۔ یعنی نبی علیہ السلام ہاتھی دانت کا کنگھا کیا کرتے تھے
 سو جب ہاتھی اور کتا حرام ہونے میں دونوں برابر ہیں سو جیسے ہاتھی دانت کا
 استعمال شرع میں روا ہے ایسے ہی کتے وغیرہ کی ہڈی و کھال کا حکم ہے، ہاں
 نفرت طبعی مجوز استعمال نہیں سو وہ نفیس المزاج کے لیے ضرور ہے سو ایسے
 مسائل لکھنے سے سوائے اس کے کہ عوام میں کسی قدر شور و شرب برپا کریں اور کوئی مفاد
 نہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ اگر کوئی سور کا گوشت کھانے لگے تو اس سے
 ہر کس و ناکس نفرت کرنے لگے گا پر اگر کوئی بیاج بٹہ کا مال اڑانے لگے یا رشوت
 کے مال سے مٹھی گرم کرنے لگے تو اس سے کوئی چنداں پرہیز نہ کرے گا حالانکہ اس
 کا گناہ خنزیر کھانے سے زیادہ ہے۔ کیونکہ اس کی حرمت لحق اللہ ہے اور

بیانج و رشوت کی حرمت لحق البعد ہے مردنہیم کے لیے یہی کافی ہے سو اسی قدر پرسبس کرتا ہوں۔ فقط۔

چوتھا اعتراض | کفایہ میں ہے کہ سور کی کھال و باغٹ یعنی نمک وغیرہ لگانے سے پاک ہو جاتی ہے۔

الجواب | یہ اعتراض بھی پچھلے ہی اعتراض کا تتمہ ہے اس لیے مناسب تھا کہ بعد لکھنے جواب سابق کے اس کے جواب کو فروگزاشت کیا جاتا مگر

چونکہ ان لوگوں نے اس اعتراض میں بھی حسب عادت قدیمہ عوام کے بہکانے کے لیے ایک دوا کھیلایا ہے اس لیے مناسب ہے کہ اس دھوکہ بازی کو سب لوگوں پر ظاہر کر دیا جاوے۔ صاحبو میری عرض کی جانب دھیان لگائے اور ان لوگوں کی خیانت کو خیال فرمائے۔ کتب احادیث وفقہ کا دستور ہے کہ ان میں ہر قسم کی روایات ہوا کرتی ہیں کوئی صحیح ہوتی ہے کوئی سقیم۔ چنانچہ ترمذی کو دیکھ لیجئے کہ اس میں ہر قسم کی احادیث موجود ہیں کوئی صحیح ہے کوئی ضعیف اور کوئی غریب ہے کوئی شاذ، علی ہذا اور جس قدر کتابیں صحاح ستہ کی ہیں ان میں بھی یہی حال ہے۔ خود بخاری میں جو بعد کتاب اللہ سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے بہت سی احادیث منسوخہ موجود ہیں۔ شراب کی حلت اور متعہ کا جواز اور نماز میں جواز کلام اور رد سلام وغیرہ وغیرہ ان سے ثابت ہے پر چونکہ انہی کتابوں میں احادیث ضعیفہ کا ضعف ظاہر کر دیا گیا ہے اور احادیث منسوخہ کے مقابلہ میں احادیث ناسخہ مذکور ہیں تو ان کتابوں پر کچھ اعتراض نہیں۔ ہاں جن لوگوں کے مزاج میں مثل ہمارے مجتہد ان زمانہ کی سفاہت و بلادیت گھسی ہوئی ہے وہ شاید احادیث پر بھی اسی قسم کے اعتراضات کریں سو خیر اگر کتب احادیث پر بھی وہی اعتراض ہے جو کتب فقہ پر اعتراض ہے تو ہم کو چنداں جواب کی ضرورت نہیں ہے۔ جب اپنے ہاتھوں اپنا گھر بنا بنایا توڑ ڈالو تو ہم کیا ضرورت دوسری ہے۔

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گزشتی
گومشت خاک ماہم برباد رفتہ شد

اب ناظرین باتمکین ملاحظہ فرمائیں کہ ہم حدیث وفقہ دونوں کی جانب سے
جواب دیتے ہیں کہ اگر ان میں کوئی روایت ضعیفہ مذکور ہو اور اس کے ضعف
کو ظاہر کر دیا جائے یا اس کے مقابلہ میں کوئی روایت صحیحہ بیان کر دی جائے تو
وہ روایت ضعیف ان کتابوں کے حق میں سقط اعتبار نہیں بلکہ اور زیادہ تر باعث
اعتبار ہے چنانچہ ماہر ان حدیث پر یہ امر مخفی نہیں ہے سو ہی قصہ اس مسئلہ کا ہے۔
ملاحظہ فرمائیے کہ سور کی کھال کی نسبت ہدایہ میں اس طرح عبارت مذکور ہے :
بخلاف الخنزیر لانه نجس العین : یعنی سور کی کھال قابل تطہیر
نہیں کیونکہ اس کا ہر جز ناپاک ہے جیسے پاخانہ و گوشت کہ اس کا ہر جز ناپاک
ہے بعد خشک ہونے بھی ناپاک رہے گا اور درمختار میں ہے : خلا خنزیر
فلا یطہر یعنی فلاں فلاں کھال و باعث سے پاک ہو جاتی ہے بجز سور کی
کھال کے کہ وہ پاک نہیں ہو سکتی ہے اور درمختار میں تو خوب اس مسئلہ کو مدلل
لکھا ہے ملاحظہ کیجئے : قوله فلا یطہر اے لانه نجس العین بمعنی
ان ذاته بجميع اجزائه نجسة حیًا ومیتا فلیست نجاسة
لما فیہ من الدم کنجاسة غیہ من الحيوانات فلذا لم یقبل
التطہیر فی ظاہر الروایۃ عن اصحابنا : یعنی و باعث سے
اس کی کھال پاک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے سارے اجزاء ناپاک ہیں
زندگی کی حالت میں بھی اور مرنے کے بعد بھی سو اس کی نجاست ایسی نہیں جیسے
اور جانوروں کی کھال کی نجاست بوجہ اتصالِ خونِ ناپاک ہے ہی وجہ یہ ہے کہ
سور کی کھال قابل تطہیر نہیں ہے۔ چنانچہ ہمارے علماء ثلاثہ سے یہی روایت ہے :

پھر اس عبارت کے آگے یہ عبارت ہے: الا فی روایتہ عن ابی یوسف ذکرھا فی المنیۃ۔ یعنی ایک روایت غیر مشہور سور کی کھال پاک ہو جانے کے بارے میں امام ابو یوسف سے منیہ میں ذکر کی گئی ہے سو اس کا حال کُنیہ کہ فقہ کا قاعدہ ہے کہ روایت صحیحہ مستندہ کو ظاہر الروایۃ کہتے ہیں اور غیر مستندہ کو بلفظ روایت تعبیر کیا کرتے ہیں سو جہاں ان دونوں کا مقابلہ ہو تو ظاہر الروایۃ پر عمل ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ رد مختار میں ہے اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاہر الروایۃ والرجوع الیہا۔ دوسرے جس مسئلہ میں دلیل بھی مذکور ہو اور دوسری روایت خلاف اس کے بلا دلیل مذکور ہو تو مسئلہ مدللہ پر عمل ہوا کرتا ہے۔ کما فی رد المختار وکذا لو فلولوا احدهما دون الآخر کان التعلیل ترجیحاً للمعطل سو جس حالت میں نجاست خنزیر کی جملہ کتب معتبرہ میں دلیل موجود ہے تو اسی پر عمل ہوگا اور دوسری روایت مرجوح ہوگی۔ اب معترضین اپنی آنکھوں کا علاج کرائیں اور پھر دلائل فقہ کی آب و تاب کو ملاحظہ فرمائیں۔ فقط۔

پانچواں اعتراض | فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: وان اولیج بھیمۃ اومیتۃ ولم یغزل لا یفسد صومہ

ولا یلزم الغسل۔ ترجمہ: اگر کسی نے روزہ کی حالت میں کسی جانور سے یا مردہ عورت یا مرد سے صحبت داری کر لی اور انزال نہیں ہوا تو روزہ بھی نہیں گیا اور غسل بھی واجب نہیں اور ہدایہ میں ہے کہ کفارہ نہیں آتا خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔

الجواب | فقہ قانون اعلام ہے قرآن مجید کی پوری تفسیر اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری شرح ہے اس میں تمام مسائل جزئیہ

مشرح و مبسوط ہیں ان کے احکامات کے لیے جداگانہ ابواب ہیں ہر باب میں اسی باب کے متعلق مسائل مذکور ہیں اور جو جو حکم ان مسائل کے اور باب

متعلق ہیں وہ اس دوسرے باب میں مذکور ہیں جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنے خبیث نفس کی وجہ سے کسی جانور یا عورت مردہ سے یہ حرکت کی ہو تو لا محالہ شریعت میں اس کا کوئی حکم مذکور ہونا چاہیے یعنی اولاً تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ آیا یہ فعل اس کا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ ثانیاً اس میں غسل بجا بت واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ ثالثاً اگر بحالت روزہ یہ حرکت وقوع میں آئے تو روزہ کا کیا حکم ہے۔ رابعاً اس فعل زیروں کی سزا میں اس شخص بدکار کا کیا حکم ہے اور اس جانور کا کیا حکم؟ سو قربان جائیے فقہار کے کہ انھوں نے یہ چاروں حکم قرآن و حدیث سے چُن چُن کر اپنے اپنے باب میں ذکر کیے یعنی غسل کا واجب ہونا نہ ہونا باب غسل میں ذکر کیا اور روزہ کا فاسد ہونا نہ ہونا مفسداتِ صوم میں ذکر کیا اور اس بدکار کی سزا اور جانور کا حکم باب الحدود میں ذکر کیا۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ درمختار میں حد زنا کے باب میں مذکور ہے کہ ولا یحد بوطی بھیمۃ بل یجز روتذبح ثم تحرق ویکرہ الانتفاع بہا حیۃ و میتۃ۔ یعنی جانور سے صحبت کرنے میں کوئی حد شریعت میں مقرر نہیں ہوئی ہے مگر ہاں اس شخص بدکار کو سخت تعزیر دی جاوے اور اس جانور کو ذبح کر کے جلایا جائے اور اس جانور سے ہر طرح کا نفع اٹھانا قبل الذبح اور بعد الذبح مکروہ ہے یعنی بعد ذبح کے بھی اس کا گوشت نہ کھانا چاہیے۔ سو دیکھئے کہ اس عبارت میں کسی شد و مد کے ساتھ اس شخص کا مستحق سزا ہونا اور اس جانور کا جلایا جانا مذکور ہے۔ رہی یہ بات کہ کون سی سزا اس کو دی جائے گی؟ سو اس کی نسبت درمختار میں یہ عبارت ہے: والتعزیر لیس فیہ تقدیر بل ہو مفوض الی رائی القاضی ویکون بالقتل یعنی سزا کا گواہ اندازہ مقرر نہیں ہے بلکہ حسب مقتضائے وقت حاکم کو اختیار ہے اگر مصلحت وقت ہو تو اس کو قتل

کر دینا بھی حاکم کے لیے جائز ہے۔

اور ردالمحتار میں ہے: الجناح فی غیر القیل اذا تکرر فیللامام ان یقتل فاعلم یعنی اگر کوئی اپنی منکوحہ کی فرج کے علاوہ اور کسی محل ناجائز میں بد فعلی کرنے لگے تو امام کو اس کا مار ڈالنا بھی جائز ہے۔

سو دیکھئے کہ ان تینوں عبارتوں کی اول عبارت سے اس فعل شنیع کے مرتکب کا مستحق نماز ہونا معلوم ہوا اور دوسری عبارت سے دوبارہ تعین نماز حاکم اسلام کا اختیار معلوم ہوا اور تیسری عبارت سے قتل کر دینا تک بھی تعمیماً جائز معلوم ہوا۔

سواب مجتہدان غیر مقلدین کی خدمت میں التماس ہے کہ اگر آپ کا مقصد اس مسئلہ کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ یہ فعل شنیع علماء حنفیہ کے نزدیک درست ہے چنانچہ آپ کی جماعت کے ہر کم ذمہ سے ہی سنا جاتا ہے تو آپ نے بہت بڑا بہتان اس جم غفیر کے ذمہ لگایا ہے اور اس کے صلہ میں آپ کے تمام ہم مشرب مصداق آیت کریمہ لَا تَقْرَأُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِكَكُمْ بِهِ ذَاب ہو گئے ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ آپ اس بہتان بندی سے تائب ہو جائیں اور اپنے سخن کا پاس نہ کریں اور آئندہ جو کچھ شبہات مسائل حنفیہ کی نسبت آپ کو پیش آیا کریں تو کسی مجھ جیسے طائفہ علم سے اول استفسار کر لیا کیجئے پھر کہیں اور اس سے ذکر کیا کیجئے۔ شاید آپ کو وجہ اتہام یہ پیش آئی کہ اس مسئلہ میں غسل وغیرہ کا آنا تو مذکور ہوا پر حد اس کی اس مسئلہ کے ساتھ مذکور نہیں ہوئی اور جب کوئی نماز اس کے ساتھ ذکر نہیں کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ فعل حنفیہ کے نزدیک جائز ہے سو قربان جائیے آپ کی فہم عالی کے اگر یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جس فعل کی نماز اس کے ساتھ ہی مذکور نہ ہو تو اس فعل کا جواز مفہوم ہو گا تو کیجئے ہم حدیثاً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کرتے ہیں۔ اس پر بھی اس قاعدہ کو جاری کیجئے اور
 یہی اعتراض اس حدیث پر بھی جڑ دیکھئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لا قطع فی شمس ولا کثر یعنی پھل پھل لینے میں
 یاد رخت کی گوبہ پھرا لینے میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چھ کتابوں میں یہ حدیث
 موجود ہے یعنی ترمذی میں یہ حدیث موجود، ابوداؤد میں یہ موجود، نسائی میں یہ موجود
 امام مالک نے اس کو روایت کیا ابن ماجہ نے اس کو روایت کیا، دارمی نے
 اس کو روایت کیا۔ ایسے ہی اور کچھ دوسری حدیثیں آیا ہے: لیس
 علی خائن ولا علی منہب ولا علی مختلس قطع اس کو بھی چار
 محدثین نے یعنی ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے
 جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ امانت میں خیانت کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا،
 اور نہ مال لوٹنے والے کا اور نہ گروہ کٹ کا۔ علی ہذا تیسری حدیث کو خیال فرمائیے
 عن ابن عباس اسناد قال من اتى بهيمة فلا جده عليه۔ امام
 ترمذی نے اس حدیث کے یوں فرمایا ہے: وهذا اصح من
 الحدیث الاول وهو من اتى بهيمة فاقتلوا والعمل علی
 هذا عند اهل العلم۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ انھوں
 نے فرمایا کہ جو آدمی کسی جانور سے تو اس پر زنا کی حد جاری نہ کی جائے
 گے امام ترمذی نے اس کو بیان کر سکا فرمایا کہ یہ حدیث پہلی حدیث سے صحیح زیادہ
 ہے جس کا اسموں یہ تھا کہ جو آدمی کسی جانور سے بد فعلی کرے تو اس کو مار ڈالو
 اور اہل علم کا عمل بھی اسی پر ہے کہ اس پر حد نہ آئے گی۔ سواب غیر مقلدین کی
 خدمت میں گزارش ہے کہ اپنے قاعدہ کے موافق پھل وغیرہ پھرانے کو بھی جائز
 فرمائے اور خیانت کو بھی جائز بتلائے اور لوٹ مار اور لوگوں کی جیبیں کترنے کو

مباح فرمائے۔ اور جانور سے بد فعلی کو بھی جائز بتلائے کیونکہ اس میں حد زنا نہ آنے کو تو امام ترمذی بھی جو محدثین کے امام ہیں خوب شد و مد سے بیان کر چکے ہیں۔

سواب ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ ہماری طرز کے موافق تو نہ ان احادیث پر کچھ اعتراض ہے اور نہ کتب فقہ پر کیونکہ کسی موقع پر رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حد کا عدم الوجوب ذکر کرنا مد نظر تھا اس موقع میں تو یہ فرما دیا کہ فلاں فلاں پر حد نہیں ہے اور کہیں اس فعل کا حرام و گناہ ہونا ذکر کے قابل تھا وہاں اسکو ذکر فرمایا چنانچہ ماہرین حدیث پر پوشیدہ نہیں ہے۔ علیٰ ہذا فقہ میں بھی یہی قصہ ہے یعنی جہاں غسل کے واجب ہونے نہ ہونے کا موقع تھا وہاں اس کو ذکر کیا اور جہاں اس کی حرمت اور اس کی سزا بیان کرنی مد نظر تھی۔ وہاں اس کو ذکر کیا اور کیوں نہ ہو عقل سلیم بھی اسی طرز کو پسند کرتی ہے۔

عمر ہر سخن وقتی و ہر نکتہ مکانی وارد

بالجملہ جب اس حرکت شفیع کی حرمت اور اس میں تعزیر کا واجب ہونا ہم کتب فقہ سے مدلل بیان کر چکے تو مجتہدان غیر مقلدین سے اتھاس ہے کہ اگر آپ کے نزدیک اس صورت خاص میں بلا انزال بھی غسل واجب ہوتا ہے اور بحالتِ روزہ بدولت اس فعل قبیح کے کفارہ واجب ہوتا ہے تو آپ قرآن و حدیث سے اپنے دعوے کی دلیل لکھنی چاہیے تھی۔ اگر آپ دلیل لکھتے تو ہم کو بھی اس کی تسلیم سے کیا انکار تھا۔ خیر جب نہیں لکھ سکے تو اب زیب قلم فرمائے مگر اس قدر خیال رہے کہ چونکہ آپ کے نزدیک اجماع و قیاس تو کوئی دلیل شرعی نہیں ہے اس لیے کسی آیت سے مراجعہ یا کسی حدیث سے وضاحت ارقام فرمائے کہ صورت مرقوم بالا میں بلا انزال بھی غسل واجب ہوتا

ہے اور روزہ کی حالت میں کفارہ واجب ہوتا ہے۔ اگرچہ مناسب وقت تو یہی تھا کہ تا وقتیکہ آپ وجوب غسل اور وجوب کفارہ کی دلیل بیان نہ کریں ہم لپتے مدعا کی دلیل بیان نہ کرتے مگر چونکہ بعض بعض کو ہماری دلیل سننے کا حد سے زیادہ اشتیاق ہے اس لیے ابھی لکھے دیتے ہیں۔

سو مئیے تتبع احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں وجوب غسل خروج منی ہے مگر شارع نے بعض مواقع میں اس کے اسباب و دواعی کو اس کے قائم مقام کر دیا ہے جیسے اصل میں ناقض وضو خروج ریح وغیرہ ہے پر بعض مواقع میں نیند کو جو باعث استرخاء اعضاء سبب خروج ریح ہے قائم مقام خروج ریح کے کر دیا ہے یہی وجہ ہے کہ جس نیند میں احتمال خروج ریح نہ ہو اس سے وضو نہیں جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ انتظار عشار میں بیٹھے بیٹھے سو جایا کرتے تھے اور پھر اسی وضو سے نماز پڑھا کرتے تھے۔ علیٰ ہذا وجوب غسل بھی درحقیقت انزال منی ہے چنانچہ ابتدائے اسلام میں صحبت بلا انزال سے غسل واجب نہیں ہوتا تھا اور نیز اسی وجہ سے اعتلام فی المنام میں وجوب غسل کے لیے انزال شرط ہے لیکن شارح نے وطی و مجامعت ہم جنس کو جو منجملہ دواعی انزال اعلیٰ درجہ کا سبب ہے۔ قائم مقام انزال کیا ہے اور وجہ چند اس کو بھی موجب غسل قرار دیا ہے:

اَوَّلُ یہ کہ یگانگت جنسی باعث غلبہ شہوت ہوتی ہے۔

دوّم یہ کہ محل شہوت کا منکشف ہونا اور زیادہ تر باعث ہیجان شہوت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مواضع کا ڈھکنا یہ نسبت ران وغیرہ کے سخت درجہ کا مؤکد ہے۔

سوم یہ کہ پھر ایسے غلبہ شہوت کے وقت حرکات جماعی کا وقوع میں کرنا انزال

منی کو قریب الوقوع کر دیتا ہے۔

چہاں ہم یہ کہ ایسے وقت میں اکثر خروج مذی ہوا کرتا ہے اور اس میں منی رقیق کے اختلاط کا احتمال ہوا کرتا ہے۔

یہ کہ اگر مذی نکلتی نہیں ہے تو نظر سے غائب ہوتی ہے اگر پیش نظر ہوتی تو مذی و منی میں فرق چنداں و شوار نہ ہوتا۔ نظر بریں شارع نے صحبت ہم جنس کو قائم مقام انزال کر کے موجب غسل قرار دیا ہے۔ مگر صحبت جانور میں اول تو یگانگت جنسی مفقود ہے بلکہ بوجہ اختلاف جنسی رہی ہی شہوت بھی کم ہو جاتی ہے۔

دوم یہ کہ فرج جانور محل شہوت نہیں ہی وجہ ہے کہ شارع نے اسکی ستر پوشی کی لوگوں کو تکلیف نہیں دی۔ اگر محل شہوت ہوتا تو ضرور ان کو اس کے ڈھانکنے کی تکلیف دی جاتی اور نیز اسی وجہ سے طبار سلیمہ اس سے متنفر ہوتے ہیں اور اس کے ذکر سے بھی مثل ذکر تے یا پاخانہ کے مکدر ہوتی ہیں پھر اس حالت میں بھی کوئی اس سے خراب ہوتا ہے تو محض اپنی سفاہت و دنارت سے خراب ہوتا ہے۔

نظر بریں فرج جانور میں عضو مخصوص داخل کرنا ایسا ہے کہ گوبر و پاخانہ کے تودہ میں گھسا دینا اور درود دیوار کے روزن میں چھپا دینا یا ہٹائی میں دبالینا ہے سو جیسے ہاتھ سے دبالیئے میں ہاتھ سے سیلانے میں تا وقتیکہ انزال نہ ہو غسل واجب نہیں ہوتا ہے ایسے ہی صحبت جانور میں بلا انزال غسل واجب نہ ہوگا، اگرچہ سخت درجہ کی مصیبت اور سخت درجہ کی سزا کا مستوجب ہے۔

جب اس مسئلہ سے فارغ ہوئے تو دوسرے مسئلہ کا حال بھی خیال فرمائیے: اگر روزہ رمضان میں کسی نے بوجہ اپنی خباثت نفس کے کسی جانور سے بد فعلی کی تو مرتکب حرام بے شک ہوا ہے اور مستوجب تعزیر لاریب بن گیا ہے پر کفارہ افطار اس کے ذمہ واجب نہیں ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جملہ کفارات منجملہ سزائے شرعیہ اور

حدود دنیہ ہیں اور حدود میں شارع کو یہ امر ملحوظ رہے کہ جس جس فعل میں جو جو سزا مقرر ہوئی تو اس سزا کو اسی فعل پر مقصور رکھنی چاہیئے اس فعل کی مناسبت میں اپنے قیاس سے اس حد کو جاری نہیں کرنا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بمقتضائے آیت قرآنی وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالَ اللَّهِ۔ چور کے ہاتھ کاٹنے کا تو حکم فرمایا۔ پر خائن اور اچکا اور لٹیرے کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، بلکہ صاف طور سے فرمایا کہ لَيْسَ عَلَى خَائِنٍ وَلَا عَلَى مَنْتَهَبٍ وَلَا مَخْتَلِسٍ قَطْعٌ حِينَ كَفَلَ صَدَقَ بِطُورٍ سَبِيلُهُ جَا۔ چکا ہے اگرچہ مقتضائے قیاس یہ تھا کہ ان تینوں پر بدرجہ اولیٰ قطع ید واجب ہوتا پر کیا کیجئے کہ حدود میں شارع کو قیاس و اجتہاد پسند نہیں ہے بلکہ حدود کی اصلی جرموں میں بھی یوں حکم ہے کہ اور الحدود ما استطعت یعنی جہاں تک ہو سکے حد کو ذرا سے بہانہ سے دفع کر دیا کرو سو اس حدیث کے موافق فقہ کا تو قاعدہ مقرر ہو گیا ہے کہ الحدود تنذر بالشبهات یعنی حد ذرا سے شہ سے ساقط ہو جاتی ہے بالجملہ چونکہ وجوہات مذکورہ بالا صحبت جانور بہت سے اور بہت صحبت ہم جنس سے علیحدہ ہے تو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خائن اور اچکا وغیرہ پر چوری کی حد جاری نہیں فرمائی ہے ایسے ہی ہم بھی نہ لائے کفارہ جو عورت کی صحبت کرنے میں واجب ہوتی ہے صحبت جانور میں واجب نہ کریں گے بلکہ اس پر سزائے تعزیر جاری کر کے ہدایت تو بہ تلقین کریں گے۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم۔ فقط۔

رد مختار میں ہے: **رُفِعَ فُكْتُ الْفَاتِحَةِ بِالْإِصْبَعِ عَلَى جِهَةِ وَانْفِهِ جَا زِلًا سَتَشْفَاءُ وَبِالْبَوْلِ۔**

ترجمہ: یعنی اگر تکبیر جاری ہو تو شفا کے واسطے اس کی پیشانی پر اور ناک پر الحمد شریف کو خون سے لکھنا جائز ہے اور پیشاب سے بھی لکھنا جائز ہے۔

الجواب میں سخت افسوس کرتا ہوں ان مدعیان عمل بالحدیث کے حال پر کہ انھوں نے کس قدر تدلیس و تلبیس کو جو کار ابلیس ہے اپنا شیوہ بنا رکھا ہے اور کس قدر امور دینیہ میں خرافات و خیانت کو اپنا طریقہ ٹھہرا رکھا ہے جس مسئلہ میں دیکھو یہی حال ہے کہیں عبارت کا مطلب نہیں سمجھے، کہیں ترجمہ غلط کیا اور کہیں اول و آخر کی عبارت ہضم کر بیٹھے۔ مسلمانوں بڑی غیرت و حمیت کا مقام ہے کہ یہ گروہ مفسدین جن میں بیشتر ایسے بھی ہیں کہ ان کا مبلغ علم تار کا سانٹھنا اور ڈوری کا بانٹنا ہے کس گستاخی اور کس بے باکی سے امام ہمام مقتدا نے انا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو طعن و تشنیع سے یاد کرتے ہیں اور ان کے مذہب کی کتابوں کو کیسے گندی اور تراب بتاتے ہیں۔

اگرچہ یہ صریح بہتان باعث اشتعال طبع ہو کر زبان قلم کو تیز کیا جاتے ہیں پر اپنی طبیعت کو تھام تھام کر اس خرافات کا جواب نہایت نرم لفظوں میں لکھتا ہوں۔ ہر خاص و عام پر واضح ہو کہ حاشا و کلا کہیں مذہب خفیہ میں یہ ورت نہیں کہ کوئی آیت قرآنی جس کی شان میں یوں وارد ہے: لَا يَكْفُرُ إِلَّا الْمُطَافُؤْنَ یعنی قرآن مجید کو بجز پاکوں کے کوئی نہ چھوئے۔ خون ناپاک یا پیشاب وغیرہ سے لکھ جائے؟ یہ صرف ان لوگوں کا اتہام ہے ہاں کسی قدر عبارت عربیہ نقل کر کے اور اس سے اگلی عبارت حذف کر کے انجان آدمیوں اور کم استعداد طالب علموں کو تشویش میں ڈالا ہے۔ سو انشاء اللہ تعالیٰ یہ عقدہ بھی کھلا جائے گا۔

عرض مطلب سے پہلے ایک قاعدہ شرعیہ کا اظہار مناسب وقت ہے اس لیے اس کو اول لکھتا ہوں۔ پچشم انصاف ملاحظہ فرمائے۔ شریعت میں جس قدر امور محرمہ ہیں خواہ از قسم اقوال ہوں یا از قسم اعمال وہ سب کے سب بحالت

اکراہ واجبار یا بوقت مخصوصہ واضطرار قابل مواخذہ نہیں رہتے ہیں ایسے وقت خاص میں صرف اسی مجبور شخص کے حق میں ان اشیاء کی حرمت ظاہری طور سے ساقط ہو جاتی ہے اور حق عمل میں وہ حرمت تبدیل بحالت ہو جاتی ہے مگر حق اعتقاد میں ان کی حرمت بدستور جوں کی توں باقی رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ آیات قرآنی جن سے بحالت اضطرار ان اشیاء کی رخصت معلوم ہوتی ہے اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کے ساتھ ختم کی گئی ہیں جن سے بشرط انہم مہنوز وجود گناہ کی جانب اشارہ ہے اور نیز اسی وجہ سے کہیں فَمِنْ اضْطُرَّ خَيْرٌ بَايَعٌ وَّلَا عَادٍ ارشاد فرمایا اور کہیں فَمِنْ اضْطُرَّ فِيْ مَخْصَصَةٍ عَنِ مَتَجَافٍ لِّبَشَرٍ نَّازِلٌ فرمایا۔ الغرض فعل حرام کا بحالت اضطرار اجرائے کلمۃ الکفر ہی شرعاً جائز کرو یا گیا ہے تو اور گناہ تو کس گنتی میں ہیں۔

جب یہ قاعدہ ذہن نشین ہوا تو اصل مطلب کی بات سنیں۔ درمختار میں لکھا ہے کہ اختلف فی التداوی بالماحرم وظاھر المذہب المنع۔ یعنی حرام دوائیوں کے علاج کرانے میں اختلاف عمار ہے مگر امام اعظم کے مذہب میں ممنوع و حرام ہے۔ اس قول کی شرح میں علامہ شامی نے اکثر کتب سے اقوال نقل کیے ہیں منجملہ ان کے یہ قول نہایہ سے نقل کیا ہے یجوز ان علم فیہ شفاء ولم یسلم دواء اخر یعنی حرام دوا سے علاج کرانا اس وقت جائز ہے جب اس میں شفاء کا یقین ہو اور علاوہ اس کے اور کوئی دوا اس کے حق میں معلوم نہ ہو یہ قول بنظر ظاہر پہلے قول کے معارض و مخالف معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں ممنوع ہونا معلوم ہوا تھا اور اس دوسرے قول میں جائز معلوم ہوا ہے لیکن اگر بہتمق نظر دیکھا جاوے تو کچھ خلاف نہیں ہے کیونکہ مخالفت اس حالت میں ہے کہ حالت اضطرار نہ ہو اور اس میں شفاء بھی متیقن نہ ہو بلکہ مظنون و موشوم ہو۔

چنانچہ علامہ شامی نے بھی ممانعت کی وجہ یہی بیان کی ہے عبارت اس کی یہ ہے: قوله
 وظاهر المذهب المنع ماحمول علی المظنون كما علمتہ اور اگر حالستہ
 اضطرار ہو اور کوئی دوا احوال اس وقت ہم نہ پہنچ سکتی ہو اور کسی حرام دوا میں شفا
 یقینی ہو تو اس وقت بعلت اضطرار اس کا استعمال جائز ہے اس صورت میں کوئی تعارض
 مخالف دونوں روایتوں میں نہیں ہے مگر اس روایت نہایت پر جس سے بحالت اضطرار
 جواز استعمال مفہوم ہوتا ہے سفہار زبانہ کا بڑا سخت اعتراض ہے اور وہی اس کو اپنے
 زعم میں نہایت مستحکم اور لا اعل سمجھتے ہیں وہ یہی کہ بخاری شریف میں جس کا مستند
 ہونا مسلمہ قرطبیین ہے یہ حدیث موجود ہے: ان الله لم يجعل شفاءكم
 فيما حرم عليكم یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ پاک نے
 ان چیزوں میں جو تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری شفا نہیں رکھی ہے اور امام ابو حنیفہ کے
 نزدیک اس دوائی حرام کا استعمال جس میں شفا معلوم ہو جائز و مباح ہے۔ سو کیا نا انسانی
 اور تعصب مذہبی ہے کہ اپنے امام کے قول پر تو عمل کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کے قول کو پس پشت ڈالیں۔

اب صاحب فہم اس کا جواب بھی یکچشم انصاف ملاحظہ فرمائیں۔ مہربان من یہ
 بات تو آپ کی بجا و درست ہے کہ بقابلہ حکم خدا و رسول کے کسی امام کا قول قابل پذیرائی
 اور لائق شنوائی نہیں ہے پر وہ قول امام جو کسی آیت و حدیث کی معارض نہ ہو بلکہ آیت و
 حدیث ہی سے تنبیط ہو اس کے تسلیم کر لینے میں کیا تاثر ہے مگر یہ بات سمجھنی کہ یہ
 قول امام قرآن و حدیث کے موافق ہے یا معارض، ہر شخص کا کام نہیں۔ اس کے لیے
 علم وافر و رکاز ہے۔ اس کے بعد گزارش ہے کہ اس مسئلہ میں جس پر آپ کا سخت
 اعتراض ہے ہرگز قول امام مخالف حدیث نہیں بلکہ قرآن اور حدیث اور قول امام
 تینوں کے تینوں باہم متعاقب و متعاقد ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی

منطق کی کتابوں میں مذکور ہے ادنیٰ استعداد والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ تعارض اقوال میں منجملہ وحدت ثنائیہ کی اتحاد زماں بھی شرط ہے اگر دونوں قول میں زمانہ جدا جدا ہو تو ان میں کچھ تخالف نہ ہو گا بلکہ دونوں صادق ہو سکتے ہیں مثلاً کوئی کہتا ہے کہ علاج نہیں کرنا چاہیئے اور مراد یہ ہے کہ زمانہ صحت میں حاجت علاج نہیں ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ علاج کرنا چاہیئے اور مراد یہ ہے کہ ایام مرض میں علاج مفید ہے تو ظاہر ہے ان دونوں قول میں کچھ تعارض نہیں اپنے اپنے موقع میں دونوں صحیح ہیں سو یہی قصہ بعینہ اس مسئلہ میں ہے یعنی حدیث سے مخالفت کا اشارہ اسی وقت نکلتا ہے کہ حالت اضطرار نہ ہو اس کو امام صاحب بھی حرام فرماتے ہیں اور فقہ سے جواز کا اشارہ اس وقت ہے کہ نوبت اضطرار پہنچ گئی ہو۔ سو اس کو قرآن مجید بھی جائز بتاتا ہے سو دونوں میں کچھ تخالف نہیں ہے مگر بعض سفہاء کو یہ شبہ پیش آیا کرتا ہے کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حرام دوا میں مطلقاً شفا نہیں ہے اور امام اعظمؒ کے مذہب میں جو بحالت اختیار اس کا استعمال ناجائز ہے مگر یہ حالت اضطرار اس کی اباحت ہے۔ اس صورت میں قول امام معارض حدیث ہوا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے حرام چیز میں شفا کا نہ ہونا معلوم ہوا ہے مگر ظاہر ہے کہ شرعیات میں جس قدر محرمات ہیں وہ سب کے سب بحالت اضطرار مباحات ہو جایا کرتے ہیں اور جب وہ حرام نہ رہے بلکہ وہ عملاً مباح ہو گئے تو اس حدیث کے تحت میں کیوں کر داخل ہو سکتی ہے؟ کیونکہ منشاء حدیث مذکور کا یہ ہے کہ جو چیز جس وقت تک حرام ہو اس وقت تک اس میں شفا نہیں ہے، نہ یہ کہ جب حلال ہو جائے اس وقت بھی اس میں شفا نہیں ہے سو یہی مذہب امام ہے کہ بحالت اختیار ادویہ محرمہ سے علاج حرام ہے اور حالت اضطرار میں اس کا استعمال جائز ہے۔ اب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فقہیت قابل دید ہے

کہ کیا مذہبِ اہلِ علم اختیار کیا ہے کہ آیت قرآنی فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ
فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ پر بھی عمل ہو گیا اور حدیثِ نبوی ان الله لم يجعل
شفاءكم فيما حرم عليكم کا بھی کوئی خلاف نہ ہوا بلکہ اپنا قول ان موزوں
ہی سے استنباط کیا۔

اے گمراہ غیر مقلدینِ قرآن و حدیث کے سمجھنے کے لیے مادہ چاہیے۔ اولاً
استعدادِ علمی بہم پہنچائے۔ پھر معانی قرآن و حدیث کی جانب و حیان لگائے مگر
ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں تا وقتیکہ علومِ دینیہ کی پورے طور سے تکمیل نہ کی جائے
حصولِ استعدادِ معلوم ہے نا صحابہ عرض ہے مانئے نہ مانئے اگر میری عرض پر عمل کرو
گے تو خفیضِ سفاہت سے نکل کر اوجِ فقاہت پر پہنچ جاؤ گے اور مصداقِ حدیث
مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفْقِهْهُ فِي الدِّينِ ہو جائے گی اور عادت
افترا بندی سے بھی بچ جاؤ گے۔ یہ بڑا سخت مرض ہے۔ خداوندِ کریم اس سے ہر
مسلمان کو بچائے۔

الغرض یہ حال تو نہایت ہی روایت کا تھا جو مفصل گزر چکا۔ اب دوسری کتاب
کی روایت کا حال سنئے۔ واضح ہو کہ علامہ شامی نے روایت نہایت نقل کر کے اس
سے یہ نتیجہ نکالا کہ حرام و حلال اگر درست ہے بھی تو اس وقت ہے کہ
حالتِ اضطرار پہنچ گئی ہو اور اگر یہ حالت نہ ہو تو ہرگز نہیں اس کے بعد علامہ شامی
نے بیان کیا کہ صاحبِ ہدایہ نے بھی تجنیس میں یہی مذہب اختیار کیا ہے یعنی
بحالتِ اختیار او یہ محرم سے علاج نا درست ہے اور بحالتِ اضطرار کچھ مضائقہ
نہیں۔ عبارت اس کی بعد نقل روایت نہایت ہی یوں ہے: وَكَذَا اخْتَارَ
صَاحِبُ الْهِدَايَةِ فِي التَّجْنِيسِ فَقَالَ لَوْ رَعَفَ فُكْتُبُ الْفَاتِحَةِ
بِالدَّمِ عَلَى جَبْهَتِهِ وَانْفَهَ جَازٌ لِلِاسْتِشْفَاءِ وَبِالْبَوْلِ اَيْضًا النَّاسُ

علم فیہ شفاء لا باس بہ لکن لم ینقل یعنی جو روایت نہایت کا خلاصہ ہے وہی صاحب ہدایہ نے تجنیس میں اختیار کیا ہے سوا کھوں نے کہا ہے کہ اگر کسی کی نکیسر بننے لگے اور وہ اپنی پیشانی پر اور ناک پر خون سے الحمد للہ بفرض شفا نہ بفرض توہین اور ایسے ہی پیشاب سے تو اس کو بجلت اضطرار جائز کہہ دیتے ہیں بشرطیکہ اس لکھنے میں شفا کا ہونا قطعاً معلوم ہو جائے لیکن اس وقت تک شارع علیہ السلام اور عاملان عظام سے اس میں شفا کا ہونا منقول نہیں ہوا۔ سو اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ اگرچہ حالت اضطرار ہو مگر چونکہ اس میں شفا کا ہونا معلوم نہیں ہے تو الحمد وغیرہ کا خون و پیشاب سے لکھنا بدستور سابق حرام و معصیت ہے کیونکہ بحالت اضطرار وہی امر حرام جائز و مباح ہو جایا کرتا ہے جس سے شفا کا ہونا معلوم ہو جیسے کسی کے حلق میں پھنسل گیا ہو اور اتفاق سے وہاں کوئی چیز سوائے شراب کے موجود نہ ہو اس کی جان پر آبنی ہو۔ سو ایسی حالت میں شراب سے لقمہ کا اتارنا جائز ہو گا مگر جس چیز میں حصول شفا محتمل ہو وہ بہ حالت اضطرار بھی جائز نہیں ہوتی ہے بلکہ بدستور حرام رہتی ہے۔ اب ناظرین باتمکین کی خدمت میں التماس ہے کہ جب آپ صورت مسئلہ سے واقف ہو چکے اور سمجھ چکے کہ اس مسئلہ میں کوئی خرابی نہ شرعاً ہے نہ عقلاً تو غیر قلین کے دھوکہ بازی کو ملاحظہ فرمائے۔ اس مسئلہ میں بھی حسب حادثہ قدیر جو مکرر سکران جوابات میں ظاہر کی گئی ہے ان لوگوں نے عبارت مذکورہ بالا میں سے اہل کے تھوڑی سی عبارت و سچ اشتہار کی ہے اور آگے کی عبارت بالکل ذکر نہیں کی ہے جس سے اہل معنی عبارت بالکل خلاف مراد معلوم ہونے لگے یعنی اس قدر عبارت ان علم فیہ شفاء لا باس بہ لکن لم ینقل بالکل کھا بیٹھے جس کا مطلب یہ ہے کہ آیت کا خون سے

لکھنا اس وقت جائز ہوتا کہ اس میں شفا کا ہونا کسی ذریعہ سے معلوم ہو جاتا لیکن اس وقت تک کسی طریق شرعیہ سے اس میں شفا کا ہونا معلوم نہیں ہوا ہے سو ان لوگوں نے کس قدر کتمانِ حق کیا ہے اور کس قدر غیر قوموں کو حالتِ اسلام پر منسایا ہے۔ اور کس بے طرح عوام کو دھوکہ میں ڈالا ہے کہ جس کا کچھ ٹھکانا نہیں ہے۔

مسلمانو! ان چند مسائل کے ملاحظہ سے ان لوگوں کی حقیقت سے واقف ہو جاؤ اور جان جاؤ کہ ان لوگوں کی یہ حق پرستی ہے اور یہ عمل بالحدیث ہے کیا اسی تبلیغ کا نام عمل بالحدیث ہے؟ کیا عاملانِ سنت کا یہی شیوہ اور طریقہ ہے؟ کہ ابلیس کو بھی منصبِ تبلیغ سے معزول کر کے خود اس کے جانشین ہو جائیں اور بوجہ انوائے و اضلال اس کے خلف الصدق بن جائیں معاذ اللہ۔ الغرض ان لوگوں نے اس مسئلہ میں یہ تو لکھ دیا کہ الحمد کا خون سے لکھنا جائز ہے اور یہ نہ لکھا کہ کس شرط سے جائز ہے اور پھر وہ شرط جہاں میں پائی بھی جاتی ہے یا نہیں؟ سو کیوں لکھتے اس کے لکھنے سے مذہبِ حنفیہ پر اعتراض کیوں کر ممکن تھا سو اس مسئلہ میں تو انھوں نے وہی کام کیا ہے جیسے کوئی دعویٰ کرے کہ قرآن شریف میں نماز کی بائکل ممانعت آئی ہے اور یہ آیت پڑھ کر سنا دیوے لَا تَقْرَءُوا الصَّلَاةَ یعنی نماز کے پاس بھی مت پھٹکو اور وَأَنْتُمْ مُسْكِرَاتٍ جو ممانعت کی شرط ہے ذکر نہ کرے۔ چنانچہ بعض بانوا کے قتلہ میں لکھا ہوا ہے کہ اس سے کسی نے پوچھا کہ تم کو قرآن شریف میں سے بھی کچھ یاد ہے بولا کہ قرآن شریف میں دو طرح کے حکم ہیں بعض چیزوں کا امر ہے اور بعض چیزوں کی ممانعت ہے۔ مجھ کو دونوں یاد ہیں۔ سائل نے کہا کہ حسنت سنائیے تو ہی سو اس نے یہ شعر پڑھ

کرسنا دیا : لَا تَقْرَءُوا الصَّلَاةَ رَنَّمْ بِنَا طَرِاسْت

درامر یاد ماند کلووا و اشربوا مرا

سائل نے کہا کہ حضرت لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ سے آگے وَأَنْتُمْ سُكَارَى
 بھی تو پڑھیے کہ مطلب پورا ہو جائے سو بولا کہ ساری آیت پر عمل کرنا تو بہت دشوار
 ہے یہ بھی غنیمت ہے کہ اس قدر آیت پر عمل ہو جائے سو ایسے ہی غیر مقلدین
 کا اس قدر لکھ دینا بھی غنیمت جانو۔ اگر اور بھی اول و آخر سے عبارت حذف
 کر کے چھوٹا سا جملہ لکھ دیتے تو ہم کیا کر سکتے تھے۔ مگر اس قاعدہ کے موافق کہ یہ
 لوگ ایک امر ذکر کر دیا کرتے ہیں اور اس کی شرط ذکر نہیں کرتے ان سے کچھ تعجب
 نہیں کہ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذمہ بھی شرک
 کا الزام لگا دیں کیونکہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ
 وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کہہ دے کہ اگر خدا کے بیٹا
 ہوتا تو میں سب سے اول اس کی پوجا کرتا۔ سو اس آیت میں سے لفظ إِنْ كَانَ
 کو جو شرط عبادت ہے حذف کر دیں اور یوں کہتے پھر جس کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ۔ سو خدا کے
 بیٹا ہے سو میں اس کی پوجا کرتا ہوں۔ اس تحریر سے تو اہل شرک بھی ان لوگوں کے
 حد سے زیادہ ہمنون اور مشکور ہوں گے اہل اسلام گونا گواض ہوں تو ہوں کچھ
 پرواہ نہیں ہے بالجملہ اہل عقل کے نزدیک جیسے اس آیت سے یہ نکلتا ہے کہ
 اگر خدا کے پاک کے کوئی بیٹا ہوتا تو صاحبِ لولاک سب سے پہلے اس کی عبادت
 کرتے مگر چونکہ بیٹا خدا کے پاک کے لیے مُتَنَع ہے لہذا اس کی عبادت بھی ندارد
 ہے ایسے ہی اس عبارت مذکورہ بالا سے نکلتا ہے کہ اگر شارع سے منقول ہوتا
 کہ خون و پیشاب سے الحمد لکھنا موجب شفا ہے مریض ہے تو البتہ یہ امر جائز ہوتا
 مگر چونکہ شارع سے اس میں شفا منقول نہیں لہذا جواز کتابت بھی حرام و معصیت
 ہے۔ سو علماء بر حقیقہ سے تو یہ ممکن نہیں کہ یوں کہیں کہ گو شارع علیہ السلام بھی

کسی امر کی اجازت فرمائیں پر ہم تو نہیں مانیں گے مگر ہاں شاید آپ سے یہ امر ممکن الوقوع ہو۔

اب بتلائیے کہ علماء حنفیہ کا یہ فرمانا کہ اگر اس میں شارع سے شفا منقول ہوتی تو یہ امر جائز ہوتا پر شفا منقول نہیں کیا مخالف عقل و نقل ہے بلکہ درحقیقت فقہاء کو اس عبارت سے اس کی حرمت بیان کرنی مد نظر ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ اگر کوئی کہے کہ فلاں مولوی صاحب کو سلیقہ سخن فہمی ہوتا تو عبارت کے نکات و لطائف پر آگاہ ہو جاتے پر ان کو سلیقہ نہیں۔ تو ظاہر ہے کہ اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ مولوی صاحب لطائف کلام نہیں سمجھے۔ سو ہی قصہ بعینہ اس مسئلہ خاص کا ہے سر موافقت نہیں۔

اے مجتہدان غیر مقلدین اگر آپ اپنی زبان کے محاورات کو خیال کرتے یا منطق کے تھوڑے موٹے رسالہ کو یاد کرتے تو خوب سمجھ جاتے کہ فقہاء عظام کو اس عبارت سے جواز کتابت بالبول والذم لکھنا مد نظر نہیں بلکہ اس کی حرمت ظاہر کرنی ملحوظ نظر ہے کیا آپ اس قدر بھی نہیں سمجھ سکتے کہ جہاں شرط و جزا یعنی مقدم و تالی میں نسبت تساوی متحقق ہوتی ہے اس وقت سلب مقدم کو سلب تالی لازم ہوا کرتا ہے۔ وکذا بالعکس دیکھ لیجئے کہ ان کانت الشمس طالعة فالنہار موجود میں چونکہ رابطہ تساوی طرفین سے مستحکم ہے تو ہر ایک کا وجود دوسرے کے وجود کو مستلزم ہے اور ایسے ہی ہر ایک کا عدم دوسرے کے عدم کو ممتنع ہے۔

اگر منطق سے آپ کو عداوت ہے تو لیجئے ہمیں اور فن کی کتاب کا حوالہ دیتا ہوں بغور ملاحظہ کر لیجئے۔ مختصر معانی میں بحث شرط میں لکھا ہے کہ محاورات بیانی میں انتفاء شرط سے انتفاء جزا پر استدلال ہوا کرتا ہے چونکہ ایسے ابجائ

کا سمجھنا عوام کا کام نہیں اس لیے ثبوت مدعی میں ایک شعر عربی لکھ کر آگے چلتا ہوں اور اہل فہم کو اس کے فوائد و نکات کی جانب اشارہ کرتا ہوں :

فلو طار ذو حافر قبلہا

لطارت ولكنہ لم یطر

سو دیکھ لیجئے کہ اس میں انتفائے مقدم سے انتفائے تالی بیان کرنا مد نظر ہے نہ یہ کہ وجود مقدم جتنا مقصود ہے جب یہ چند باتیں ذہن نشین ہوئیں تو بندہ نواز بھی قصہ بعینہ ان علم فیہ شفاء لا باس بہ ولکن لم یقل کا بے مگر ہاں شاید آپ یہ فرمائیں کہ اگر بجائے لم یقل لے لیا جاتا تو البتہ مثل شعر سابق یہ کہ علم ہو جاتا پر اس میں جو شرط ہے وہ منفی نہیں اور جو منفی ہے وہ شرط نہیں۔ سو اس کا جواب بھی گوش گزار ہے۔ بغور سنئے کہ ثابت بالدم کا موجب شفا ہونا نہ تو عقلاً مستحق ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور نہ طباً کیونکہ فن طب میں تاثرات ادویہ کا تجربہ جو منجملہ اعیان ہیں معلوم ہوا کرتا ہے نہ تاثرات اعمال کا اب اس کا موجب شفا ہونا نہ ہوتا اگر معلوم ہو سکتا ہے تو بذریعہ نقل ہو سکتا۔ سو جب نقل سے یہ بات ثابت نہ ہوئی تو اصلاً اس میں شفا معلوم نہ ہوئی۔ اس صورت میں وہی انتفائے شرط یعنی انتفائے علم متحقق ہوا۔ سو اس کو خود لازم آجائے گا کہ یہ مثل ہرگز جائز نہیں ہے۔ اہل فہم کو یہی پس ہے۔ جہلاً سے کام نہیں۔ اس لیے اس کو ختم کرتا ہوں اور اگلا جواب لکھتا ہوں۔ واللہ اعلم فقط۔

سالتوال اعتراض | در مختار میں ہے : اما عندہ فہی طاہرۃ
کسائر رطوبات البدن۔ ترجمہ : یعنی
لیکن امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عورت کی شرم گاہ یعنی
فرج کی رطوبت پاک ہے جس طرح تمام بدن کا پسینہ۔

الجواب

ان حضرات نے اس مسئلہ میں بھی عبارت نا تمام نقل کی ہے۔
 اس سے پہلے عبارت لکھی جس سے اصل مسئلہ خوب فہم میں آ
 جاتا اور نہ یہ لکھا کہ امام صاحب اور صاحبین میں کون سی رطوبت میں خلاف ہے؟
 کیا کہوں اس کی تشریح کرتے ہوئے شرم و حیا آتی ہے لیکن کیا کیجئے کہ اگر
 ہم شرم و حیا ہی کیے جاویں اور یہ لوگ اس غیرتی میں اپنا کام نکالے جائیں اور لوگوں
 کے دلوں میں اس قسم کے شبہات جملے جائیں تو کوئی ارباب دانش کا تو کچھ
 نقصان نہیں ہے بلکہ اور اُلٹی ان کی رہی تھی وقعت بھی ان حضرات کے دلوں
 سے جاتی رہے گی مگر سیدھے ساوے مسلمانوں کو البتہ نقصان ہے کیونکہ وہ ایسے
 مسائل کی تحقیق بوجہ شرم کے اپنے مولویوں سے نہ کر سکیں گے اور خواہ مخواہ ان خیالات
 کو اپنے دلوں میں پکائیں گے لہذا بحالتِ مجبوری اس کی کسی قدر تشریح کرتا ہوں
 واضح ہو کہ رطوبتِ فرج تین قسم ہیں: اول وہ پسینہ کہ اس مقام سے باہر کی
 جانب آ جاتا ہے جیسے اور تمام بدن پر نمودار ہوا کرتا ہے سو وہ باتفاقِ علمائِ پاک
 ہے بشرطیکہ کوئی آلائش خارجی اس مقام پر پہلے سے لگی ہوئی نہ ہو کیونکہ فرج
 عورت کا وہی حکم ہے جو مرد کے عضو مخصوص یا اس کی مقعد کا حکم ہے۔ یعنی
 جیسے مرد کی جائے بول و برازا اگر پہلے سے پاک ہو تو اس کا پسینہ مثل تمام بدن
 کے پسینہ کے ظاہر و پاک ہے ایسے ہی فرج عورت کا پسینہ بھی بشرطِ مذکور پاک
 ہے۔ اگر یہ پسینہ ناپاک ہونے تو لازم تھا کہ ہر روز کیا بلکہ پنچوقتہ روز مال پا جامہ کا
 دھونا ہر نمازی کے ذمہ ضروری ہوتا اور ظاہر ہے کہ یہ بات آیتِ قرآنی: مَا
 جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فِي الذِّينِ مِنْ حَرَجٍ کے سراسر خلاف ہے۔
 قسم دوم وہ پسینہ ہے کہ داخل فرج لیکن رجم و مثانہ سے درے پیدا ہوا
 کرتا ہے اور بہت کم ہوتا ہے کہ یہ پسینہ وہاں موجود نہ ہو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ

مقام چونکہ باہر کی جانب سے بند ہے اور اندر کی جانب سے مجوف تو حرارت غریزی جو تمام بدن میں دائر و سائر ہے اور تمام بدن کی رطوبات کو انجبرہ بنا کر بذریعہ مسامات جلدیہ باہر پھینکا کرتی ہے اس مقام میں زیادہ تر محقق ہوا کرتی ہے اور بخارات زیادہ پیدا کیا کرتی ہے مگر چونکہ ان بخارات کے لیے کوئی متقد نہیں ملتا اس لیے وہ پانی بن کر اسی مقام میں جمع رہتا ہے سو یہ پانی درحقیقت پسینہ جلد ہے نہ یہ کہ رحم و مشانہ سے جو مخزن نجاسات ہیں برآمد ہوا ہے۔

اس رطوبت کی نسبت چونکہ شارع علیہ السلام سے کوئی حکم اس کے پاک و ناپاک ہونے میں صراحۃً منقول نہیں ہے اس لیے علماء رائت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مسئلہ میں دو فریق ہیں اپنے اپنے اجتہاد کے موافق ایک فریق اس کی نجاست کا قائل ہوا اور دوسرا فریق اس کی طہارت کی جانب مائل ہوا۔ صاحبین پہلے فریق کے ہم صفیر و ہم زبان ہیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فریق ثانی کے ہم کلمہ اور ہم بیان ہیں۔ سو اگرچہ بنظر ظاہر اس وجہ سے کہ یہ رطوبت مخرج نجاست میں جمع رہتی ہے اس کا ناپاک ہونا ہی خیال میں جہتا ہے لیکن بفکر صائب اگر اس میں تدبیر کیا جائے اور نصوص قرآنی کو پیش نظر رکھا جائے تو فریق ثانی کا مذہب ہی قرین عقل معلوم ہوتا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ خداوند عالم کا ارشاد پاک ہے: **يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ**۔ یعنی اے نبی پاک تجھ سے حیض کا مسئلہ پوچھتے ہیں سو کہہ دو کہ وہ ناپاک ہے سو عورتوں سے علیحدہ رہا کرو ایام حیض میں اور مت صحبت کرو ان سے جب تک پاک نہ ہو جائیں۔ مقصود اس آیت کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ چونکہ خون حیض مراً سر پلید اور ناپاک ہے اس لیے تا انقطاع حیض وہ مقام بھی ناپاک رہے گا اور حرمت

صحبت بھی بدستور باقی رہے گی پر جب حیض منقطع ہوا تو لا محالہ اس مقام کی نجاست بھی دور ہو جائے گی اور حرمتِ مجامعت بھی تبدیلِ کلیت ہو جائے گی یہ نہ ہوگا کہ رطوبت اس مقام کی تو بدستور جوں کی توں ناپاک رہے پر صحبت جائز و مبارک ہو جائے کیونکہ یہ خیال ہر طرح سے مخالف عقل و نقل ہے خلاف نقل تو یوں ہے کہ آیت لَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ میں حرمتِ مجامعت کی غایت و انتہا حصول طہارت معلوم ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ غایت کا حکم مغیا کے مخالف ہوا کرتا ہے۔ نظر بریں لابد ہوا کہ جیسے ایامِ حیض میں رطوبت فرج ناپاک تھی بعد انقطاعِ حیض رطوبت اس کی ناپاک نہ ہو ورنہ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ کا ظہور کسی طرح نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں حدیث سے بھی یہی مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ بعد انقطاعِ حیض رطوبت فرج ناپاک نہیں ہے۔ چنانچہ بخاری شریف اور مؤطا امام مالک میں یہ حدیث موجود ہے: كَانَ النِّسَاءُ يَبْعَثْنَ إِلَىٰ عَائِشَةَ بِالدَّرَجَةِ فِيهَا الْكَرْسُفُ فِيهِ الصَّفْرَةُ مِنْ دَمِ الْحَيْضِ يَسْأَلُنَهَا عَنِ الصَّلَاةِ فَتَقُولُ لِهِنَّ لَا تَعْجِلْنَ حَتَّىٰ تَرِينَ الْقِصَّةَ الْبَيْضَاءَ تَرِيدُ بِذَلِكَ الطَّهَرَ مِنَ الْحَيْضَةِ۔ یعنی عورتیں حضرت عائشہؓ کے پاس روئی حیض کی جس میں کسی قدر زردی باقی ہوا کرتی تھی بھیج کر نماز کا مسئلہ پوچھا کرتی تھیں تو وہ فرمایا کرتی تھیں کہ ابھی جلدی مت کرو جب تک سپید رطوبت مثل چونہ کے رنگ کے نہ دیکھو منشار ان کا یہ تھا کہ حیض سے پاکی جب حاصل ہوگی جب رطوبت سپید رنگ ہو جائے۔ سو اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ جو رطوبت بعد انقطاعِ حیض کے ہوا کرتی ہے وہ ناپاک نہیں ہوا کرتی ہے اور مخالف عقل یوں ہے کہ اگر ایامِ طہر کی رطوبت بھی ناپاک سمجھی جائے تو لازم آتا ہے کہ مجامعت عورت کی وقت میں جائز نہ ہو نہ ایامِ حیض میں اور نہ ایامِ طہر میں کیونکہ علتِ حرمت یعنی اذی اور پلیدی

دونوں حالت میں یکساں ہے پھر کیا وجہ ہے کہ بحالت حیض تو یہی آیت **فَلَا**
هُوَ الَّذِي سَرَّيْهِ حُرْمَتُ ہو جائے اور زمانہ طہر میں باوجود رطوبت ناپاک باعث

حُرْمَت نہ ہو۔
 سو معلوم ہوا کہ عقلاً و نقلاً کسی طرح اس پسینہ کو ناپاک نہیں کہہ سکتے اگر ناپاک
 ہوتا تو جیسے عائضہ سے صحبت یا کسی سے فواحش و اغلام بجلت اذی حرام و
 معصیت ہیں تو ایسے ہی بحالت طہر بھی بوجہ رطوبت ناپاک صحبت حرام و ممنوع
 ہوتی۔ واذلیس فلیس۔ الغرض رطوبت فرج کی دو قسم تو بیان ہو چکیں۔ اب
 تیسری قسم کا حال سنئے۔

قسم سوم وہ رطوبت ہے کہ رحم یا مثانہ سے نکل کر اس مقام میں جمع ہو جاتی ہیں
 سو وہ باتفاق امت ناپاک ہے یعنی جیسے خون حیض یا پیشاب ناپاک ہے
 ایسے ہی یہ رطوبت بھی ناپاک ہے۔

بالجملہ پہلی قسم کا پسینہ باتفاق علماء پاک ہے اور تیسری قسم کی رطوبت
 باتفاق ناپاک ہے مگر دوسری قسم کی رطوبت مختلف فیہ ہے۔ سو دلائل ان لوگوں کے
 جو اس کو ناپاک نہیں بتاتے ہیں وضاحت کے ساتھ بیان ہو چکے ہیں اور یہ
 بات پہلے لکھ چکا ہوں کہ امام اعظم کا بھی یہی مذہب ہے مگر اس کی پاکی سے یہ
 مراد نہیں کہ خواہ مخواہ اس میں کپڑا اثر کیا کرے بلکہ نفاست تو اسی کو مقتضی ہے
 کہ اس سے پرہیز کیا کرے لیکن جیسے رینٹھ شک اگرچہ طبعاً مکروہ ہے پر شرعاً ناپاک
 نہیں ایسے ہی اس مسئلہ کا قصہ ہے اسی واسطے فقہ میں لکھتے ہیں کہ عورت کو مستحب
 ہے کہ ہر وقت اس مقام میں روئی وغیرہ رکھے رہے۔ اس کے بعد ایک اور مسئلہ
 قابل بیان ہے اک میں یہی علماء دو فریق ہیں۔ وہ یہ ہے کہ آدمی کا بچہ یا گائے
 بھینس، بکری وغیرہ کے بچوں پر جو وقت ولادت نہی ہوا کرتی ہے آیا وہ ناپاک

ہے یا پاک ہے؟

سو اس میں ایک فریق نجس میں صاحبین بھی داخل ہیں اس کی نجاست کی جانب جھکے ہیں اور ایک فریق جس میں امام صاحب بھی شامل ہیں اس کی طہارت کی جانب گئے ہیں سو اس میں بھی بنظر ظاہر مذہب صاحبین اچھا معلوم ہوتا ہے مگر بعد غور کے امام صاحب کا مذہب ہی دلائل قرآنی سے مؤید معلوم ہوتا ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ شرع میں جیسے زوال نجاست باعث تطہیر ہے ایسے ہی ماہیت نجس کا متبدل و منقلب ہو جانا مثبت طہارت ہے ہی وجہ ہے کہ مشک اذفر اگرچہ درحقیقت خون ناپاک تھا پر چونکہ اس کی حالت تبدیل و منقلب ہو گئی ہے اور اس کی صورت پہلی صورت سے کچھ اور ہی ہو گئی تو ایسا پاک ہوا کہ خود خدائے پاک بھی اپنے کلام میں اس کی مدح فرماتا ہے:

وَيُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ خِتْمُهُ مِسْكٌ - اور ایسے ہی حدیث میں اس کی خوبی کی جانب اشارہ ہے: وَلِخُلُوفٍ فَمِ الصَّائِغِ اطِّيبَ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ - غرض تمام اہل ادیان کے نزدیک اس کی طہارت و نفاست مسلم ہے بلکہ تمام خوشبوؤں میں ضرب المثل ہے۔ وما احسن ما قيل۔

۱۔ وان تفق الانام وانت منهم

فان المسك بعض دم الغزال

جب یہ قاعدہ ذہن نشین ہوا تو سمجھ لیجئے کہ اگرچہ طفلان بنی آدم اور بچکان بقرو غنم اصل میں لطفہ ناپاک تھے پر چونکہ ان میں اس قدر انقلابات واقع ہوئے کہ اول خون بنے پھر علقہ ہوئے پھر مضغہ پھر عظام تو ہر طرح سے پاک ہو گئے۔ سو وہ رطوبت جو وقت ولادت ان کے جسم پر ہوتی ہے ایسی

ہوتی ہے جیسے نافہ مشک پر ہوتی ہے یا لحم مذبورہ پر رطوبت دم باقی رہ جاتی ہے۔
یا طحال و کبد پر آب شکم کی تری ہوتی ہے ایسی ایسی اور بہت سی مثالیں قرآن و
حدیث میں موجود ہیں تلاش والے کو مل سکتی ہیں سو ان ان وجوہات سے امام
اعظمؒ رطوبت ولد کو ناپاک نہیں فرماتے ہیں۔

جب یہ سن چکے تو اس مسئلہ میں غیر مقلدین کے قطع برید کو ملاحظہ فرمائیے۔
 واضح ہو کہ درمختار میں لکھا ہے کہ منی ناپاک ہے اگر وہ تر ہو تو کچڑا بلا دھوئے
 پاک نہ ہو گا اور اگر خشک ہو جاوے تو اگرچہ قیاس اسی کو مقتضی تھا کہ جیسے اور
 نجاسات اگرچہ خشک ہو جائیں بلا دھوئے پاک نہیں ہوتے ہیں ایسے ہی بلا دھوئے
 پاک نہ ہو پر حدیث میں آگیا ہے کہ بحالت خشکی اگر کچڑے کو مل دیں تو بھی کفایت کرتا
 ہے پھر صاحب درمختار نے بیان کیا کہ اس طرح سے پاک ہو جانا جب ہے کہ پہلے
 سے سر عضو مخصوص پر کوئی ناپاکی مثل مذی یا پیشاب لگی ہوئی نہ ہو ورنہ وہ بعد خشکی کے
 بھی بلا دھوئے پاک نہ ہوئی پھر اسکی تشریح کے لیے ایک مسئلہ کتاب مجتبیٰ سے
 نقل کیا وہ یہ ہے: اولیٰ فتنوع فانزل لہ دیطہرہ الغسلہ لتلوثہ بالنجس
 یعنی اگر کوئی صحبت کرے اور قبل انزال علیحدہ ہو جاوے اور پھر منی نکلے سو وہ
 منی خشکی کے بعد بھی بلا دھوئے پاک نہ ہوگی کیونکہ وہ ناپاک شے سے ملوث ہو
 گئی ہے اس کے بعد نجس کی تفسیر اس طرح سے کی ہے، ای برطوبة الفرج
 فیکون مقرر علی قولہما بنجاستہا اما عندہ فہی طاہرۃ کسائر
 رطوبات البدن یعنی وہ ناپاک شے رطوبت فرج ہے جو عضو تناسل پر
 بسبب صحبت کے لگی ہوئی تھی سو اس رطوبت کا نجس ہونا صاحبین کے مذہب
 پر مبنی ہے نہ امام اعظمؒ کے مذہب پر کیونکہ ان کے نزدیک پسینہ فرج مثل تمام
 بدن کے پسینوں کے پاک ہے۔

مگر صاحب کتاب کا یہ فرق بیان کرنا نظر ظاہر پر مبنی ہے ورنہ حقیقت اس صورت خاص میں تو یہ رطوبت امام اعظم کے نزدیک بھی ناپاک ہے کیونکہ ان کے نزدیک پسینہ فرج کے ظاہر ہونے میں یہ شرط ہے کہ پیشاب یا خون یا مزی و منی مرد و عورت کی اس پسینہ میں مختلط نہ ہو جیسا کہ رد مختار میں ہے:

قلت وهذا اذا لم يكن معه دم ولم يختلط رطوبة الفرج مذي او مني من الرجل او المرأة يعني پسینہ فرج اس وقت پاک ہے کہ خون یا مزی و منی مرد یا عورت کی اس کے ساتھ نہ ملی ہو۔ سو ظاہر ہے کہ جس وقت مرد صحبت کرتا ہے بمقتضائے حدیث کمال فحل یُمدی مزی نکلا کرتی ہے۔ سو اس کے اختلاط سے پسینہ فرج بھی جو امام صاحب کے نزدیک پہلے سے پاک تھا ناپاک ہو جائے گا۔ اس صورت میں باتفاق ائمہ ثلاثہ جو منی اس رطوبت سے ملوث ہوگی بلا دھوئے کسی طرح پاک نہ ہوگی۔

اس کے بعد گزارش ہے کہ غیر مقلدین نے سفہار کے بہکانے کو اتنی لمبی عبارت سے صرف ایک جملہ اما عندہ فہی طاهرة کسائر رطوبات البدن تو ذکر کیا اور اقل آخر کی عبارت بالکل حذف کر بیٹھے کس قدر خیانت کو ان لوگوں نے اپنا شیوہ بنا رکھا ہے اور طرفہ تریہ تماشا ہے کہ علامہ شامیؒ نے رطوبت مختلف فیہا کی شرح میں اسی قول کے برابر عبارت لکھی ہے اس کو آنکھ کھول کر نہ دیکھا۔ وہی ماء ابیض متردد بین المذی والعرق ینخرج من باطن الفرج الذی لا یجب غسلہ بخلاف ما ینخرج مما یجب غسلہ فانہ طاهر قطعاً ومن وراء باطن الفرج فانہ نجس قطعاً ککل خارج من الباطن کالماء الخارج مع الولد او قبلہ۔ اس عبارت میں رطوبت کی وہی تین قسم بیان کی ہیں جو ہم شروع جواب میں

کھچکے ہیں مگر اس قدر ظاہر کر دینا اس وقت ضروری ہے کہ یہ رطوبت ولادت جس کو اس عبارت میں ناپاک لکھا ہے وہ رطوبت ہے جو بطور سیلانِ رحم سے نکلتی ہے سو اس کی ناپاکی کی جانب شروع جواب میں بھی اشارہ کر آیا ہوں اور وہ رطوبت جس کو امام صاحبؒ پاک فرماتے ہیں وہ رطوبت ہے کہ جسم ولد پر معلوم ہو سو وہ ایسی ہی رطوبت ہے جیسے گوشت پر بعد ذبح کے خون کی تری رہ جایا کرتی ہے سو جیسے اس کو ناپاک نہیں کہہ سکتے ایسے ہی اس کو بھی ناپاک کہنا نہیں چاہیے۔
واللہ اعلم۔ فقط۔

عالمگیری میں ہے: اوسب النبی علیہ السلام
آٹھواں اعتراض اوزنی بمسلمۃ لم ینقض عہدہ۔ یعنی اگر کوئی

کافر جو مسلمانوں کی رعیت ہے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا مسلمان عورت سے زنا کرے تو اس کو مارنا نہیں چاہیے۔

یہ تو ان کی عادت ہی ٹھہری کہ اوّل و آخر کی عبارت حذف کر کے
الجواب ذرا سا جملہ لکھ دیتے ہیں اور عوام کو دھوکہ میں ڈالا کرتے ہیں پر اس

اعتراض میں حد سے زیادہ کھلی خیانت اور صریح حق پوشی کی ہے لہٰذا ینقض عہدہ کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ (اس کو مارنا نہیں چاہیے) حالانکہ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اس کا معاہدہ نہیں ٹوٹا، میں سب مسلمانوں کی خدمت میں ملتمس ہوں کہ آپ قسم دے دے کہ ان کے مولیوں سے اس کا ترجمہ پوچھیں کہ ان کی دروغ گوئی سب پر عیاں ہو جائے۔

اب میں مختصر طور پر یہ مسئلہ لکھتا ہوں تاکہ سب عام و خاص اس مسئلہ کی حقیقت سے آگاہ ہو جائیں۔ واضح ہو کہ یہ عبارت واقعی عالمگیری کی ہے اور ایسے ہی درختار و غیرہ میں ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حاکم اسلام کسی

ملک کفار کو فتح کرے اور پھر ان سے عہد و پیمان لے کر ان کو اپنے ظلّ حمایت میں جگہ دیوے تو تا وقتیکہ وہ اپنے عہد و پیمان کا خلاف نہ کریں تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کا معاہدہ بدستور قائم رکھیں ہاں اگر منکرات شرعیہ میں سے کسی جرم کا ارتکاب کریں تو حسب قانون شرع اس پر حد جاری کریں سو اگر کسی مسلمان عورت سے کوئی ذمی زنا کرے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے اور اس کے عہد نامہ میں اس قسم کی شرائط کا کچھ ذکر نہ تھا تو گو اس کا معاملہ معاہدہ جوں کا توں باقی ہے ان دونوں جرموں کی سزا اس کو دی جائے گی۔ یعنی زنا کی صورت میں حد زنا اس پر جاری ہوگی۔ چنانچہ رد مختار میں ہے: قوله ولا بالزنا بمسلمة بل يقام عليه موجب وهو الحد۔ یعنی زنا مسلمہ سے عہد تو نہ ٹوٹے گا پر اس پر زنا کی سزا جاری کی جائے گی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بُرا کہنے میں اگر خفیہ طور سے ایک دو دفعہ اپنی گمت کے آدمیوں میں بُرا کہتا ہے اور عہد نامہ میں اس قسم کی شرائط کا کچھ ذکر نہ ہو تب بھی اگرچہ معاہدہ اس کا بدستور باقی ہے لیکن تعزیراً اور زجر سزا دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر مصلحت وقت ہو تو اس کو قتل کر دینا تک بھی جائز ہے چنانچہ رد مختار میں ہے: ویؤدب الذمی ویعاقب علی سبہ دین الاسلام والقرآن والنبی صلی اللہ علیہ وسلم قال العینی واختیاری فی النسب ان یقتل وتبعہ ابن الہمام قلت وبہ افقی شیخنا الخیر الرملی وهو قول الشافعی۔ یعنی ذمی دین اسلام یا قرآن یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بُرا کہنے میں تاویب تعزیر دیا جائے علامہ عینی نے فرمایا ہے کہ میرا مذہب یہ ہے کہ وہ قتل کیا جائے۔ اسی مذہب کے ابن ہمام تابع ہوئے ہیں اور شیخ رملی نے بھی اسی کا فتویٰ دیا ہے اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

پھر یہ بھی جب ہے کہ اس قسم کی شرائط وقت عہد اس سے نہ کی گئی ہوں۔
 اور اگر اس سے شرط کی گئی ہو کہ مذہب اسلام اور قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم کو بُرا نہ کہے یا فلاں فلاں کام نہ کرے اور وہ پھر اس نے اس کا خلاف
 کیا تو اس کا معاہدہ بھی باقی نہ رہے گا۔ بلکہ مباح الدم ہو جائے گا۔ چنانچہ رد مختار
 میں ہے: اقول هذا ان لم بشرط انتقاضه به اما اذا بشرط
 انتقض به كما هو ظاهر۔ یعنی عہد کا نہ ٹوٹنا جب ہے کہ اس قسم کی شرط نہ
 کی گئی ہو ورنہ بُرا کہنے سے اس کا عہد ٹوٹ جائے گا۔

علیٰ ہذا اگرچہ معاہدہ میں ایسی شرائط نہ کی گئی ہوں پر وہ کھلم کھلا نبی صلی اللہ
 علیہ وسلم کو بُرا کہتا پھرتا ہے تب بھی اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور اس کے صلہ میں
 قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ رد مختار میں ہے: قوله وسب النبي صلى الله عليه
 وسلم۔ ای اذ لم يعلن قتلواعلن بشتمه او اعتاده قتل ولو امرأة
 وبسب يفتي اليوم۔ یعنی عہد کا نہ ٹوٹنا اس وقت ہے کہ علی الاعلان برا نہ کہا
 ہو۔ اور اگر کھلم کھلا بُرا کہا ہے یا اس کی عادت کر لی ہے تو قتل کر دیا جائے اگرچہ
 عورت ہی کیوں نہ ہو اسی پر اب فتویٰ ہے۔ یہ عبارت تو کتب فقہ کی تھیں
 اب حدیث کا حال بھی سنئے: سو اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر بار بار
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بُرا کہنے کی عادت کر لی تو اس کا خون معاف ہے
 ابو داؤد میں ہے: ان اعمى كانت له ام ولد تشتم النبي صلى الله عليه
 وسلم وتقع فيها فينهاها فلا تنهى وينجرها فلا تنجر قال فلما
 كانت ذات ليلة جعلت تقع في النبي صلى الله عليه وسلم وتشتمه فلأخذ
 المغول فوضعه في بطنها واتكأ عليها فقتلها۔ الحدیث۔ یعنی ایک نابینا
 کی باندی تھی اور نبی علیہ السلام کو بُرا بھلا کہا کرتی تھی وہ نابینا اس کو منع کیا کرتا

تھا اور جھڑکا کرتا تھا سو وہ باز نہ آتی تھی۔ اتفاقاً ایک رات کو پھر بُرا کہنے لگی تو نابینا نے ایک چھرا لے کر اس کے پیٹ میں بھونک دیا اور اس کو جان سے مار ڈالا۔ جب شدہ شدہ اس امر کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: **الاشھد وانّ دمھا ہدر**۔ یعنی گواہ رہو کہ خون اس باندی کا معاف ہے۔ اب صاحب انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ کتب فقہ اور حدیث شریف کس طرز سے موافق و مطابق ہیں پھر کوئی ان دشمنان دین و دانش سے پوچھے کہ تم نے کس کس کو قوت پر اور کس منہ سے کہ دیا کہ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ اس کو مارنا نہیں چاہیے۔ **اللھم احفظنا من الخیانتہ فی الدین**۔ **واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصّلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین**۔ فقط۔

التماس مؤلف

بہت دنوں سے یہ چند اعتراضات جن کے اس رسالہ میں جوابات ہیں علماء غیر مقلدین کی جانب سے بار بار شہر ہوئے اور علماء حنفیہ نے ان کے جوابات بھی دیئے ہیں مگر غالباً اس وقت تک کسی نے ان کو طبع نہیں کرایا ہے۔ بلکہ زبانی ہی جوابات کو کافی و وافی سمجھا ہے یہی وجہ ہے کہ عوام غیر مقلدین کو یہ اعتراضات واقعی معلوم ہوتے ہیں گو ان کے علماء تو خوب جانتے ہیں کہ ان اعتراضات کی درحقیقت کچھ اصل نہیں ہے ہاں اپنے مذہب کی ہوا بندی کے لیے ایک عمدہ حیلہ سمجھتے ہیں۔ سو جب اس خادم الطالبہ نے دیکھا کہ بعض بعض مقلدین کے دلوں میں بھی یہی بات جمنے لگی کہ واقعی یہ اعتراضات بجا و درست ہیں۔

سوان کے جوابات طبع کرانے کا دھیان دل میں جمایا اور یہ مجھتا تھا کہ چار پانچ صفحہ میں ان کے جوابات آجائیں گے مگر جب لکھنے بیٹھا تو بہت سے مضامین ہر جواب کے متعلق قرآن و حدیث و فقہ سے سمجھ میں آئے ان کا لکھنا بہت ہی مصلحت معلوم ہوا۔ اس لیے ہر جواب میں شرح و بسط کا اتفاق ہوا۔ امید کہ ناظران اتفاق پسندان کو بچشم انصاف ملاحظہ فرمائیں اور پھر باہم اتفاق کے تدبیر نکالیں کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے: ایا کمر وسوء ذات البین فانھا الحالقة یعنی بچو آپس کی بھوٹ سے کیونکہ وہ دین کو مونڈنے والی ہے اور بعض روایت میں آیا ہے: لا اقول تحلق الشر و لكن تحلق الدین۔ یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بھوٹ بالوں کو مونڈتی ہے بلکہ یہ کہتا ہوں کہ دین کو نیست و نابود کر ڈالتی ہے خصوصاً علماء غیر مقلدین کی خدمت میں التماس ہے کہ اولاً اس رسالہ کو بالاستیعاب ملاحظہ فرمائیں اور ہر جواب کی عبارت میں بہ تدبر غور فرمائیں اور جھٹ پٹ بے سوچے سمجھے جواب کے لیے قلم نہ اٹھائیں کیونکہ جواب کا نام کروینا تو بہت آسان ہے پر تحقیقی جواب لکھنا ہر جگر خام کا کام نہیں ہے۔ ہاں جو صاحب ان جوابات میں کوئی غلطی دیکھے تو بالضرور اس کو ظاہر فرمائے کیونکہ منشیان جوابات کا اظہار صواب ہے نہ اپنی بات پر ہٹ دھرمی کرنا یا باطل طور سے سخن پروری کیے جانا۔ سو اگر کوئی صاحب مجھ کو میری غلطی پر متنبہ کرے تو میں اس کا حد سے زیادہ ممنون و مشکور ہوں گا مگر اس قدر اور التماس ہے کہ جو صاحب اس کا جواب تحریر فرمائیں تو اس کا ضرور التزام فرمائیں کہ یہ رسالہ من اولہ الی آخرہ اس جواب کے ساتھ ہی مطبوع ہوتا کہ ہر ناظر فہیم ہر دو تحریرات میں پھر سے طور سے موازنہ کر سکے اور حق و باطل میں تمیز کر سکے۔ ورنہ قولہ اور

اقول سے کوئی کیا سمجھ سکتا ہے اور کیا کہہ سکتا ہے کہ کون حق کہہ رہا ہے اور کون باطل۔ علاوہ بریں اس رسالہ میں بھی یہی التزام کیا گیا ہے کہ آپ کی ازہاق الباطل کی عبارت بجنسہ بکھی گئی ہے۔ سو نظر بریں آپ کو بھی لازم ہے کہ اس کے جواب میں اس کی پوری عبارت درج جواب فرمائیں اور اگر یہ جملہ جوابات آپ کے نزدیک مسلم ہوں چنانچہ آپ لوگوں کا دعویٰ حق پرستی اسی کی امید دلاتا ہے تو مناسب ہے کہ اپنے متبعین کو اپنے اتہامات بجا اور خیانات نازیبا پر مطلع فرمائیں۔ اس اطلاع کرنے سے اگرچہ بظاہر آپ لوگوں کی ہوا خیزی معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت اس طرز سے آپ لوگوں کی حقانیت لوگوں کے دلوں میں بیٹھے گی اور آپ کی انصاف پسندی معروف و مشہور ہوگی۔

مقام غور ہے کہ علماء غیر مقلدین مذہب حنفیہ پر تو کیسے جھوٹے اور لا اصل اعتراضات مشہور کریں اور اپنے مذہب کی خبر بھی نہ لیں کہ کیسے گندے مسائل خلاف عقل و نقل اس میں موجود ہیں بطور نمونہ لکھتا ہوں جس کو ان میں کچھ تردد ہو اور میرے قول کو باور سمجھے تو ان لوگوں کے مولویوں سے قسمیہ پوچھ لے کہ کیا کہتے ہیں؟ کیا کہتے ہیں ان کے مذہب کی بنیاد صرف زبان ہی پر ہے کوئی کتاب ان کے مذہب کی ایسی نہیں کہ اس میں جملہ عقائد و مسائل اس فرقہ کے مذکور ہوں اور سب اس کو تسلیم کرتے ہوں درہمیں ان کتابوں سے حوالہ دے کر لکھتا۔ اب اگر کسی کتاب کا حوالہ دیا جاتا ہے اور اس موقع میں یہ لوگ مجبور ہو جاتے ہیں تو اس کتاب سے ہی صاف انکار کر بیٹھے ہیں۔ اس لیے مناسب ہے کہ ناظرانِ فہیم ان کے مولویوں سے ان مسائل کا اقرار و انکار کرا لیں اس کے بعد ہم اپنا ممکنون خاطر بذریعہ تحریر ظاہر کریں گے۔

مسئلہ اول | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ایک ایسے کنوئیں سے پانی پیا ہے اور اسی سے وضو کیا ہے کہ جس میں لوگوں کا گوہ موت اور کتوں کا گوشت اور حیض کے لٹے پڑے ہوئے سٹر کرتے تھے۔ حالانکہ ہم لوگوں سے یہ بھی ممکن نہیں کہ جس پانی میں چڑیا بھی سر کر سٹر جائے اس کو پی سکیں تو پھر جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی نفاست و نظافت غیر قوموں کے نزدیک بھی مسلم ہے کیونکہ اس پانی کو جس میں اس قدر نجاسات پڑی سٹرتی ہوں گی نوش فرماتے ہوں گے؟ معاذ اللہ۔

مسئلہ دوم | اگر کنوئیں میں پانچ آدمی بھی مل کر موت کی دھاریں جھیر جھیر لگائی جائیں تو وہ پانی پاک ہے۔ معاذ اللہ۔

مسئلہ سوم | حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسبب التزام کرویتے ہیں کحت تراویح کے بدعتی ہو گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسبب زیادہ کرنے اذان اول جمعہ کے بدعتی بن گئے۔ حالانکہ علیکم ولسنتی و سنتہ الخلفاء الراشدین من بعدی کے یہ خیال سراسر خلاف ہے۔

مسئلہ چہارم | ان کے بڑے مجتہد دہلی والے فرماتے ہیں کہ سوزنا ایک طرف ہیں اور ایک تقلید ایک طرف جس کے یہ معنی ہوئے کہ تمام مقلدین بجرم تقلید گویا اولادِ زنا سے بھی بدتر ہیں اس کا ثبوت میرے پاس موجود ہے میرے مکان پر جو صاحب پوچھنا چاہیں تشریف لائیں اور اپنا اطمینان کر جائیں۔

مسئلہ پنجم | جس قدر مجتہدین گزرے ہیں وہ سب کے سب بوجہ کرنے قیاس کے زمرہ شیطاں میں محبوب ہیں خواہ صحابی ہوں یا تابعی یا اور بعد کے لوگ ہوں اور اپنے دعویٰ کی دلیل اول من قاس ابلیس کو بتاتے ہیں۔

مسئلہ ششم | صرف نحو کی کتابیں یا اصول فقہ کی کتابیں پڑھنی سب حرام
 ہیں کچھ حاجت کتب فقہ کی نہیں ہے ہم سب مسائل قرآن و
 حدیث سے نکال سکتے ہیں۔

استفتا از علماء غیر مقلدین

خیر اگر یہ بات آپ کی ٹھیک ہے تو اس مسئلہ کا جواب تحریر فرمائیے اور نص
 قرآنی یا صحیح حدیث سے دلیل لائیے اور اجماع و قیاس کو دخل مت دیجئے،
 میں تم کو خدائے علیم و خبیر کی قسم دیتا ہوں کہ اس مسئلہ میں کتب فقہ کا ہرگز مطالعہ
 نہ فرمائیں سو آپ بھی براہ عنایت قسم کھا کر ارقام فرمائیے کہ ہم نے اصلاً کتب فقہ کو
 اس کی تلاش نہیں دیکھا ہے بلکہ اپنی سمجھ ہی سے قرآن و حدیث سے اس کا
 جواب لکھا ہے مسئلہ یہ ہے۔

سوال اول | تین شخصوں نے باہم جمع ہو کر ۲۳۶۹ اور ۲۳۶۸ اور
 ۲۳۶۹ کی نسبت سے ایک غلام خریدا پھر ایک نے ان
 میں سے اپنے حصہ کو مدبر کیا اس کے بعد دوسرے نے اپنے حصہ کو آزاد کیا
 اور تیسرا ساکت رہا اب ساکت و مدبر چاہتے ہیں کہ اپنے حصہ کا تاوان لیں مگر
 ان تینوں میں یسار و اعسار کے سبب کٹھا احتمال ہیں۔ یا تینوں موسر ہیں، یا
 تینوں معسر، یا مدبر و معوق موسر ہیں اور ساکت معسر، یا برعکس، یا معتق و شک
 موسر ہیں اور مدبر معسر، یا برعکس ہے، یا مدبر و ساکت موسر ہیں اور معتق معسر، یا
 برعکس ہے۔ سو ہر ہر احتمال کا جدا جدا جواب فرمائیے اور ہر ہر دعویٰ کی دلیل
 بتلائیے علیٰ ہذا ایک مسئلہ فرائض کا نکال دیجئے اور اس میں ہر ہر بات کی دلیل
 قرآن یا حدیث صحیح سے بتلا دیجئے اور قیاس کا کچھ اعتبار نہ کیجئے۔

سوال دوم | ما قولكم رحمكم الله في امرأة ماتت عن
 زوج وام واختين لاب وام واختين لام و
 تركت خمس مائة وخمس روية وخمس آنته حیات وخمس
 يائيات ومكاتبين ثم ماتت امها عن زوج واخت لاب وام
 واختين لام ثم مات زوج هذه الام عن بنتين واخت لاب
 وام واخت لام الا ان احدى البنتين صالحت على السرير وخرجت
 من البين ثم ماتت هذه المصالحة عن زوج وام وسبع
 بنات وتسعة اخوة لام - بيتوا قوجروا -

سَمَمَ

رأيت هذه الاجوبة كلها فوجدتها مملوءة
 من التحقيقات وقد وقع مني فيها شيء من
 المحو والاثبات
 محمد ناظر حسن عفى عنه

المجيب
 مير محمد طالب علم مدرس حنفية
 مير محمد واقع محل اندر كوت

احقاق حق

تالیف

حضرت مولانا حافظ محمد حبیب اللہ ڈیروی صاحب

ناشر

پیر جی کتب خانہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ أَقْبًا بَعْدًا

برادران اسلام!

فقہائے احناف کا امت مسلمہ پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے مسائل فروعیہ کو اپنی کتابوں میں ترتیب سے جمع کر کے امت مسلمہ کے لیے آسانی پیدا کر دی اور یہ ثابت کر دیا کہ اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے خصوصاً امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہادی و قیاسی مسائل جو قرآن و حدیث سے مستنبط ہیں امت کے لیے احسانِ عظیم ہے۔ دنیا و آخرت کے تمام مسائل کا حل اسلام کے اندر موجود ہے جب کہ کیونٹ لوگ اسلام کو عالم گیر مذہب تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ حالانکہ مسائل اجتہادیہ و قیاسیہ کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں چنانچہ غیر مقلدین حضرات کے ایک مسلم عالم مولانا ابراہیم سیالکوٹی فرماتے ہیں: ”اور کوئی صاحب علم جو نصوص قرآن و حدیث پر بالغ نظر رکھتا ہو اور اس کو خدا نے علومِ خادِمہ میں سے بھی کافی حصہ دیا ہو اور طبع کی سلامتی اور اصابت رائے کی نعمت بھی بخشی ہو اس تقسیم سے گریز نہیں کر سکتا ورنہ نصوص کی عدم رعایت سے (معاذ اللہ) شریعت مہمل و بے کار سمجھی جائے گی اور بصورتِ فقدانِ نص اجتہاد کی ضرورت کو تسلیم نہ کرتے ہوئے شریعت اسلامی عالم گیر اور قائمِ قیامت قائم نہ جانی جائے گی اور یہ دونوں باتیں درست نہیں۔ نیز یہ کہ فقہ حنفی میں کتاب ہدایہ میں مسائل فقہیہ کی اسناد میں روایات سے جو ثبوت پیش کیا ہے اور ان کی تائید میں اصولی و معنوی باتیں سمجھائی ہیں۔ اس میں امام برہان الدین مرغینانی مصنف ہدایہ کی سعی معاذ اللہ بے سود گئی جائے گی اور یہ بات سوئے کسی جاہل اور بے سمجھ کے کون کہے گا خدا و اللہ

الہادی (تاریخ اہل حدیث ص ۱۱۹ تا ۱۲۰) حتی کہ غیر مقلدین حضرات کے شیخ النکل سید نذیر حسین صاحب دہلوی کی سوانح الحیاۃ بعد الممات ص ۲۷۴ ناشر المکتبۃ الاثریہ ساونگلہ بل ضلع شیخوپورہ میں ہے۔ ”در اکثر مسائل قیاسیہ مختار امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ معمول سے وارند“ (ترجمہ) شیخ النکل مسائل قیاسیہ میں اکثر امام اعظم ہنبلیہ کے پسند کردہ مسلک کو اختیار کرتے تھے۔

اس لیے بعض غالی قسم کے غیر مقلدین کا فقہ حنفی پر اعتراض کرنا اور اس سے نفرت دلانا دراصل کیونسٹ ذہن کے لوگوں کی اتباع و تقلید ہے۔ پہلے زمانہ میں رافضی فرقے کے لوگ بھی فقہ حنفیہ پر اعتراض کرتے تھے اور اب بعض غالی اور متعصب قسم کے غیر مقلد اس جھوٹے پروپیگنڈے میں دن رات منہمک ہیں اور سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں میں شیطانی وسوسوں و شکوک و شبہات ڈالنے میں مصروف کار ہیں، فقہ حنفی میں بعض مسائل کے کمزور ہونے سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ فقہ حنفی کا تمام ذخیرہ معاذ اللہ بے کار ہے جس طرح حدیث شریف کی کتابوں میں بعض جھوٹی و من گھڑت روایتوں کے درج ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ معاذ اللہ حدیث پاک کا سارا ذخیرہ سبے کار و ناقابل عمل ہے جب کہ منکرین حدیث اسی اصول سے کام چلا کر حدیث شریف کے سارے ذخیرہ کو رد کرتے ہیں اور یہی اصول بعض غیر مقلدین حضرات نے اپنے بھائیوں سے لے کر فقہ حنفی کے تمام ذخیرہ سے اعتماد اٹھانے کے لیے استعمال کیا ہے راقم الحروف تفصیل میں جانا نہیں چاہتا کیوں کہ مقدمۃ الکتاب کے چند اوراق اس کی گنجائش نہیں رکھتے۔ اس لیے اب غیر مقلدین کے ان چند اعتراضات کا جواب دیا جاتا ہے جو وہ فقہ حنفی پر کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی ناجائز کاروائی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱:

فقہ حنفی پر اعتراض کرتے ہوئے مولوی یوسف جے پوری لکھتے ہیں:

”جانور سے جماع کرنے پر حد نہیں آتی۔“

در مختار جلد ۲ ص ۴۱۴، عالمگیری ج ۲ ص ۶۷۳، بدایہ ج ۲ ص ۴۵۸، شریع وقایہ ص ۳۳۱، کنز ص ۱۹۲۔ (حدیث میں ہے کہ اس شخص اور جانور کو قتل کر دیا جائے) حقیقۃ الفقہ ص ۱۶۹۔

الجواب:

جانور کے ساتھ بد فعلی کرنا حرام ہے مگر اس کو زنا نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ زنا انسانی جنس سے ہوتا ہے اگر شادی شدہ انسان زنا کا ارتکاب کرے تو اسے رجم (سنگ سار) کیا جائے اگر غیر شادی شدہ زنا کا ارتکاب کرے تو اسے سو کوڑے مارے جائیں مگر لیکن اگر کوئی بد فطرت اور بد بخت انسان جانور کے ساتھ بد فعلی کرے تو اس پر زنا کی حد جاری نہ کی جائے گی اور فقہ کی کتابوں میں جس طرح یہ مسئلہ موجود ہے بعینہ یہی مسئلہ حدیث شریف کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ مثلاً مشکوٰۃ شریف ص ۳۱۳ و ترمذی شریف ص ۲۷۰ (ابواب الحدود) ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۶۵ (ابواب الحدود) میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”جو شخص جانور کے ساتھ بد فعلی کرے تو اس پر حد نہیں“ باقی اس کا یہ مطلب لینا کہ زنا کی حد نہیں تو یہ فعل جائز ہوا۔ یہ نری حماقت ہے دیکھیے گندگی کھانا اور خنزیر کھانا شرعاً حرام ہیں مگر کھانے والے پر شرعاً کوئی حد مقرر نہیں ہے اور فقہ کی کتابوں میں صراحۃً موجود ہے کہ جانور کے ساتھ وطی کرنے والے کو تعزیر لگائی جائے یعنی سخت سزا دی جائے جس کا ذکر مولف حقیقۃ الفقہ نے چھپوڑ دیا ہے اور خیانت کا ارتکاب کیا ہے اور ان لوگوں کی ساری زندگی ہی جھوٹ بولنے میں صرف ہو جاتی ہے اور تعزیر کے طور پر جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے والے بد فطرت انسان کو حاکم وقت قتل کر دے جیسا کہ ترمذی شریف کی ایک روایت میں آتا ہے کہ بد فعلی کرنے والے انسان اور جانور جس کے ساتھ بد فعلی کی گئی ہے دونوں کو قتل کر دیا جائے معلوم ہوا کہ یہ قتل تعزیراً ہے۔

غیر مقلدین حضرات کے امام قاضی شوکانی صاحب لکھتے ہیں: *ويعزور من فكح بهيمة* (الدرر البهيمة)، (ترجمہ) اور تعزیر لگائی جائے اس شخص کو جو جانور کے ساتھ بد فعلی کرے۔
 ہے اس کی شرح میں غیر مقلدین حضرات کے مجدد نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد لکھتے ہیں
 وقد وقع الاجماع على تحريم ايمان البهيمة۔ (الروضة النديه شرح الدر
 البهيمة ص ۳۶۱) (ترجمہ) ”اور تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جانور کے ساتھ بد فعلی کرنا
 حرام ہے۔“

آگے لکھتے ہیں:

ووجه ما ذكرنا من التعزير انه فعل محرماً مجمعا عليه فاستحق العقوبة
 بالتعزير وهذا اقل ما يفعل به (الروضة النديه ص ۳۶۱)

ترجمہ: اور جو وجہ تعزیر کی ہم نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ باجماع مسلمین یہ فعل حرام ہے
 پس ایسا شخص مستحق تعزیر ہے اور گھٹ درجہ کی سزا ہے جو اس شخص کو دی جائے گی۔“
 اور غیر مقلدین حضرات کے علامہ وحید الزمان نے بھی نزل الابرار میں تعزیر کا ذکر کیا ہے کیا
 اس کا یہ مطلب سمجھا جاسکتا ہے کہ قاضی شوکانی، نواب صدیق حسن خاں، علامہ وحید الزمان
 غیر مقلدین جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح فقہ و
 حدیث کی کتابوں میں حد کی نفی سے اس فعل کو جائز سمجھ لینا بہت بڑی خیانت و حماقت ہے۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی کر کھلا

اعتراض نمبر ۲:

مواوی صاحب موصوف لکھتے ہیں: ”رضاعت امام ابو حنیفہ بیسے کے نزدیک اذہائی برس
 ہے نور مختار ج ۲ ص ۸۱، شرح وقایہ ص ۲۶۱، قدوری ص ۷۰۔ (صریح نص والواقعات

يُرَضَّعْنَ أَرْبَعًا حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ کے خلاف ہے۔ (حقیقۃ الفقہ ص ۱۶۷۔)

الجواب:

امام اعظم رحمہ اللہ کی دو روایتیں ہیں، ایک اڑھائی سال کی اور ایک دو سال کی۔
دیکھیے زاد المعاد لابن القیم رحمہ اللہ ج ۲ ص ۳۳۰ بحوالہ فتح المبین ص ۲۰۵ اور فتویٰ دو سال
والی روایت پر ہے۔ دیکھیے فتح الشدیر و شمائی وغیرہا۔

اور قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ج) مدت رضاعت کی دو سال ہے۔ علی الاصح المصنفی بہ۔ (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۸۵)
اس مسئلہ کی مزید تفصیل فتح مبین ص ۱۹۶ تا ۲۰۵ میں دیکھیں۔ البتہ امام صاحب رحمہ اللہ کی
دوسری روایت جس میں مدۃ رضاع کی اڑھائی سال کا ذکر ہے تو وہ بھی قرآن مجید کی پیش
کردہ نص کے مخالف نہیں ہے کیوں کہ وَالْوَالِدَاتُ يُرَضَّعْنَ (الایۃ) میں ان عورتوں کا
بیان ہے جن کو خاوندوں نے طلاق دے دی ہے وہ اپنے بچہ کو اگر دودھ پلائیں تو ان کو دو
سال کامل تک نان و نفقہ دینا خاوند سابق کے ذمہ لازم ہے اس کے بعد بھی وہ عورتیں اگر
دودھ پلائیں گی تو خاوند کے ذمہ خرچہ نہیں ہوگا۔ چلو اگر ہم مان بھی لیں کہ آپ کی بات کے
مطابق امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس آیت کی مخالفت کی ہے تو یہ صرف چھ ماہ کی مدت کی
مخالفت ہوگی۔ جب کہ آپ کے امام قاضی شوکانی صاحب لکھتے ہیں: "و یجوز ارضاع
الکبیر ولو کان ذالحمیۃ لتجویز النظر" (الدر البیہ ص ۱۵۸ مع الروضة الندیہ)

ترجمہ: بڑے کو دودھ پلانا بھی جائز ہے اگر وہ ڈاڑھی والا ہو، تاکہ اس دودھ پلانے والی
عورت کی طرف دیکھنا جائز ہو جائے۔

لکھیے جناب یہاں تو قصہ ہی کچھ اور ہو گیا ہے کہ بوڑھے اور نوجوان ڈاڑھی والے غیر مقلد
بہت عورتوں کے پستانوں کو اپنے منہ میں لے کر چوسنا اور دودھ چینا شروع کر دیں تو یہ دودھ

پینا بھی حلال اور عورتوں کی طرف دیکھنا بھی حلال کیوں کہ وہ ان کی رضاعی ماں میں ہو گئی ہیں۔ فلہذا غیر مقلدین کے نزدیک مدۃ رضاع کی کوئی حد مقرر ہی نہیں۔ اور قرآن کی مخالفت جائز ہے۔ (معاذ اللہ)

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنانا بن اپنا تو بن

اعتراض نمبر ۳:

ابواب البیوع تقریر ترمذی میں خیار کے مسئلہ میں تفریق بالابدان اور تفریق بالاقوال پر بحث کرتے ہوئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: المحقق والانصاف ان الترجیح للشافعی فی هذه المسئلة ونحن مقلدون يجب علينا تقليد امامنا ابي حنيفة۔ (تقریر ترمذی ص ۴۰ مولوی مسافر خانہ کراچی)

ترجمہ: ”کہ حق والانصاف یہ ہے کہ اس مسئلہ پر ترجیح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو ہے لیکن ہم مقلد ہیں اس لیے ہم پر اپنے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید واجب ہے۔“

(نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت ہے ص ۲۵)

الجواب:

تقریر ترمذی کے لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے مصنف حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نہیں بلکہ اس کی ترتیب دینے والا کوئی شاگرد ہے اور خود اس شاگرد نے ابتداً تقریر ترمذی میں اپنے شیخ حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ادب و تعظیم کے القاب کے ساتھ کیا ہے۔ لیکن اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ راقم الحروف نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف سوانح دیکھی ہیں۔ ان میں اس تقریر ترمذی کا جامع معلوم نہیں ہو سکا۔

پھر عبارت میں بھی تعارض ہے۔ پہلے یہ عبارت بھی موجود ہے

”فمن لا يرتكب خلاف الحديث بل يخالف قياس الشافعي وقياسه

ليحججنا علينا“ (تقریر ترمذی)

ترجمہ: پس ہم حدیث کی مخالفت کا ارتکاب نہیں کرتے بلکہ امام شافعیؒ کے قیاس کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کا قیاس ہم پر حجت نہیں ہے۔

اب اس عبارت کو اور مابعد والی عبارت کو جو استراض کے ضمن میں ذکر کی گئی ہے ملایا جائے تو دونوں عبارتوں میں صریح تعارض ہے پس ثابت ہوا کہ یہ شاگرد حضرت شیخ الہندؒ کی عبارت کو صحیح طور پر نوٹ نہیں کر سکا۔

حضرت شیخ الہندؒ کے دوسرے شاگرد مولانا عبد الحفیظ بلیاویؒ ہیں جنہوں نے اردو میں ”تقاریر حضرت شیخ الہند قدس سرہ“ کے نام سے کتاب مرتب کی ہے۔ اور اس کے صفحہ ۱۳۳ پر اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے۔ مگر یہ بات حضرت شیخ الہندؒ سے نقل نہیں کی جو تقریر ترمذی عربی والی میں موجود ہے۔

ایک اور ثبوت ملاحظہ ہو:

رفع یدین کے مسئلہ میں ہے: ان رفع الیدین کان مشروعاً فی اول الاسلام ثم مسح شیئاً فشیئاً۔ (تقریر ترمذی عربی)

ترجمہ: ”بے شک رفع یدین ابتدائے اسلام میں مشروع تھا پھر تھوڑا تھوڑا ہو کر منسوخ ہوتا رہا۔“

حالانکہ یہ نظریہ حضرت شیخ الہندؒ کی اپنی ذاتی کتاب کے خلاف ہے۔ چنانچہ ایضاً ازالہ ۱۴ میں ہے۔ ہماری اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ ہم احادیث ترک رفع کو ناجائز احادیث رفع نہیں کہتے بلکہ احادیث رفع میں موجودہ و احتمال بقاء رفع و نسخ رفع موجود تھے

ان میں سے ایک احتمال کو احادیث ترک نے رائج کر دیا ہے اس پر بھی جو آپ ہم سے دلیل نسخ رفع طلب کرتے ہیں۔ یہ آپ کی خوش فہمی ہے ہمارے مدعا کو ثبوت نسخ پر موقوف سمجھنا اور ہم کو خواہ مخواہ مدعی نسخ قرار دینا اپنے ہی اجتہاد کو بٹالانا ہے۔ (آھ بلفظہ)

اعتراض نمبر ۴:

حضرت شیخ البند بسید نے ایضاح الاولہ ص ۹۷ میں قرآن کی آیت غلط لکھی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: یہ ارشاد ہوا: فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ وَاللَّيْ أُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔۔۔ الخ وَاللَّي أُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔ یہ آیت میں اضافہ ہے اور تحریف یہودی لوگ کرتے ہیں۔

الجواب نمبر ۵:

حضرت شیخ البند بسید کی عبارت سے نظر آتا ہے کہ یہ غلطی کاتب سے ہوئی ہے۔ چنانچہ اصل عبارت ملاحظہ ہو: ”اسی طرح پر اطاعت انبیائے کرام علیہم السلام و جملہ اولی الامر بعینہ اطاعت خداوند جل جلالہ خیال کی جائے گی اور متبعین انبیاء کرام اور دیگر اولوالامر کو خارج از اطاعت خداوندی سمجھنا ایسا ہوگا جیسا متبعین احکام حکام ماتحت کو کوئی کم فہم خارج از اطاعت حکام بالادست کہنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ارشاد ہوا: فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ وَاللَّي أُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ اور ظاہر ہے کہ اولوالامر سے مراد اس آیت میں سوائے انبیاء کرام علیہم السلام اور کوئی ہیں۔ سو دیکھیے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء و جملہ اولی الامر واجب الاتباع ہیں۔ (ایضاح الاولہ ص ۹۷ ناشر فاروقی کتب خانہ ملتان) اس عبارت میں حضرت شیخ البند بسید نے آیت پیش کرنے سے پہلے چار مرتبہ اطاعت کا لفظ لکھا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت شیخ البند بسید یہ آیت پیش کرنا

یہ ہے تھریٹائیٹھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم
(اے ایمان والو! اللہ ورسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے اولی الامر ہوں) مگر کاتب
نے آیت کا پہلا حصہ چھوڑ کر نیچے والی آیت جس میں فیان تنازعتم فی شئ فودوہ
الی اللہ موجود تھا ان الفاظ کو نیچے والی آیت سے اٹھا کر اوپر والی آیت میں لگا دیا جس کی
وجہ سے آیت لکھنے میں غلطی واقع ہو گئی ہے۔

جواب نمبر ۲:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں ان الفاظ کا ہونا، اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ
حضرات انبیاء و جملہ اولی الامر واجب الاتباع ہیں۔ یہ دلیل ہے اس امر کی کہ آپ نے
اطاعت خداوند اور رسول اور اولو الامر والی آیت پیش کی ہے جس میں اطیعوا امر کا صیغہ ہے۔

جواب نمبر ۳:

یہ ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اسی کتاب میں یہ آیت درست لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو:
قاضی کا بحکم آیت اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم نامہ خداوندی ہونا
نماہر اور حقیقت شناسان معافی کے نزدیک ارشاد واجب الانقیاد۔ (ایضاح الاولہ ص ۲۵۶)
ان دلائل سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پر الزام لگانا بددیانتی کی بدترین مثال ہے
اور پھر بعض بد بخت غیر مقلدین کا اپنی طرف سے صغریٰ اور کبریٰ ملا کر نتیجہ نکالنا اور حضرت
شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی ذات مقدسہ کو مطعون کرنا زری حماقت و خباثت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اللہ
تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو حاسدین و مفسدین کے شر سے بچائے۔ (آمین!)
غیر مقلدین حضرات کے شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد صاحب لکھتے ہیں ”کاتب معصوم نہیں
ہوتے غلطیاں کرتے ہیں“ (خیر الکلام ص ۷۷)

غیر مقلدین حضرات کے بزرگوں نے اپنی کتابوں میں بہت سی آیات قرآنیہ غلط لکھی ہیں مگر غیر مقلدین نے ان کو کبھی بھی محرف قرآن اور یہودی نہیں کہا۔ شاید کہ غیر مقلدین کے مذہب میں ان کے بزرگوں کے لیے قرآنی آیات میں تحریف کرنا جائز اور دوسروں کے لیے ناجائز ہوگا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

مثال کے طور پر نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد کی کتابوں میں سے بغیۃ الرائد فی شرح العقائد کو لے لو اس میں تقریباً دس یا گیارہ آیات غلط لکھی ہوئی موجود ہیں۔ ملاحظہ بغیۃ الرائد ص ۱۳، ۱۹، ۴۲، ۵۴، ۵۹، ۶۵، ۸۹، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۶ ناشر ادارہ احیاء السنۃ گرجا کہ گوجرانوالہ۔ نواب صاحب کی دوسری کتاب نزل الابرار کو لے لو اس میں بھی تقریباً چھ آیات قرآنیہ غلط لکھی ہوئی موجود ہیں مثلاً نزل الابرار ص ۳۳، ۱۳۹، ۱۵۰، ۱۵۳، ۲۲۵، ۲۵۱۔ نواب صاحب کی تیسری کتاب الروضۃ الندیہ کہ لے لیں اس میں بھی کئی آیات غلط لکھی ہوئی موجود ہیں۔ مثلاً دیکھیے ص ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۶، ۱۵۵، ۱۵۶، ۲۳۲، ۳۰۸ مطبع خلوی ہند۔

اسی طرح غیر مقلدین حضرات کی دوسری کتابوں میں بھی بہت سی آیات قرآنیہ غلط لکھی ہوئی موجود ہیں جو ہمارے پیش نظر ہیں مگر غیر مقلدین نے کبھی بی اپنے بزرگوں کو محرف قرآن اور یہودی نہیں کہا۔ حتیٰ کہ بعض آیات قرآنیہ حدیث شریف کی کتابوں میں بھی غلط لکھی ہوئی موجود ہیں مثلاً مشکوٰۃ شریف، ابوداؤد شریف، بخاری شریف مگر غیر مقلدین نے کبھی بھی ان محدثین کرام کو محرف قرآن اور یہودی نہیں کہا۔

اعتراض نمبر ۵:

غیر مقلدین حضرات کے مشہور فتنہ پرور عالم حافظ محمد یوسف صاحب سچے پوری لکھتے ہیں: ”مرد انتہائے مغرب میں ہو اور عورت انتہائے مشرق میں اتنے فاصلہ پر کہ دونوں کے درمیان سال بھر کی دھواں ہو کسی طرح ان کا نکاح کر دیا گیا اگر بعد تاریخ نکاح کے عورت چھ

میں بچہ جنے تو یہ بچہ ثابت النسب ہوگا، حرامی نہ ہوگا بلکہ یہ اس مرد کی کرامت تصور کی جائے گی۔ (در مختار ج ۲ ص ۱۴۰، حقیقۃ الفقہ ص ۱۶۷)

الجواب:

مواوی صاحب موصوف نے حدیث شریف سے تاواقیفیت کی بنا پر یا فقہ حنفی سے ضد و عناد کی بنا پر یہ اعتراض کیا ہے حالانکہ مشہور حدیث میں نبی کریم ﷺ کے یہ الفاظ بطور ضابطہ کلیہ کے موجود ہیں **الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَالْمَعَاهِرِ الْحَبَرُ** (ترجمہ) بچہ بچھونے کا ہے اور زانی کو سنگسار کیا جائے گا۔ یعنی بچہ والد کا ہوگا کیوں کہ عورت اس کا بچھونا ہے اور زنا کار کی طرف بچہ منسوب نہیں کیا جاسکتا بلکہ زانی کو پتھروں سے سنگسار کیا جائے گا۔ اس ضابطہ کے تحت فقہ حنفی کا مسئلہ بے غبار ہے اس میں عقلی احتمال کو دخل دینا دراصل شریعت کی تکذیب کرنا ہے۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ نے جو تاویلات اختیار کی ہیں کہ ممکن ہے کرامت کے طور پر اپنی بیوی کے پاس آیا ہو وغیرہ وغیرہ دراصل یہ تاویلات حدیث شریف کے ضابطہ کی تائید میں نقل کی ہیں اگر یہ تاویلات اختیار نہ کی جائیں تب بھی حدیث شریف کے اس ضابطہ کے تحت اس بچہ کو حرامی نہیں کہا جاسکتا جب کہ خاص کر زنا کا کوئی ثبوت بھی نہیں اگر ثبوت ہو جائے تب نجس الولد للفراش کے ضابطہ کے مطابق بچہ حرامی نہیں ہے۔

غیر مقلدین حضرات کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص ۱۷۱ میں ہے۔ طلاق کے بعد عدت میں کسی غیر نے وطی کی تو لڑکا خاوند کا ہوگا۔ الولد للفراش۔

نبیجیہ جناب! غیر مقلدین حضرات کے ہاں عدت میں بھی کسی غیر کے زنا کرنے کا ثبوت نہ ہوئے تب بھی وہ بچہ حرامی نہیں بلکہ اپنے باپ کا شمار کیا جائے گا تو نکاح کی حالت میں تو طہریتہ اولیٰ حرامی نہیں ہو سکتا۔ ہاں خاوند اگر بچہ کے نسب کا انکار کرے اور کہے کہ یہ بچہ میرا

نہیں ہے تو پھر شریعت نے خاوند بیوی کے درمیان لعان کرنے کا حکم دیا ہے۔ لعان سے بعد وہ بچہ خاوند کا نہیں ہوگا لیکن ماں کا وارث بنے گا اور ماں اس کی وارث بنے گی۔

حدیث شریف میں ہے: **المرأة تحوز ثلثة موارث عتيقها ولطيقتها وولدها الذي لاعنت عنه** (رواہ الترمذی ج ۲ ص ۳۲ ابواب الفرائض) عورت قمن میراثوں کو جمع کرتی ہے۔ (۱) آزاد کردہ غلام کی میراث۔ (۲) اور لقیط (گرا ہوا اور وارث بچہ) (۳) اور وہ بچہ جس کی وجہ سے لعان کیا ہے عورت نے۔

اس دوسرے ضابطہ سے جو حدیث پاک سے ثابت ہے معلوم ہوا کہ بچہ کے نسب کا انکار خاوند کرے تو وہ بچہ ثابت النسب نہ ہوگا۔ اگر خاوند انکار نہ کرے تو وہ بچہ ثابت النسب ہے ہاں اگر کوئی غیر مقلد شریعت محمدیہ علیہ السلام کا انکار کرتا ہے تو یہ اس کی اپنی بد نصیبی ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلفہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ آمین

حافظ محمد حبیب اللہ ڈیروی عنفا اللہ عنہ، ۷ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ، ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۸ء

تصانیف مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین عصفہ اوکاڑوی مدظلہ

قیمت	نام کتاب
۶—۰۰	تحقیق مسئلہ تقلید
۱۵—۰۰	تحقیق مسئلہ قرآنہ خلف الامام
۱۰—۵۰	تحقیق مسئلہ آئین
۷—۵۰	تحقیق مسئلہ رفع یدین
۹—۰۰	تحقیق مسئلہ تراویح
۳—۰۰	نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا
۶—۰۰	سرد اور عورت کی نماز میں فرق
۶—۰۰	نماز کے متعلق غیر مقلدین کے جھوٹ اور غلط بیانیوں
۶—۰۰	غیر مقلدین کی فقہ کے دو سو مسائل
۹—۰۰	غیر مقلدین سے دو سو سوالات
۷—۵۰	نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی شرعی حیثیت
۱—۰۰	مسائل قربانی کے متعلق غیر مقلدین سے اکتالیس سوالات
۶—۰۰	تاریخ غیر مقلدیت
۳—۰۰	بچاس ہزار روز پہلے انعام کی حقیقت
۳—۰۰	غیر مقلدین کے سوالات اور اعتراضات کے جوابات
۷۵—۰۰	مجموعہ رسائل (۱۳ کتابوں کا مجموعہ)
۱۲—۰۰	فتح المقلدین (حصہ اول) مناظرہ ہارون آباد

تصانیف حضرت مولانا حافظ محمد حبیب اللہ ڈیرہ صاحب

قیمت	نام کتاب
۴۰۰۰	نور الصباح فی ترک رفع یدین بعد الافتتاح
۱۵۰۰	اظهار التحسین فی اخفاء التامین
۴۰۰۰	ہدایہ علماء کی عدالت میں بجواب ہدایہ عوام کی عدالت میں
۱۵۰۰	قربانی کے صرف تین دن ہیں
	احقاقِ حق
۴۰۰۰	قرحق برصاحب ندائے حق
۵۰۰۰	ضرب المہند علی القول المسند
۶۰۰۰	حالات و کمالات اعلیٰ حضرت بریلوی
۶۰۰۰	کو ا حلال ہے بریلوی حضرات کا فتویٰ
۶۰۰۰	نذر بغیر اللہ حرام ہے۔ بریلوی حضرات کا فتویٰ
زیر ترتیب	بریلوی حقائق

تائید الحقیقہ

جمع و ترتیب

پیر جی سید مشتاق علی شاہ

ناشر

مکتبہ فاروقیہ ۸ کوئٹہ گڑھ گوجرانوالہ پاکستان

اعترض | ڈبر یا فرج میں انگلی داخل کی خشک نکلی تو روزہ فاسد نہیں۔
درمختار ص ۵۱۱، عالمگیری ص ۲۹۱، ہدایہ ص ۸۹۳، بہشتی زیور حصہ سوم ص ۱۳۰
(حقیقت الفقہ ص ۲۲۹ مسئلہ ۳۹۸ باب کتاب الصوم)

الجواب | یہ مسئلہ قرآن کی کس آیت یا حدیث کے خلاف ہے۔ اگر غیر مقلدین کے
نزدیک ایسا کرنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے تو ہمت کر کے قرآن حکیم
یا حدیث سے ثبوت پیش کریں اور ذرا اپنے گھر کی بھی خبر لیں۔ آپ کے علامہ وحید الزمان
غیر مقلد لکھتے ہیں: ”اگر مرد نے اپنی انگلی ڈبر میں داخل کر دی تو روزہ نہیں ٹوٹا۔ اگر
عورت نے اپنی انگلی اپنی شرم گاہ میں داخل کر دی تو روزہ نہیں ٹوٹا۔“
(نزل الابرار من الفقہ نبی المختار ص ۲۲۹)

اعترض | سوتی عورت یا مجنونہ سے جماع کیا گیا تو روزے کا کفارہ نہیں۔
درمختار ص ۵۱۵، ہدایہ ص ۹۳۴، کنز الدقائق ص ۸۷، مالابدنہ ص ۵۳
بہشتی زیور حصہ اول ص ۱۵۔ (حقیقت الفقہ ص ۲۱۶ مسئلہ ۲۰۷ کتاب الصوم)

الجواب

فریب کاری اور تدلیس کی حد ہو گئی۔ معلوم ہوتا ہے غیر مقلدین کے مذہب

میں حیا و شرم کوئی بڑی چیز نہیں ہے کتنا سچا ارشاد گرامی ہے :
 اب ما ادراك من كلام النبوة الاولى اذالم

تستحي فاصنع ما شئت او كما قال - (بخاری)

نہیں آپ کے سامنے ہدایہ سے مسئلہ کی اصلی صورت پیش کرتا ہوں۔ اس
 سے بعد آپ لوگ اندازہ لگا سکیں گے کہ مشہر نے حیا و شرم و دیانت کو بالائے
 رکھ کر اس کو کیا سے کیا کر دیا۔ ہدایہ کے اصلی الفاظ یہ ہیں :

واذا جومت النائبة والمجنونة وهما صائفة

عليها القضاء دون الكفارة - ص ۲۲۷

ترجمہ : یعنی جب سونے والی یا دیوانی عورت سے اس حال میں کہ وہ عورت

روزے سے ہی جہاد کر لی جاوے تو عورت پر روزے کی قضا واجب ہے،

کفارہ نہیں ؟

اس میں مصنف نے یہ خیانتیں کی ہیں :

۱۔ اس نے ظاہر کیا ہے کہ مرد پر کفارہ نہیں ہے حالانکہ ہدایہ میں کفارہ واجب
 نہ ہونے کو مرد کے متعلق نہیں کہا گیا ہے۔ (علیہا کی ضمیر مؤنث آنکھیں کھول کر دیکھئے)

۲۔ عورت پر صرف کفارہ واجب نہیں ہے، قضا واجب ہے۔ مگر مشہر نے
 ظاہر نہیں کیا ہے۔ اگر مشہر یہ کہے کہ میں نے یہ کب کہا ہے کہ یہ مرد کا حکم ہے ؟ تو
 اس سے کہا جائے گا کہ تمہارے اس جملہ کا کیا مطلب ہے جو تم نے لکھا ہے کہ :

"روزے کی حالت میں بھی منہ اڑاؤ ؟ اگر اس میں عورت سے خطاب ہے
 تو تمہاری حد سے بڑھی ہوئی بے غیرتی و بے حیائی کے علاوہ اس میں یہ خرابی ہے کہ
 مجنون اور سونی عورت سے خطاب صحیح نہیں ہے۔ پھر اس غریب نے کیا خطا کی
 تھی کہ اس کو نشانہ تعریف بنایا جا رہا ہے۔ مگر حال ان وجوہ کے علاوہ اور چہ نہ

وجہ سے بھی اس جملہ میں عورت کو مخاطب قرار دینا صحیح نہیں ہے پس لامحالہ مرد
مخاطب ہوگا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تم نے اس حکم کو مرد کا حکم ظاہر کیا ہے
جو ہر امر خلاف دیانت ہے۔ علاوہ بریں اگر یہ فریب کاری تمہارا مقصود نہ ہوتی تو تم
کو کیا غرض پڑی تھی کہ ہدایہ کے لفظ علیہا کو نظر انداز کرتے ہوئے اس مسئلہ کو ہدایہ
سے نقل کرتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صورت مذکورہ بالا میں سونے والی عورت اور
دیوانی پر کفارہ واجب نہیں ہے صرف قضا واجب ہے اور اس سے صحبت کرنے والے
مرد کا حکم ہدایہ میں مذکور نہیں ہے اس کا حکم ردالمحتار، شامی اور الاشباہ والنظائر وغیرہ
میں بصراحت یوں مذکور ہے :

اما الواطی فعليه القضاء دون الكفارة اذ لا فرق بين وطئه

عاقلة او غيرها۔ (شامی ص ۱۱۳)

”لیکن نے صحبت کرنے والے مرد پر قضا و کفارہ دونوں واجب ہیں اس لیے
کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ با عقل و ہوش عورت سے صحبت کرے یا بے عقل
و ہوش سے“

اعتراض ۳ | جو ڈرے میں زنا کے ڈر سے حلق لگائے اور مٹی نکالے
تو امیدِ ثواب ہے۔ ہدایہ ص ۸۹۳

(حقیقۃ الفقہ ص ۱۱۲ مسئلہ ۱۱۲، کتاب الصوم)

الجواب | واسے بے غیرتی! جس مسئلہ کا ہمارے مذہب کی کسی کتاب
میں بھی وجود نہیں ہے اس کو مشترک نے ہدایہ جیسی معروف و مشہور
کتاب کی طرف منسوب کر دیا اور ایسا کرنے سے نہ اس کو خدا کا ڈر مانع ہوا اور نہ رسولی
کے خوف ہی نے باز رکھا۔ مشترک کا دروغ بے فروغ ظاہر کرنے کے لیے میں یہاں
اپنے مذہب کی کتابوں کے دو مسئلے لکھتا ہوں۔

۱۔ در مختار ص ۱۱۳، ص ۱۱۴ جلد ۲ میں ہے :

اواستمنی بکفہ فانزل قضی . (مختصر)
یعنی ؟ روزے دار نے حلق لگا کر منی نکالی تو قضا رکھنا واجب ہے ؟
۲۔ در مختار، شامی ص ۱۰۹ میں ہے :

فلو ادخل ذكره في حائط او نحو حتى امتى
اواستمنی بکفہ بحائل يمنع الحرارة یا شم ایضاً
ویدل ایضاً علی ما قلنا في النبیعی حیث استدلل
علی عدم حله بالكف بقوله تعالى : وَالَّذِينَ هُمْ
لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ - (الایة) وقال فلم یبع
الاستمتاع الا بهما ای بالزوجۃ والامۃ - اھ - فانما

عدم حل الاستمتاع ای قضا بالشهوة بغیرہ - (ص ۱۰۹ خلاصہ)
ترجمہ : اگر عضو مخصوص دیوار یا ایسی ہی کسی چیز میں داخل کر کے منی نکالے یا حلق
لگا کر نکالے۔ چاہے کوئی کپڑا ہی لپیٹ کر ایسا کیوں نہ کیا ہو، جو ہاتھ تک عضو مخصوص
کی گرمی نہ پہنچنے دے تو گنہگار ہوگا اور اس کی دلیل وہ بھی ہے جو زیلعی میں ہے کہ
خدائے پاک نے وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ . . . (الایة) میں صرف بیوی اور
زیر ثرید لونڈی سے ہی یہ خواہش پوری کرنے کی اجازت دی ہے اور کوئی صورت
مباح نہیں کی ہے۔ پس سوائے ان دو صورتوں کے حلق وغیرہ کوئی صورت حلال
نہیں ہے ؟

اور مزید درج ہے :

الاستمناء حرام وفيه التعزیر -
منہ : حلق لگا کر منی نکالنا حرام ہے اور اس پر سزا کی جائے گی ؟

اس کے ساتھ ہی اپنا مذہب بھی ملاحظہ ہو :

(عرف الجاہلی مصنفہ نور الحسن خاں غیر مقلد)

"مشت زنی کرنی (جلق لگانا) یا اور کسی چیز سے منی کو خارج کرنا اس شخص کے لیے مباح ہے جسکی بیوی نہ ہو اور اگر گناہ میں مبتلا ہونے کا خوف ہو تو واجب یا مستحب ہے۔"

اور نزل الابرار میں تو مطلق جلق لگانے کو جائز لکھا ہے۔

ربا جانور سے صحبت کرنے کا مسئلہ تو اس کے متعلق ہماری فقہ کا یہ فیصلہ ہے :

اوجہیمة ... فانزل ... قضی - (در مختار ص ۱۱۳) یعنی؟ اگر جانور

سے صحبت کر کے منی نکالے تو اس پر قضا واجب ہے؟ اور یہ معلوم ہو چکا

ہے کہ ایسا کرنے والا سخت سزا کا مستحق ہے ... بالخصوص روزے کی حالت

میں ایسا کرے تو اور زیادہ سختی کا مستحق ہوگا۔

"روزے دار عورت یا مرد سے اغلام کرے تو روزہ کا کفارہ
اعترض ۴۴ نہیں" ہدایہ ص ۹۰۳

(حقیقۃ الفقہ ص ۲۱ مسئلہ ۱۹ کتاب الصوم، درایت مجددی ص ۵۵)

الجواب | یہ حوالہ بھی غلط ہے اور سراسر جھوٹ ہے۔ ہدایہ میں یہ ہرگز نہیں ہے
اور اگر مادون الفرج کے لفظ سے یہ مطلب پیدا کیا گیا ہے تو مشتر

کی کم علمی اور نادانی ہے۔ چنانچہ فتح القدیر، بنایہ، رد المحتار، در مختار مغرب (افت فقہ)

وغیرہ میں تصریح ہے کہ مادون الفرج سے مراد پاخانہ اور پیشاب کے مقام کے علاوہ

مراد ہے۔ الحاصل حوالہ بالکل غلط ہے اور ہمارے مذہب کا یہ ہرگز مسئلہ نہیں ہے

بلکہ اس صورت میں فقہ حنفی کا یہ حکم ہے کہ ایسے شخص پر قضا و کفارہ دونوں واجب ہیں۔

در مختار ص ۱۱۸ ج ۲ میں ہے :- ان جامع المكلف اد میا المشتہی فی

رمضان اداء نماز اور جمع و توارت الحشفۃ فی احد السبیلین انزل
اولا... قضی و کف۔ (مختص) اور رد المحتار ص ۱۱۸، ج ۲ میں ہے
فی له فی احد السبیلین ای القبل او الہب وهو الصحيح فی
الہب والمختار انه بالاتفاق۔ (خلاصہ) اگر کوئی شخص عورت کے پیشاب
یا پائخانہ کے مقام یا مرد کے پائخانہ کے مقام میں صحبت کرے تو دونوں پر قضا و کفارہ
واجب ہے۔ علامہ شامی نے تصریح کی ہے کہ ہمارے علماء کا باتفاق یہی مذہب
ہے کہ پائخانہ کے مقام پر صحبت کرنے سے کفارہ و قضا دونوں واجب ہوتے ہیں۔
بھگے کتے کی چھینٹوں سے اور اس کے کاٹنے سے کپڑا ناپاک
اعتراض ۵ | نہیں ہوتا۔ رد مختار ص ۱۱۸

(تحقیق الفقہ ص ۲۰۳، مسئلہ ۲۵۴، باب کتے کے متعلق)

الجواب | اس میں کیا قباحت ہے۔ شرعی قباحت ظاہر کرنے کے لیے کسی
آیت یا حدیث کا حوالہ پیش کرنا ضروری ہے۔ شرعی قباحت دکھاتے
ہوئے یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مولوی وحید الزمان نے بھی لکھا ہے کہ اس صورت
میں کپڑا ناپاک نہیں ہوتا۔ نزل الابرار ص ۱۱۸ میں ہے: وَلَا الثَّوْبُ يَنْجَسُ
بِاتِّفَاعِهِ وَلَا بَعْضِهِ وَلَا الْعَصَا وَلَوْ أَصَابَهُ رَتْبٌ۔ یعنی کپڑا یا بدن کا کتے
کی چھینٹوں سے ناپاک نہیں ہوتا۔ نہ کاٹنے سے چاہے اس کا لعاب بھی کیوں نہ
لگ جائے اور یہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ اصح المکتب بعد کتاب اللہ میں اس کی
بابت کیا لکھا ہے۔ مشترک کی اطلاع کے لیے ہم یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ امام
بخاریؒ نے صحیح بخاری کے ایک باب میں یہ فرمایا ہے: وَسُورُ الْكَلَابِ
وَمَعْرَها فِي الْمَسْجِدِ... الخ۔ یعنی اور کتے کے جھوٹے اور اس کے مسجد
میں گزرنے کا باب۔ اس کے بعد امام زہریؒ کا ایک فتویٰ نقل کیا ہے جس کا

مثال یہ ہے کہ کوئی دوسرا پانی موجود نہ ہو، تو اس پانی سے وضو جائز ہے جس میں کتے نہ
 پیا ہو۔ اس مقام پر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: والظاہر من تصرف المصنف انه يقول
 بطلہا رتد۔ (فتح الباری ص ۱۹۱) یعنی امام بخاری کے تصرف سے یہ ظاہر ہے کہ وہ کتے کو
 جھوٹے کو پاک کہتے ہیں۔ امام بخاری نے مذکورہ بالا باب کے متصل ہی دوسرے باب میں یہ
 حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص نے ایک پیاسے کتے کو اپنے موزے سے پانی پلایا اور اس نے
 اس کے اس فعل کو پسند فرمایا۔ اس حدیث کے تحت حافظ ابن حجر لکھتے ہیں استدلال بہ
 المصنف علی طہارۃ سور الکلب (فتح ص ۱۹۲) یعنی امام بخاری نے اس حدیث سے کتے
 کے جھوٹے کی پاکی پر استدلال کیا ہے۔ اس کے بعد شکاری کتے والی حدیث ذکر کر کے ان کو بھی پاک
 پاکی کی دلیل بنایا ہے پس سوال یہ ہے کہ اگر مان بھی لیجئے کہ مسئلہ مذکور ہدایہ ہی میں ہے تو اس کی کیا
 وجہ ہے کہ ہدایہ میں کچھ وینا جرم ہو گیا مگر بخاری میں ہو تو جرم نہیں اور اگر بخاری میں بھی ہونا
 جرم تھا تو پہلے بخاری ہی پر کیوں نہ ماتحت صاف کیا۔ کچھ ہے :

وَعَيْنُ الرُّضَاءِ عَنْ عَيْبِ كَلْبِهِ وَلَكِنْ عَيْنُ السُّخْطِ تَبْدِي الْمَاوِيَا

کتے کے بالوں کا تکیہ بنانے میں مضائقہ نہیں۔ ہدایہ ص ۲۱۱

اعتراض ۷ (حقیقۃ الفقہ ص ۲۵۶، باب کتے کے متعلق)

الجواب اس مسئلہ کی ہدایہ میں کہیں بھی تصریح نہیں لکھنی ہے مشہر سچا ہو تو یہ تصریح دکھا کر
 روپے انعام حاصل کرے فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَكِنْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا النَّارَ اگر مشہر

یہ کہے کہ ہدایہ میں گواہی تصریح نہیں ہے بلکہ ہم نے ہدایہ کے کسی قول سے ان کو نکالا ہے تو ہم
 کہیں گے کہ اس صورت میں اس بات کی تصریح کر دینا ضروری تھا تصریح نہ کرنا درحقیقت صائب ہدایہ پافرا
 اور بہتان ہے جو قطعاً حرام ہے اور ہدایہ کے کسی قول پر یہ اگر تفریع ہو سکتی ہے تو نزل الابرار اور بخاری
 کے محولہ بالا مسئلہ پر بھی تو یہ تفریع جاری ہوگی بلکہ نزل الابرار اور عرف الجادی کے ایک مسئلہ سے تو
 یہاں تک ثابت ہوتا ہے کہ سور کے بالوں کا زار بند بنانا جائز ہے اور تکیہ بنانے میں کوئی حرج نہیں

مولانا محمد یوسف جے پوری غیر مقلد نے حقیقتہ الفکہ مکتا
 اعتراض کے پر ایک عنوان یہ قائم کیا ہے :
 کیا حنفی مذہب میں ولی ہونے ہیں۔

اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

”اکثر حنفی کہا کرتے ہیں کہ ہمارے مذہب کے حق ہونے کی بڑی دلیل

یہ ہے کہ اس مذہب میں ہزاروں اولیاء اللہ ہوتے ہیں اسکا جواب

بگوش دل ملاحظہ ہو، حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کہ جن کو

چاروں مذہب والے بڑا ولی مانتے ہیں وہ صاف اس بات سے

انکار کرتے ہیں چنانچہ طبقات ابن رجب جلد اول میں ہے کہ

قيل للشيخ هل كان لله وليا على غير اعتقاد احمد

بن حنبل فقال ما كان ولا يكون۔ (ترجمہ) حضرت پیران

پیر سے پوچھا گیا کہ حنبلی مذہب والوں کے سوا اور مذہب میں بھی

کچھ ولی ہوتے ہیں یا نہیں۔ فرمایا نہ تو ہوئے ہیں اور نہ ہوں گے“ لہ

احناف کے ساتھ جے پوری صاحب کے بغض و عناد کو ملاحظہ فرمائیے کہ انہیں

احناف کے اندر کسی ولی اللہ کا ہونا بھی گوارا نہیں ہے اور وہ یہ ثابت کرنا چاہتے

ہیں کہ حنفی مذہب میں کوئی ولی نہیں ہوا۔ اور یہ ثابت کرنے کے لیے انہوں نے

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا ایک قول ڈھونڈا ہے لیکن ان کا اس قول

سے استدلال کرنا بالکل غلط ہے فائدہ اور بے کار ہے۔

اولاً :- تو اس لیے کہ جے پوری صاحب کو کوئی حدیث پیش کرنی چاہیے تھی

جس سے ثابت ہوتا کہ حنفی مذہب میں نہ ولی ہوتے ہیں نہ ہوں گے، مذکورہ

لہ محمد یوسف جے پوری - حقیقت الفکہ مکتا

قول توامتی کا ہے اور غیر مقلدین کے ہاں تو اقوال صحابہ و خبیث نہیں چہ جائیکہ دیگر حضرات کے اقوال، اس لیے یہ قول پیش کرنا شانِ تحدیث کو بڑھ لگانے کے مترادف بلکہ بقول غیر مقلدین کے شرک ہے۔

ثانیاً :- جے پوری صاحب نے مذکورہ قول کا ترجمہ بھی انتہائی غلط کر کے لوگوں کو دھوکہ دینا چاہا ہے اس لیے کہ انہوں نے اعتقاد کا ترجمہ مذہب کیا ہے جو غلط ہے، کیونکہ فقہی طور پر مذہب مسلک کے معنی میں ہوتا ہے اور حضرت شیخ کے قول میں اعتقاد سے مسلک ہرگز مراد نہیں بلکہ اعتقاد سے وہ بنیادی عقائد مراد ہیں جن پر کفر و اسلام اور نجات و عذاب کا دار و مدار ہے۔ ظاہر ہے کہ ان بنیادی عقائد میں ائمہ اربعہ باہم متفق ہیں اور ان کا آپس میں کوئی اختلاف نہیں لہذا صحیح ترجمہ یوں ہوگا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے سوال ہوا کیا حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے جو عقائد تھے ان عقائد سے ہٹ کر کوئی ولی ہوا ہے تو آپ نے فرمایا نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ اس ترجمہ کو سامنے رکھیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ معتزلہ، خوارج و روافض کی تردید کر رہے ہیں کہ ان میں نہ ولی ہوا نہ ہو سکتا ہے کیونکہ وہ امام احمد کے عقائد سے ہٹے ہوئے تھے نہ کہ ائمہ اہل سنت کے متبعین کی۔ براہِ عدم تعلید کا یہ انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔

ثالثاً :- اگر جے پوری صاحب کے ترجمے کے مطابق حضرت شیخ کی عبارت کا مطلب وہی ہے جو جے پوری صاحب سمجھانا چاہتے ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ حنبلیوں کے سوا۔ مانکیوں اور شافعیوں میں بھی کوئی ولی نہ ہوا ہو: جے پوری صاحب کے حواری سوچ کر جواب دیں کیا وہ یہ کہنے کے لیے تیار ہیں؟ یاد رہے کہ جے پوری صاحب کا صرف حنبلیوں میں اولیاء ماننا یہ اس بات کا

اقرار کرنا ہے کہ غیر مقلدین میں بھی نہ کوئی ولی ہوا ہے نہ ہوگا کیونکہ غیر مقلدین جس طرح امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے مقلد نہیں ہیں اسی طرح وہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بھی مقلد نہیں ہیں لہذا غیر مقلدین خود اپنی زبان سے اقراری ہو گئے کہ نہ ان میں کوئی ولی ہوا ہے نہ ہوگا۔

رابعاً :- جے پوری صاحب کا احناف میں دلیوں کا انکار کرنا سورج کی روشنی میں دن کا انکار کرنے کے مترادف ہے، سب جے پوری صاحب کے حواریین سوچ کر جواب دیں کہ

(۱) حضرت ابراہیم ادبیم لمبجی، حضرت شقیق لمبجی، حضرت بشر عافی، حضرت داود طاقی رحمہم اللہ، حضرت امام صاحب کے شاگرد یہ اولیاء تھے یا نہیں؟
(۲) حضرت علی بھوری، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت خواجہ فرید الدین، حضرت خواجہ نظام الدین، حضرت علاؤ الدین صابر کلیری، حضرت ہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمہم اللہ جو سب کے سب حنفی تھے یہ اولیاء تھے یا نہیں؟

(۳) حضرت مجدد الف ثانی، ان کے صاحبزادگان اور ان کے خلفاء حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادگان جو سب حنفی تھے یہ اولیاء تھے یا نہیں؟
املازہ فرمائیے جے پوری صاحب کی ذہنیت کا، کہتے ہیں آئینہ میں اپنا ہی منہ نظر آتا ہے، چونکہ غیر مقلدین میں کوئی ولی اللہ نہیں ہے اس لیے انہیں احناف میں بھی اولیاء نظر نہیں آتے۔

قارئین محترم! ہم نے ”حقیقت الفقہ“ کے جن چند حوالوں کا تجزیہ کیا ہے جے پوری صاحب نے اپنی کتاب کے دو حصے کئے ہیں۔ پہلے حصے میں فقہ حنفی کے وہ مسائل درج کئے ہیں جو ان کے زعم

میں قرآن و حدیث کے خلاف ہیں۔ دوسرے جتنے ہیں وہ مسائل درج کئے ہیں جو ان کے خیال میں قرآن و حدیث کے موافق ہیں، لیکن ان دونوں جہتوں میں جے پوری صاحب نے انتہائی خیانت اور بددیانتی سے کام لیا ہے، عبارات میں کتر بیونت کی ہے اور مطالب غلط اخذ کئے ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ جن کتب کے حوالے دیئے ہیں ان کی اصل عبارات پیش نہیں کیں بلکہ حوالے اصل کتابوں کے دیئے ہیں اور عبارتیں اصل کتابوں کے ترجموں کی و سچ کی ہیں۔ جو ترجمے خود غیر مقلدین نے کئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب ہم اصل کتابوں میں یہ حوالے دیکھتے ہیں تو وہاں ان کا نام و نشان بھی نہیں ملتا، مگر سادہ لوح عوام سبے چارے ”حقیقت الفقہ“ پڑھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں دیئے گئے حوالے اصل کتابوں کے ہیں جو صحیح ہوں گے۔

بلو دران احناف سے ہماری گزارش ہے کہ غیر مقلدین سے جب بھی فقہی مسائل پر بات ہو تو اصل عربی کتابوں کے حوالے طلب کریں، اور جب کوئی غیر مستند ”حقیقت الفقہ“ لائے تو اس کے سامنے فقہ کی اصل عربی کتابیں لا کر رکھ دیں کہ یہ مسئلہ ان میں سے دکھائیں۔ محال ہے جو کوئی غیر مقلد اصل عربی کتاب سے وہ مسئلہ نکال دے۔ ہم اس کا بارہا تجربہ کر چکے ہیں۔

خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں
ذیل میں ”حقیقت الفقہ“ سے چند حوالے نقل کرتے ہیں اور غیر مقلدین سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ یہ حوالے اصل عربی کتابوں سے نکال دیں، لیکن ہمیں یقین ہے کہ وہ قیامت تک بھی یہ حوالے اصل عربی کتابوں سے نہیں نکال سکتے، ملاحظہ فرمائیے۔
یوسف جے پوری صاحب لکھتے ہیں۔

”(۲۳۱) بجائے سبحانک اللهم کے اللهم باعد عنی شطاناً

صحیح ہے ، ابن ہمام شرح وقایہ ص ۹

(۲۳۲) سبحانک اللہم اورانی وجہت کو نفل نماز میں ملانا جائز ہے

در تنہا جلد ۱ ص ۲۴ -

(۲۳۳) انی وجہت الخ نماز کے اندر پڑھنا مسنون ہے (ابو یوسف)

شرح وقایہ ص ۹ ، منیر ص ۸ -

(۲۳۴) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث باتفاق ائمہ محدثین ضعیف

ہے ۔ ہدایہ جلد ۱ ص ۲۵ -

(۲۳۵) سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث باتفاق ائمہ محدثین صحیح ہے جلد ۱

ص ۲۵ شرح وقایہ ص ۹ -

(۲۳۶) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث مرفوع نہیں وہ قول حضرت علیؓ

سے ہے اور ضعیف ۔ شرح وقایہ ص ۹۳ -

(۲۳۷) حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ مجددی حنفی سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث

کو بسبب قوی ہونے کے ترجیح دیتے تھے اور خود سینے پر ہاتھ باندھتے تھے ۔

مقدمہ ہدایہ جلد ۱ ص ۲۵ -

(۲۳۸) ابن المنذر نے امام مالکؒ سے ہاتھ باندھنا روایت کیا ہے ۔

ہدایہ جلد ۱ ص ۲۵ -

(۲۳۹) لا صلوة الا بعنا تحت الکتاب یہ حدیث بسند صحیح صحاح

شمسہ وابن حبان و سنن دارقطنی وغیرہ میں مروی ہے ۔ ہدایہ جلد ۱ ص ۲۵ -

(۲۴۰) ابن ہمام نے ثعلب القرآن والی حدیث کے راوی کو ثقہ بتا کر کہا کہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہری نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے ۔ ہدایہ جلد ۱ ص ۲۵

(۲۴۱) امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کی احادیث ضعیف ہیں ۔ شرح وقایہ

ص ۱۰۹ وصلہ۔

(۲۴۲) حضرت ابن عمرؓ کا اثر فاتحہ خلف امام نہ پڑھنے کا ضعیف ہے۔

شرح وقایہ ص ۱۱۰۔

(۲۴۳) حضرت علیؓ کا قول بھی منع فاتحہ میں ضعیف ہے اور باطل ہے۔

شرح وقایہ ص ۱۱۱۔

(۲۴۴) اذا کبر الامام فکبروا الخ حدیث ضعیف ہے شرح وقایہ ص ۱۱۱۔

مزید لکھتے ہیں۔

(۲۵۶) تصدیق احادیث رفع الیدین قبل رکوع و بعد رکوع - ہدایہ جلد ۱

ص ۳۸۲، شرح وقایہ ص ۱۱۱ وصلہ۔

(۲۵۷) پہلی روایت میں ابن عمرؓ سے جس کے آخر میں ہے کہ یہی آپ کی نماز رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے ملائی ہوئے یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ ہدایہ جلد ۱ ص ۳۸۲۔

(۲۵۸) رفع الیدین کرنے کی حدیثیں بہ نسبت ترک رفع کے قوی ہیں ہدایہ

جلد ۱ ص ۳۸۹۔

(۲۵۹) رفع الیدین نہ کرنے کی حدیث ضعیف ہے۔ شرح وقایہ ص ۱۱۱۔

بچے پوری صاحب تو اس دنیا سے چلے گئے اس لیے موجودہ غیر مقلدین سے ہمارا مطالبہ ہے کہ وہ مذکورہ حوالے فقہ کی اصل عربی کتابوں سے نکال کر دکھائیں ورنہ قیامت کے دن خدا کے یہاں جواب دہی کے لیے تیار رہیں، اگر غیر مقلدین یہ کہیں کہ ہم ترجمہ والی کتابوں سے یہ حوالے دکھا سکتے ہیں تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں، وہ ہمیں سب سے

۱۔ محمد یوسف بچے پوری - حقیقت الفقہ ص ۱۱۱

۲۔ محمد یوسف بچے پوری - حقیقت الفقہ ص ۱۱۱

والی کتابوں میں فقہ کی جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے اُن کتابوں کی عبارات کا ترجمہ دکھلا
 دیں اور ساتھ ہی یہ نشانہ بھی کریں کہ یہ ترجمہ اس عربی عبارت کا ہے، لیکن ہم دعوے
 سے کہتے ہیں کہ وہ اصل عربی عبارت کا ترجمہ بھی نہیں دکھلا سکتے کیونکہ یہ حوالے جب
 اصل کتابوں میں نہیں تو ترجمہ میں کہاں سے آئیں گے۔

تمت بالخیر



سَنَفِ نَعْمَان

جمع و ترتیب

سید مشتاق علی شاہ

ناشر: مکتبہ فاروقیہ ۸، گویند گڑھ گوجرانوالہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اعتراف نمبر ۱ | وَلَوْ اسْتَأْجَرْتُ امْرَأَةً لِيَسْذِفَ بَيْتَا فَذَنُوبِي
بِهَا لَا يَحْكُمُ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ
اللہ تعالیٰ۔ اگر کسی عورت کو زنا کے لیے اجرت پر رکھے اور پھر اس سے
زنا کرے تو بقول ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس پر حد نہیں ہوگی۔

جواب | مشہور فقہ کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا حالانکہ یہ ان کا فرض تھا
کہ جس کتاب سے حوالہ نکل گیا ہے اس کا حوالہ دیتے یہ عبارت
فتاویٰ قاضی خان جہ۔ ۲۷ ص ۴۶ کی ہے اور اس اعتراض کا ہماری طرف
سے پہلے بھی جواب دیا گیا ہے۔ ہم یہاں پر وہ ہی جواب نکل کرتے ہیں۔ حضرت
مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب مدظلہ لکھتے ہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکرر
کر بلاولی نکاح کو باطل قرار دیا اس پر مہر کا تقرر بھی فرمایا (شکوۃ شریف جلد ۲
ص ۲۰) لیکن حد جاری کرنے کا حکم نہیں دیا حالانکہ یہاں صرف رسمی نکاح ہے
وہ بھی باطل ہے باوجود باطل ہونے کے نکاح پھر بھی حد کے ساقط ہونے
کا سبب ہے دیکھئے یہ نکاح صرف نکاح حقیقی کے ہمنام ہے اور بس اس ہمنام
کی وجہ سے حد ساقط ہو رہی ہے اور مہر جو صرف نکاح میں ہوتا ہے واجب رہا ہے
اس نکاح پر حقیقی نکاح کے احکام مترتب ہو رہے ہیں مہر نسب اللہ
وغیرہ غیر مقلدین فرقہ تو بلاولی کے نکاح کو مطلق باطل کہتا ہے گویا ان کے نزدیک
زنا اور نکاح باطل دونوں ایک ہیں تو یہ حدیث مذکور ان کے خلاف بڑی جھٹ
ہے کہ تمہارے ہاں زنا کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دلی کیے
والے پر حد کا حکم نہیں دیا بلکہ اس دلی پر احکام نکاح صادر فرمائے ہیں تو پھر
زنا کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حد کا حکم نہیں فرمایا۔ بتلا ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف آپ کا فتویٰ کیا ہوگا؟

یاور ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اس سے منکر نہیں ہیں صورت بالا
تفصیل مسئلہ | میں صریح زنا ہے اور اس کے ترکیب کی سخت سے سخت سزا
 ہونی چاہیے اور یہ کہ یہ اجارہ بھی باطل ہے اور اجارہ باطل میں کسی قسم کی اجرت بھی
 نہیں دینا پڑتی لیکن اس کی شکل بنظر اس صورت کے مشابہ ہے جس پر امیر المومنین
 زیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حد کا حکم نہیں فرمایا۔ موطا امام مالک میں ہے خولہ حکیم کی
 بیٹی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہا ربیعہ امیہ کے بیٹے نے ایک عورت
 سے متعہ کیا اور وہ عورت اس سے حاملہ ہوئی۔ آپ نے سنا اور گھبرا کر دوڑے
 ہوئے اس شخص کے پاس آئے اور کہا یہ متعہ ہے اگر میں پہلے یہ مسئلہ بیان کر چکا
 ہوتا تو تجھے رحم کرتا۔ ص ۱۹۶

لنور سطا کوہ فرمایئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ متعہ کو زنا فرما رہے ہیں اور
 آپ کے نزدیک اس کی اصل سزا سنگسار کرنا ہی ہے لیکن اس کے باوجود لاعلمی
 اور ہلاکت کی وجہ سے جو شبہ پیدا ہو گیا ہے آپ نے حد جاری نہیں فرمائی تو زنا کے
 ثبوت کے باوجود بوجہ شبہ کے حد نہ لگانا اگر قابل گرفت ہے تو حضرت عمر
 رضی اللہ عنہ پر ہاتھ صاف کیجئے اور بڑے رافضی ہونے کا ثبوت فراہم کیجئے آپ
 کے بعض بڑوں نے نہایت گستاخانہ اعتراض فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر تراویح
 کے بارہ میں کیا ہے گویا ان کو بدعتی کہا۔ دیکھو کوئی شخص یہ کہہ کر اپنی عاقبت خراب
 نہ کرے کہ حضرت عمر کا کیا ذکر ہے جب انہوں نے یہ بدعت گزلی تو دوسری
 یہ بھی تھی، معاذ اللہ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شبہ کو کار فرما کر حد کو ساقط
 کر دیتے ہیں تو امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ ادنیٰ شبہ کی بنا پر
 حد کو ساقط کرتے ہیں تو ان پر کیا فرد جرم عائد ہوگی۔

علامہ زرقانیؒ تحریر فرماتے ہیں امام مالکؒ کے تلامذہ کا اختلاف ہے

کہ متعہ کے ترکیب کنوارے کو تو سو دوسے مارنے چاہئیں اور شادی شدہ کو نگر کرنا چاہیے۔ یا یہ کہ اس پر کوئی حد نہیں ہے۔ شبہ عقد اور آپس میں قوی اختلاف کے باعث اور بوجہ اس کے کہ اس کی حرمت قرآن میں نہیں ہے لیکن ایسے شخص کو سخت سزا دینی چاہیے اور یہی امام مالک سے مروی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مستوی میں حد زنا میں شبہات کا ذکر کرتے ہوئے اسی حدیث متعہ میں لکھتے ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ہر وجہ توجہ جس کی کسی سنی عالم نے تصحیح کی ہو اور اس توجہ کی وجہ سے وطی کو حلال کہا ہو تو اس وطی پر حد نہیں ہے اگرچہ وطی کرنے والا اس وطی کی تحریم کا قائل ہو مثلاً نکاح بلا ولی جو ابو حنیفہؒ کے مذہب میں جائز ہے اور نکاح بلا شہود جیسا کہ امام مالکؒ کی نسبت معروف ہے اور متعہ جو ابن عباسؓ اور امام زفرؒ کا مذہب ہے (ج ۲ ص ۱۲۲) القصہ کتنی خود زنا کی صورتیں ہیں جن میں حد ساقط ہو جاتی ہے بلا ولی کے نکاح اور نکاح بلا شہود حتیٰ کہ متعہ تک حد نہیں ہے۔ نکاح باطل میں حد کی نفی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقدار اور متعہ میں سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں امام ابو حنیفہؒ بمعہ دو کے جلیل القدر ائمہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے جو حد کو بوجہ شبہ ساقط سمجھتے ہیں اگر قابل ملامت ہیں تو پھر تنہا امام ابو حنیفہؒ کو ہدف ملامت نہ بنائیے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور تمام اسلافِ امت پر طعن کر کے اسلام کو جواب دے دیجئے۔ اور جہاں شبہ کی صورت نہ پائی جاتی ہو تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس میں حد ہے مثلاً کسی عورت کو خدمت کے لیے ضروری پر رکھا اور پھر اس سے زنا کیا تو اسے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حد لگائی جائے گی۔ تافعی خاں جلد ۴ ص ۴۰۵۔

امام ابو حنیفہؒ پر طعن کرنا یا دوسرے ائمہ مجتہدین پر زبان درازی کا سودا آپ کو کستا
نظر آئے تو ذرا اپنے گھر کی بھی خبر لیجئے مولوی وحید الزمانؒ غیر مقلد لکھتے ہیں متعہ کو حرام
قرار دینا اشکال سے خالی نہیں اور اس کی حرمت کا شبہ ابھی تک مرتفع نہیں ہوا۔
جو وہ سو سال گزر گئے مولوی وحید الزمان کو متعہ کی حرمت میں ابھی شک
اور ان کے ہاں متعہ کے حلال ہونے کا شبہ باقی ہے حالانکہ متعہ کی حرمت میں صحیح
اور صریح احادیث موجود ہیں۔ واقعی غیر مقلد چھوٹے رافضی ہیں رافضی تو متعہ کو حلال
سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک اس میں شبہ تحلیل باقی ہے یہ ہے ائمہ مجتہدین پر
تبرا بازی کا انجام جب صورت حال یہ ہے تو ہو سکتا ہے کہ ان کی نئی نسل متعہ کی پیداوار
ہو کیونکہ نہ متعہ ان کے نزدیک حرام ہے اور نہ اس میں ان کے نزدیک سزا ہے تو اس
کے کرنے میں کیا حرج ہے لیکن امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ متعہ کو زنا سمجھتے ہیں آپ کے نزدیک
نہ اس میں نسب ثابت ہوتا ہے اور نہ عدت واجب ہے مزید سینے نزل الابرار
میں ہے۔

ایک اندھے نے اپنی بیوی کو بلایا اسے کسی اجنبی عورت نے جواب دیا اور
اس نے اس خیال سے اس سے وطی کر لی کہ یہ میری بیوی ہے پھر ظاہر ہوا کہ یہ اجنبی
عورت تھی ان دونوں مرد اور عورت پر حد نہیں ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے
ہیں کہ عورت پر حد ہے۔ (جلد ۲ ص ۲۹۹)

سوال یہ ہے کہ نابینا نے تو خیال کیا کہ میری بیوی ہے لیکن جس عورت نے دلتہ
زنا کر لیا اور نہ بولی اور اندھے کو اس کی بیوی کا مغالطہ دے کر اس سے زنا کر لیا
اس پر ان غیر مقلدین کے نزدیک حد کیوں نہیں حالانکہ اس عورت کا صریح زنا
ہے اور اس میں کسی قسم کا شبہ بھی نہیں ہے اور اس میں متعہ والی سابقہ شق بھی نہیں ہے
کہ غیر مقلدین عورت پر کوئی شق نہ ہو لیکن امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں

اس پر حد ہے آپ کو اپنی گھر کی خبر نہیں کہ امام صاحب تو حد کے قائل ہیں اور ہم صریح زنا کی صورت میں حد کے قائل نہیں اور ان کا اعتراض کرتے ہیں یہ سچ ہے۔

الحیاء شعبہ من الایمان

وَكَذَلِكَ لَا تَزَوِّجُ بِذَاتِ رَجْمٍ مَهْرَمٍ
اعتراض نمبر ۳ | نَحْوُ الْبُنْتِ وَالْأَخْتِ وَالْأُمِّ وَالْعَمِّهِ
 وَالْخَالَاتِ وَبَنَاتِهِمَا لِأَحَدٍ عَلَيْهِ فِي قَوْلِ ابْنِ حَنِيفَةَ رَحِمَهُ
 اللَّهُ تَعَالَى وَإِنْ قَالَ عِلِمْتُ أَنَّهَا عَلَى حِلٍّ (فتاویٰ قاضی خان
 بر حاشیہ عالمگیری ج ۳ ص ۴۶۸ مطبوعہ پشاور نورانی کتب خانہ) اسی طرح اگر
 کسی حرم عورت مثلاً بیٹی، بہن، ماں، پھوپھی اور خالہ سے شادی کرے اور اس
 کے ساتھ جماع کرے تو بقول ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس پر حد نہیں ہے اگرچہ یہ کہہ دے
 مجھے معلوم ہے یہ میرے لیے حرام ہے۔

شریعت نے زانی کے لیے جو حد مقرر کی ہے وہ رجم سنگسار
جواب | یا جلد (کوڑے) ہے کسی بھی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ جو شخص عورت
 ابذریہ (ہمیشہ کے لیے حرام) سے نکاح کر کے وطنی کرے اس کو رجم کیا جائے
 یا کوڑے مارے جائیں۔ اسی لیے امام اعظم ابو حنیفہؒ نے ایسے شخص کے لیے یہ حد
 (رجم یا جلد) نہیں فرمائی۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے اس مسئلہ کو نام نہاد اہل حدیث غیر مقلدین
 اگر حدیث کے خلاف سمجھتے ہیں تو غیر مقلدین پر لازم ہے کہ کوئی ایسی حدیث نقل
 کریں جس میں ایسے شخص کے لیے حد آئی ہو البتہ قتل کا حکم آیا ہے جس سے امام اعظم
 ابو حنیفہؒ کا مسلک و مذہب ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ قتل کرنا یا سال ضبط کرنا زنا کی
 حد نہیں ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ ہی فرماتے ہیں ایسے شخص کو جو بھی سزا دی جائے کم ہے لہذا
 حاکم اس کو سخت سے سخت سزا دے فتح القدیر کے اندر تصریح ہے کہ

الان لا ان ايا حنفية النرم
عقوبة باشد ما يكون وانصالم
ثبت عقوبة هي الحد فعرف
انه زنا محض عنده الا ان فيه
شبهة - (فتح القدير)

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ امام ابو حنیفہؒ اس
کے لیے سخت سے سخت سزا تجویز کرتے
ہیں (البتہ نکاح کے سبب) حد ثابت
نہیں۔ پس وہ اس کو زنا ہی سمجھتے ہیں مگر
نکاح کے سبب اس میں شبہ پیدا ہو گیا۔

اس لیے حد مقرر رحم یا جلد اس سے ساقط ہو گئی اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ
اس پر کوئی سزا ہی نہیں جیسا کہ غیر مقلدین کی طرف سے
عوام کو مغالطہ میں ڈالا جاتا ہے۔

وَلَوْ نَظَرَ الْمُصَلِّي إِلَى الْمُصْحَفِ وَقَرَأَ فِيهِ
فَدَتْ صَلَاتُهُ لَا إِلَى فَرَجِ امْرَأَةٍ بِشَهْوَةٍ
لِأَن الْأَوَّلَ تَعْلِيمٌ وَتَعَلُّمٌ فِيهَا لَا الثَّانِي۔

(الاشباه والنظائر ص ۱۸، مطبوعہ بیروت الفن السادس)

اگر نمازی قرآن دیکھ لے اور اس سے قرأت کرے تو اس کی نماز باطل ہو
جائے گی اگر کسی عورت کی شرمگاہ شہوت سے دیکھ لے تو نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ
قرأت تعلیم و تعلم سے ہے شرمگاہ دیکھنا تعلیم نہیں۔

لے نوٹ ۱ یہ اعتراض کوئی نیا نہیں ہے کافی پرانا اعتراض ہے اور علماء حق بار بار
دفعہ اسکا مکمل مفصل جواب دے چکے ہیں غیر مقلدین کی علت ہے کہ انکی ایک کتاب کا جواب
دیو گیا تو یہ پھر دوبارہ ان ہی مسائل اور اعتراضات کو کسی اور نام کے ساتھ شائع کر دیتے ہیں یہ اعتراض
بیک پہلے ظفر البین میں شائع ہوا اس کا جواب لےج البین بر کشف مکائد فرقہ غیر مقلدین مولفہ منصور علی مراد آبادی
میں شائع ہوا۔

جواب

در اصل اس عبارت بالا میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں نمبر ۱ نماز میں عمل کثیر کا مسئلہ نمبر ۲۔ طلاق رجعی کا مسئلہ اور فتاویٰ عالمگیری میں ان مسائل کو الگ الگ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے پہلے مسئلے کا تعلق کتاب الصلوٰۃ سے ہے اور دوسرے مسئلے کا تعلق کتاب الطلاق سے ہے عبارت بالا میں غیر مقلدین کی طرف سے اس بات کا تاثر دیا گیا ہے کہ نماز میں صرف قرآن پاک پر نظر پڑنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے حالانکہ یہ مسئلہ نہیں بلکہ مسئلہ عمل کثیر کا ہے فقہ حنفی کی کسی کتاب کے غیر مقلدین یہ ثابت نہیں کر سکتے جس میں صرف یہ ہو "وَلَوْ نَظَرْنَا فِي الْقُرْآنِ نَفْسُهُ الصَّلَاةُ" ایسی عبارت پیش کرو ورنہ تحریف معنوی سے توبہ کرو۔ اصل بات یہ ہے کہ جو کہ غیر مقلدین کی سمجھ میں نہیں آتی اور نہ ہی ان میں فقہی عبارت سمجھنے کی صلاحیت ہے۔

ويفسدها قرآنه من
مصحف عند ابی حنیفہ و
تقلب الاوراق والنظر فيه
عمل کثیر۔
اور قرآن سے دیکھ کر پڑھنا نماز کو فاسد
کر دیتا ہے۔ لہٰذا ان حمل المصحف
کیونکہ قرآن کا اٹھانا اور اوراق پلٹنا اور قرآن
میں دیکھنا یہ عمل کثیر ہے۔

جس کی نماز میں ضرورت نہیں غیر مقلدین کو آنا بھی علم نہیں کہ اس عبارت میں دعویٰ اور مسئلہ کو کنسی عبارت ہے۔ اور دلیل کہاں سے شروع ہوتی ہے دلیل کی ایک جز کو دعویٰ اور مسئلہ سمجھ لیا اور لکھ دیا کہ قرآن پاک پر نظر ڈالنے سے امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے حالانکہ عمل المصحف سے دلیل شروع ہوتی ہے جس کی تین جزیں ہیں۔ امام صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن کریم سے دیکھ کر نماز پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے دلیل یہ ہے کہ اس فعل سے تین چیزیں لازم آتی ہیں نمبر ۱۔ قرآن پاک کا نماز میں اٹھانا نمبر ۲۔ اوراق کا پلٹنا نمبر ۳۔ قرآن کریم میں دیکھنا

یہ تینوں کام جب اکٹھے ہو جائیں تو عمل کثیر بن جاتا ہے اور عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے صرف نظر کرنے سے امام صاحب کے نزدیک قطعاً نماز فاسد نہیں ہوتی جیسا کہ عالمگیری میں ہے۔ ولو نظر الی مکتوب ہو قرآن و فہمہ لا خلاف فیہ لاحد انہ یجوز عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۷ اگر کسی شخص نے کسی چیز پر قرآن لکھا ہو اور لکھا پھر اس کو سمجھ بھی لیا کسی بھی فقہی کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔ اب تو خدا را انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو اور حکم از کم فقہی عبارت اور اصطلاحات کو سمجھنے کے لیے کسی حنفی عالم کی شاگردی اختیار کرنے کا شرف حاصل کریں تاکہ دعویٰ اور دلیل مسئلہ اور وجہ مسئلہ میں فرق کر سکیں اس عبارت میں جو دوسرا مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ لا الی فرج امرأۃ بشهوة الخ یہ عبارت بالذات بالاصالت رجعت کے ثبوت کے لیے تحریر کی گئی ہے جس کا منہاد یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی تو عدت میں اگر اس کی نظر شہوت سے عورت کی شرمگاہ پر پڑ گئی تب بھی رجوع ثابت ہو جائے گا مگر نماز فاسد نہ ہوگی کیوں کہ فقط نظر تو کسی چیز پر بھی پڑ سکتی ہے اس میں نمازی کا کیا قصور ہے نمازی کے سامنے سے انسان، حیوان، مرد، عورت، چھوٹا، بڑا عریاں یا غیر عریاں سب گزرتے رہتے ہیں (اب ذرا اپنے گھر کی خبر لیجئے)

نملر۔ ولا تفسد لواشار بالید اتفاقاً وکذاک لوصافہ
بیسد واحد (نزل الا برار ص ۱۰۸) اور نماز فاسد نہ ہوگی اگرچہ نماز میں اس نے ہاتھ کے ساتھ مصافحہ بھی کیا۔

نملر۔ لوستم علی رجل غائب فقال السلام علی فلان لا
تفسد (نزل الا برار ص ۱۰۸) اگر کسی غائب شخص پر سلام کیا اور السلام علیکم کہا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

نمبر ۲۔ ولو قرأ آية من القرآن يقصد التهنيم
نفسد (نزل الايوار ص ۱۰۸) اگر ایک آیت بھی قرآن سے بارادہ
تہنیم پڑھی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

نوٹ:- غیر متقلدین اس عبارت کے خلاف بھی نہ تو کوئی قرآن کی آیت پیش کر سکے
اور نہ حدیث اور دعویٰ یہ کیا فقہ حنفی کے وہ مسائل جو قرآن و حدیث کے صریح
خلاف ہیں ان کی تفصیل۔

فَقَالَ لَوْ دَعَفَ فَكَتَبَ الْفَاتِحَةَ بِالْذَّمِّ
اعترض نمبر ۴ | عَلَى جَبْهَتِهِ وَأَلْفَ لَامٍ تَتَفَاءُ وَبِالْبُؤُولِ
أَيْضًا إِنَّ عِلْمَ فِيهِ شَفَاءٌ لَا يَأْمُسُ بِهِ الْخَطْمُ۔

(شامی ص ۱۵۴ ج ۱ منطبقہ کوڑم اگر نکیر پھوٹ پڑے اور وہ خون سے اپنی
پیشانی اور ناک پر فاتحہ لکھ لے تو تندرستی و صحت حاصل کرنے کے لیے جائز ہے
اور پیشاب کے ساتھ لکھنا بھی اگر شفاء کا یقین ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

والمحتار شرح درمختار (المعروف شامی) میں
جواب۔ | تداوی بالاحرام (یعنی حرام کے ساتھ علاج) کا عنوان ہے اس
عنوان کو ذہن میں رکھیں اور اس عنوان کے تحت اس مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کریں
مسئلہ دراصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے مرض میں مبتلا ہو جائے کہ جس کا علاج بالاحرام
(حلال اشیاء کے ساتھ علاج) ممکن نہیں اور سوائے علاج بالاحرام کے کوئی چارہ
نہیں تو اب کیا کیا جسٹے ایسے مریض کو مرنے اور ہلاک ہونے دیا جائے یا اس کی
جان بچانے کے لیے علاج بالاحرام کا طریقہ اختیار کیا جائے اصل صورت مسئلہ کی یہ
ہے جو اوپر بیان ہوئی اس میں بھی ہمارے فقہاء کرام نے اختلاف کیا ہے اور بالخصوص
سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ نے علاج بالاحرام کو جائز نہیں کہا کیونکہ حرام میں شفاء نہیں ہے

اور یہاں تک کہہ دیا کہ اگر موت واقع ہونے اور جان جلنے کا خطرہ بھی ہو تب
 بھی حرام سے علاج کی اجازت نہ دی جائے گی جیسا کہ ثنائی ہی میں امام حاوی قدس سرہ
 سے منقول ہے۔ حتی یخشى عليه الموت وقد علم انه لو
 كتب فاتحه الكتاب او الاخلاص بذالك الدم على جبهته
 ينقطع فلا يرخص فيه ص۔ اگر تکبیر والے کو موت کا خطرہ بھی ہو
 اور اسے کسی ذریعہ سے اس بات کا یقین بھی ہو کہ اگر تکبیر کے خون سے اس کی پیشانی
 پر سورۃ فاتحہ یا اخلاص لکھی جائے تو تکبیر ختم ہو جائے گی اور جان بھی جلنے کی پہچان بھی خون
 کے ساتھ لکھنے کی اجازت نہیں (غیر مقلدین ذرا بغض اور عناد کی سیاہ عینک مستقبل میں
 سیاہ چہرے سے اتار کر شامی کی یہ عبارت پڑھیں تاکہ آپ کے علم میں بھی اضافہ ہو جائے۔ مگر
 بعض فقہاء کرام نے علاج بالاحرام کو حالت اضطراری میں کسی ماہر ڈاکٹر یا عاقل حکیم جو
 دیندار بھی ہو اور مستند بھی کے تجویز کرنے کے بعد جائز کہا کیونکہ حالت اضطراری و
 مجبوری میں حرام کی حرمت فی الوقت ساقط ہو جاتی ہے جیسا کہ خود قرآن مجید اس پر شاہد
 ہے۔ "الادما اضطررتم فمکن اضطرۃ" ۱ سورہ بقرہ پارہ ۲ آیت نمبر ۱۷۴
 سورہ النعام پارہ ۸۔ مگر جو شخص مجبور ہو گیا (کے الفاظ شاید مآول ہیں صورت مذکورہ
 میں اضطرار اس حد تک ہے کہ جان جلنے اور ہلاک ہونے کا خطرہ ہے مگر اس کے
 باوجود ہمارے فقہاء کرام صبح بچار کے ساتھ قدم رکھتے ہیں غیر مقلدین حضرات کے
 نزدیک بھی یہ بات مسلم ہے کہ حالت اضطرار میں علاج بالاحرام جائز ہے جیسا کہ نزل
 الابرار من فطرۃ بنی النصار ص ۲۰ میں علامہ وحید الزمان غیر مقلد لکھتے ہیں کہ اذا استعمل برائی
 الطبیبہ الحاذق جب کہ ماہر حکیم کی رائے سے استعمال کی جائے اور اسی کتاب کے ص ۲۱
 پر ہے۔ وقیل یرخص اذا علم فیہ الشفاء ولم یوجد دواء
 غیر حلال یوثر اثرہ کما رخص الخمر العطشان و اکل الميتة

المصنطد۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اجازت ہے اس بات کی کہ ۱ علاج بالمرہ جائز ہے جب کہ کوئی دوسری دوا حلال مؤثر نہ پائی ہے جیسا کہ بوقت ضرورت پانچ کے لیے شراب اور بھوکے کے لیے مردار جائز ہے۔ امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔

واختلف اهل العلم في التداوی بالشیء النجس فاجماع کثیر منہم التداوی به (المسوی ص ۴۱) نجس چیز کے ساتھ دوا کرنے میں اہل علم اختلاف ہے بہت سے لوگوں نے اس (نجس) کے ساتھ علاج کو مباح قرار دیا ہے نیز نبر۔ بول ماکول اللحم (پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے) نجس ہے دوا کے لیے ہو یا کسی اور چیز کے لیے دونوں صورتوں میں اس کا استعمال ناجائز ہے جیسا کہ در مختار ص ۱۱۱ میں ہے لا للتداوی دلا لغیر عند ابی حنیفہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک (بول ماکول لحم) نہ دوا کے لیے نہ کسی غیر دوا کے لیے استعمال کرنا جائز ہے۔ نبر ۲ (و ظاہر المذہب المنع) اور ظاہر مذہب منع کا ہے۔ ثانی میں دیگر اختلافی الفاظ کی موجودگی میں اس مسئلے کو متفق علیہ انداز میں پیش کرنا غیر مقلدین اصناف کے ساتھ دشمنی کی بین دلیل ہے۔ نبر ۳ کتاب کے متن میں بول ماکول اللحم اور اس کی نجاست و طہارت کی بحث ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ کتاب بالبول (پیشاب کے ساتھ لکھنا) میں کس کا پیشاب مراد ہے انسان کا یا کسی اور کا ہم غیر مقلدین کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کوئی ایک عبارت ایسی دیکھیں جس میں انسان کے پیشاب وغیرہ کے الفاظ ہوں۔ قیامت کی صبح تک ایسے الفاظ پیش نہیں کر سکتے زور آزمائی کر کے دیکھ لیں ہم دعویٰ سے کہتے ہیں اس بول سے مراد انسانی بول نہیں بلکہ ماکول اللحم کا بول مراد ہے ہمارے اس دعویٰ پر پہلی دلیل یہ ہے کہ یہاں (کتاب میں) بحث ہی بول ماکول اللحم کی ہے لہذا کتاب بالبول میں بھی مراد ہو گا دوسری دلیل یہ ہے کہ دوا کے لیے اس

کا استعمال حدیث مبارکہ سے ثابت ہے اگرچہ بنا بر خصوصیت تھا تیسری دلیل
یہ ہے کہ ماکول اللحم کے بول کو بعض فقہاء نے پاک اور طاهر کہا ہے اور خود غیر مقلدین
اسے صرف پاک ہی نہیں بلکہ قابل شرب مانتے ہیں جیسا کہ "اونٹ، گائے، بکری بلکہ
گھڑے کا پشیا ب پینا بھی جائز ہے" (فتاویٰ ثنائیہ ص ۲۱۲ ج ۲) اور اسی قسم کا مفہوم
عرف الجادی اور نزل الابرار ص ۲۹۹ میں بھی غیر مقلدین نے لکھا ہے، چوتھی دلیل یہ
ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا تداویٰ اور عدم تداویٰ میں بول کے استعمال کو ممنوع قرار دینا اس
بات کی واضح دلیل ہے کہ کسی خفی کے نزدیک انسانی بول سے کتابت جائز نہیں کیونکہ
اس کی نجاست متفق علیہ ہے کتابت کے جواز کا قول اسی بول سے متعلق ہو سکتا ہے
جس کے پاک ہونے میں اقوال موجود ہیں۔ اب آیتیں ایسی حالت اضطراری کہ جس
میں موت کا خطرہ زیادہ غالب ہو اگر کوئی ڈاکٹر یا طبیب ماکول اللحم کے بول سے
فاتحہ کی کتابت تجویز کرے جب کہ یہ بول مخالفین کے نزدیک پاک ہی نہیں بلکہ پیٹنے
اور استعمال کرنے کے قابل ہے تو اس اضطرار میں بر بنائے ضرورت جواز کی
صورت نکل سکتی ہے جب کہ قطعی حرام بھی جائز ہو جاتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ
کتابت بالبول والا مسئلہ علاج بالحرام کا فرع ہے جن حضرات نے علاج بالحرام کو
ناجائز کہا ہے انہوں نے ہی کتاب بالبول کو حرام کہا ہے اور جنہوں نے حالت اضطراری
بصورت بیماری ہو یا جبر و اکراہ وغیرہ علاج بالحرام کو جائز کیا ہے۔ انہوں نے کتابت
بالبول کو بھی جائز کیا ہے لیکن ان شرائط کے ساتھ نمبر ۱ علاج الحرام سے شفاء کا علم
ہو نمبر ۲۔ علاج بالحلال کی کوئی صورت ممکن نہ ہو نمبر ۳۔ موت کا خطرہ غالب ہو نمبر ۴
کس ماہر ڈاکٹر اور حافظ حکیم کی تجویز ہو نمبر ۵ ڈاکٹر و طبیب مسلمان اور متقی و پرہیزگار
بھی ہو ایسی حالت اضطراری میں اگرچہ حرمت فی الوقت ماقط ہو جاتی ہے مگر
پھر بھی اگر یہ مضطر اور مجبور آدمی جو مصیبت میں مبتلا رہے اگر صبر کرے اور طریقہ علاج

بالحرام کو نہ اختیار کرے اور اسی حالت میں فوت ہو جائے تو ثواب اور اجر کا مستحق ہو گا تا رہن ایسی عظیم الشان کتاب جو تمام کتبِ اسمانیہ سے زیادہ محفوظ اور زیادہ پریمی جاتی ہے جسے بے وضو آدمی چھو نہیں سکتا جسے جنبی تلاوت نہیں کر سکتا اور نہ ہاتھ لگا سکتا ہے حیض و نفاس والی عورتیں جسے مس نہیں کر سکتیں جیسے خدا تعالیٰ نے صحیفِ مطہرہ فرمایا جس کی تعظیم عین متکلم کی تعظیم ہے اس کتاب کے متعلق یہ خیال کرنا کوئی فقیہ (العیاذ باللہ) اس کی کتابت ببولِ الانسانی سے اجازت دیتا ہے بعید از عقل و انصاف ہے خاص طور پر امام اعظم ابوحنیفہ کی ذات گرامی اس سے بالکل بری ہے کیونکہ وہ نجس ہونے میں بولِ انسانی اور بولِ مایوکل اللحم میں روا نہیں رکھتے جیسا کہ عرف الثدی ص ۱۰۰ والبرجندی ص ۱۰۱ میں موجود ہے بولِ مایوکل اللحم طاهر عند مالک و کذا عند احمد و مذهب محمد و زفر و نجس عند ابی حنیفہ و شافعی۔ پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے امام مالک کے نزدیک طاهر اور اسی طرح امام احمد کا مذہب ہے اور امام محمد زفر کا مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ امام شافعی کے نزدیک نجس ہے۔ بڑے بڑے فقہا کرام اور تمام غیر متقلدین مایوکل اللحم کے بول کی طہارت کے قائل ہیں اور بولِ انسانی کی طہارت کا کوئی بھی قائل نہیں تو یہی اس بات کی دلیل ہے کہ کتابت بالبول میں بول سے مراد مایوکل اللحم کا بول ہے نہ کہ انسان کا بول۔

اعترض نمبر ۵

اذا اصابته النجاسة بعض اعضاءه
ولحمها بلسانه حتى ذهب اثره ما يطهر
و کذا السکن انا تنجس فلحمه بلسانه او مسح بريقه
مکذابی۔ فتاویٰ قاضی خان (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۴۵) اگر انسان کے

کسی عضو کو نجاست (گندگی) لگ جائے اور وہ اسے اپنی زبان سے اس طرح چاٹے کہ اس کا اثر (نشان) ختم ہو جائے تو عضو پاک ہو جائے گا اسی طرح اگر چھری یا پاک ہو جائے اور اپنی زبان سے چاٹ لے یا اپنے تھوک سے صاف کرے تو پاک ہو جائیگا

غیر مقلدین نے اپنی ناقض الفہمی کی بناء پر فتاویٰ عالمگیری کی عالمی حیثیت

جواب نہیں سمجھیں یہ فتاویٰ بفضلہ تعالیٰ عالمی فتاویٰ ہے اس میں وہ تمام مسائل حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو عالم اسلام میں عموماً یا خصوصاً پیش آتے رہتے ہیں یا آسکتے ہیں تاکہ مملکت اسلامیہ کے قاضی صاحبان ان سے استفادہ کر کے ان سے نادر سے نادر واقعات و مقدمات کا حل دریافت کر سکیں و نیز

عالم میں جہاں عاقل بالغ آباد ہیں وہاں پاگل اور بچے بھی رہتے ہیں ان کی وجہ سے بھی کئی مسئلے جنم لیتے رہتے ہیں مندرجہ بالا مسئلہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے ہاتھ کی کسی انگلی پر اگر پیشاب یا شراب یا خون لگ جائے تو انگلی کو اس نجاست سے صاف کرنے کے لیے پانی ہی استعمال کیا جاتا ہے مگر بچوں اور پاگلوں سے یہ امید نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ اس نجاست کو پانی سے ہی صاف کریں گے بلکہ یہاں ممکن ہے کہ بجائے انگلی دھونے کے اسے چاٹ لیں (العیاذ باللہ) اور چاٹنے کے بعد وہی انگلی کسی شخص کے پانی میں ڈبو دیں اور وہ شخص اسلامی عدالت میں اس نوعیت کا مقدمہ دائر کر دے کہ میں نے بچاں روپے کا (مثلاً پانی خرید کر منکے میں ڈالا تھا فلاں پاگل نے نجاست سے لبریز انگلی کو پہلے اچھٹا کر پھر اپنی انگلی میرے پانی میں ڈبو دی جس سے پانی پلید اور بیکار ہو گیا لہذا مجھے پاگل کے مال سے پانی کی قیمت و لابی جلتے تو جس قاضی نے فتاویٰ عالمگیری کا مندرجہ بالا مسئلہ پڑھا ہو گا وہ یہ کہہ کر مقدمہ خارج کر دے گا کہ جب مدعی خود تسلیم کرتا ہے کہ پاگل نے پہلے انگلی سے نجاست کو چاٹ کر زائل کر دیا تھا پھر پانی میں ڈبو یا تھا تو پاگل کی انگلی کے سبب

پانی پلید نہ ہوا کیونکہ جب انگلی پر سے نجاست زائل کر دی گئی تو نہ انگلی پلید رہی نہ پانی
 پلید ہوا۔ فتاویٰ عالمگیری کی عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ نجاست کو چاٹنا
 جائز ہے۔ یا یہ کہ فقہ حنفی میں انگلی پاک کرنے کا یہی طریقہ ہے یہ شخص فہمی صرف مخالفین
 کی دماغی نجاست کا نتیجہ ہے بلکہ فتاویٰ عالمگیری میں تو یہاں تک نفاست پسندی فرمائی
 گئی ہے کہ جو حلال جانور نجاست کھاتا ہوا اسے نہ کھائیں بلکہ کئی دن تک باندھ رکھیں
 کہ نجاست نہ کھائے پائے پھر جب اس کا گوشت نجاست کے اثر سے پاک ہو جائے
 تو فریح کر کے کھائیں اونٹ چالیس دن تک باندھا جائے گا۔ گائے بیس دن تک
 مرغی تین دن تک اور چڑیا ایک دن تک (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۸)

و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلق محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

معین الفقیہ

افادہ است

مولانا مولوی محمد حسین صاحب خفہ

جمع و ترتیب

سیّد مشتاق علی شاہ

اس رسالہ میں غیر مقلدین کے فقہ خفہ پر کئے
گئے ۶۲ باطلہ اعتراضوں کا جواب دیا گیا ہے

مکتبہ فرائضیہ کوئٹہ
ناشر

عرض مرتب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُحَمَّدٌ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ . اَمَّا بَعْدُ

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فقہ حنفی کے دُفع میں اب تک ہم مندرجہ ذیل گیارہ کتابیں شائع کر چکے ہیں مثلاً (۱) ہدایہ پر اعتراضات کے جوابات (۲) درمختار پر اعتراضات کے جوابات (۳) فتاویٰ عالمگیری پر اعتراضات اور ان کی حقیقت و صداقت (۴) فتاویٰ عالمگیری پر اعتراضات اور ان کی حقیقت و صداقت دوم (۵) فقہ حنفی میں شراب کا حکم (۶) تحقیق المتین (۷) الجواب الکامل فی ازہاق الباطل (۸) تائید الأئمة المسلمین (۹) احقاق الحق (۱۰) سیف نعمان (۱۱) تائید الحنفیہ وغیرہ ہمیشہ نظر یہ رسالہ بھی اسی سلسلے کی بارہنوں کی کڑی ہے۔ اس رسالہ میں غیر مقلدین کے فقہ حنفی پر کئے گئے باسٹھ اعتراضوں کا جواب دیا گیا ہے

ہم نے اب تک جتنے رسالہ شائع کئے ہیں وہ سب کے سب دفاع میں ہی لکھے گئے ہیں۔ کوئی رسالہ بھی ایسا نہیں جو ہماری طرف سے پہلے لکھا گیا ہو۔ اگر غیر مقلدین، امام اعظم ابو حنیفہؒ کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیں تو ہمیں بھی یہ ضرورت پیش نہ آتی۔ ہم غیر مقلدین سے مودبانہ گزارش کرتے ہیں کہ وہ اپنی اس روش سے باز آئیں۔ اور شہر کی فضا کو خراب نہ کریں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْن

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اعتراضات غیر مقلدین

اعتراض۔ اگر جان بوجھ کر تشہد کے بعد گوز مارے یا بات چیت کر لے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی، وفي المنيّة ۵۵ وقال ابو حنيفة یتوضأ ویقعد ویخرج عن الصلوة

(گویا ہوانکال دینا سلام کے قائم مقام ہے)

جواب۔ یہ اعتراض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے، کیونکہ اس کی سند حدیث میں موجود ہے مگر معترض کا یہ کہنا کہ ہوانکال دینا فقہائے نزدیک سلام کے قائم مقام ہے۔ بہتان ہے۔ نعوذ باللہ من سوء الفہم بلکہ ایسا کرنے والا گنہگار ہے، اگر قصداً ایسا کرے تو نماز اس کی مکروہ تحریمہ ہے جس کا پھر دوبارہ پڑھنا اس پر واجب یہ اس لئے کہ اس نے سلام کہہ کر نماز سے باہر آنا تھا اور یہ سلام اس پر واجب تھا، چونکہ اس نے سلام کو جو شرعاً واجب تھا، ترک کیا، اس لئے گنہگار بھی ہوا، اور نماز کا اعادہ بھی لازم ہوا، اور یہ خیال حنفیہ ایسی نماز کو بلا کر اہست تحریمی جائز رکھتے ہیں، یا اس فعل کو ہانزہ رکھتے ہیں، صریح حنفیوں پر افتراء ہے،

نواب صدیق حسن خان صاحب نے کشف التباس میں اس اعتراض

کو خوب رو کیا ہے۔

اب سنئے وہ حدیث :- ابو داؤد ترمذی لہجہ اوی نے روایت کیا ہے کہ جس وقت امام قعدہ میں بیٹھ گیا۔ اور سلام سے پہلے اس نے حدیث کیا، تو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس کی اور جو لوگ اس کے پیچھے تھے سب کی نماز پوری ہو گئی ۱۲ علامہ علی قاری نے رسالہ تشیع الفقہاء الحنفیہ میں کتنی حدیثیں اس بارہ میں لکھی ہیں۔ جو دیکھنا چاہیے وہ عمدہ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ کا ص ۱۸۵ دیکھ لے،

معرض کو اپنے ایمان کی نکر کرنا چاہیے، قعدین میں تشہد پڑھنا واجب ہے۔ منیہ ص ۸۶

اعتراف ص ۲ شرمگاہ کے سوا کسی اور جگہ جماع کیا اور انزال بھی ہوا پھر بھی روزہ کا کفارہ لازم نہیں آئے گا تنقید ہدائیہ

جواب :- فرمائیے یہ مسئلہ کس آیت و حدیث کے خلاف ہے آپ کو نہ معلوم ہو تو اپنے کسی بڑے محدث سے دریافت کر کے لکھو کہ حدیث فلان میں تو ایسے شخص کے حق میں کفارہ آیا ہے اور فقہا حنفیہ لکھتے کفارہ نہیں، ان لم تفعلوا ولن تفعلوا فانقوا النار الخ

ہدائیہ ج ۱ ص ۱۹۹ میں ہے والاصح انها تجب یعنی اصح یہی ہے کہ کفارہ

واجب ہے ۱۲

اعتراف ص ۳ قربانی کے جانور کو اشعار کرنا مکروہ ہے، امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہی ہے۔

جواب :- امام اعظم نے مطلقاً مکروہ نہیں فرمایا چنانچہ صاحب ہدائیہ لکھتا ہے۔ قیل ان ابا حنیفہ کرہ اشعار اهل زمانہ لمبالغتہ

فیه علی وجہ یخاف منه للسراية

علامہ عینی شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ نے اصل اشعار کو مکروہ نہیں فرمایا۔ و ابو حنیفہؒ ماکرہ اصل الشعار کیف یکرہ ذالک مع ما اشتہر فیہ عن الأشار

قال الطحادی و انما کرہ ابو حنیفہؒ اشعار اهل زمانہ لانه را هم یستقصون فی ذالک علی وجه یخاف منه هلاک البدنہ خصوصاً فی حر الحجاز (یعنی ہدایہ)

اعتراض: کیا کسی مرد نے کسی غیر عورت کو شہوت سے چھو لیا۔ اور اس کی شرمگاہ کو دیکھ لیا یا اس عورت نے اس کی شرمگاہ کو شہوت کی نظر سے دیکھ لیا، تو اس عورت کی ماں اور بیٹی اس مرد پر حرام ہو گئی۔

جواب: اگر کسی کے پاس اس کے برخلاف کوئی آیت یا حدیث ہے تو دکھاٹے ورنہ اپنا اعتراض واپس لے، ہم سے سنئے یہ مسئلہ نہ صرف امام اعظمؒ کا ہے، بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان و احتجی منہ یا سوہ جو صحیح مسلم میں ہے۔ اس کی تائید کرتا ہے۔

تو ہر التقی ج ۲ ص ۸۴ میں بحوالہ ابن حزم لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک مرد و عورت کو جدا کر دیا۔ جب کہ معلوم ہوا کہ اس مرد نے اس کی والدہ کے ساتھ ناجائز حرکت کی، حالانکہ اس مرد کے اس عورت کے بطن سے سات بچے بھی پیدا ہو چکے تھے، معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہی مذہب تھا، جو فقہائے نے لکھا ہے اسی طرح سعید بن المسیب اور ابوسلمہ بن عبدالرحمن اور عروہ بن زبیر نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی عورت سے رونا کرے، اس کی بیٹی سے کبھی نکاح جائز نہیں۔ اسی طرح ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ

جب کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کرنے تو اس کو درست نہیں کہ وہ اس کی بیٹی یا ماں سے نکاح کرے۔

اسی طرح عبدالرزاق نے مصنف میں عثمان بن سعید سے اس نے قتادہ سے اس نے عمران بن حصین سے روایت کیا، اس پر دونوں ماں بیٹی حرام ہو گئیں، اسی طرح عطاء نے فرمایا ہے، اسی طرح طاؤس و قتادہ نے فرمایا ہے، امام مجاہد فرماتے ہیں۔ اذا قبلها او لامسها او نظر الى فرجها من شهوة حرمت علیہا و تنبہا (جوہر النقی ص ۸۵) وعن ابن عمر قال اذا جامع الرجل المرأة وقبلها او لمسها بشهوة حرمت علیہا وابتغھا۔

(فتح القدیر کشوری ص ۲۷ جلد ۲)

اعترض ۵۔ اگر چھوٹے سے انزال ہو جاوے تو حرمت ثابت نہ ہوگی،

جواب ۱۔ ہدایہ شریف میں اس مسئلہ کو مدلل بیان کیا گیا ہے، اصل بات یہ ہے کہ واطی اور موطورہ کے درمیان وطی سبب جزئیت ہے یعنی وہ دونوں مثل ایک شخص کے ہو جاتے ہیں، عورت کے والدین اور اولاد اس مرد کے والدین اور اولاد کی طرح ہو جاتے ہیں وطی حلال ہو یا حرام، پس جس طرح حلال وطی سے عورت کی ماں بیٹی حرام ہو جاتی ہے اسی طرح جس عورت سے زنا کرے اس کی ماں بیٹی حرام ہو جاتی ہے۔

جواب ۲۔ میں اس مسئلہ کے دلائل لکھے لگئے ہیں۔

یہی بات کہ صرف مس و نظر شہوت سے حرمت مصاہرہ ہو جاتی ہے اس کا کیا سبب ہے۔ تو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

ان المسن والنظر سبب داع الى الوطى في مقام مقامه في موضع
 الاحتياط يعنى جو شخص مس ونظر بالشہیت کرے گا وہ وطی کی طہریت رائے
 ہوگا، اور وہ چاہے گا کہ وطی کرے، اس لئے داعی وطی قائم مقام وطی ہوئے
 اور حرمت ثابت ہوگئی، لیکن اگر مس کرتے ہی انزال ہو گیا، تو حرمت مساب
 ثابت نہ ہوگی، اس کی وجہ بھی صاحب ہدایہ نے بیان فرمائی ہے جو معترض
 نے نقل نہیں کی، فرماتے ہیں لانه بالانزال تبين انه غير مضاف
 الى الوطى (ہدایہ ص ۲۸۹ فاقہم و متدبر)

یہی مسئلہ ایتان فی الدہر کا ہے۔ اگر انزال ہو جائے تو چونکہ وہ مضاف
 الى الوطى نہیں، موجب حرمت بھی نہیں اگر انزال نہ ہو تو موجب حرمت ہے؛
 اعتراض ۱ من اتى امرأة في الموضع المكروه او عمل عمل قوم
 لوط فلا حد عليه عند ابی حنیفۃ اور در مختار ص ۱ میں ہے۔ ولا یجد
 بوطی بہیمۃ ولا یوطی دبر ۱۲

جواب :- مذکورہ مسئلہ کے آگے یہ عبارت بھی ہے جس کو معترض نے
 چھوڑ دیا ہے، و یعذر قال فی الجامع الصغیر و یودع فی السجن و قال
 ہرکالزنا ینحد عند الامام۔

فعل مذکور سے حد نہیں سزا دی جائے گی، چونکہ احادیث شریف سے ثابت
 نہیں اور خلفائے راشدین میں اختلاف صادر ہے۔

جامع الصغیر میں ہے قید کیا جائے گا۔ حضرت واقدیؒ اپنی کتاب الردۃ
 میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خالد بن ولیدؓ کے پاس احراق
 بالنار کرنے کا حکم دیا۔ فرمایا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ

نے فاعل و مفعول کو باتباع اجار بلند مکان سے گرا دینے کا حکم صا اور فرمایا ہے
 پناچہ ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذی
 یعمل عمل قوم لوط فارجسوا الاعلیٰ والاسفل، دیگر احادیث اس کی
 مخالف ہیں۔

وعن عکرمۃ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم من وجد تمویۃ یعمل عمل قوم لوط فاقتل الفاعل والمفعول
 (ترمذی ابن ماجہ)

وعن ابن عباس و ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم قال ملعون من عمل قوم لوط
 کہو غیر مقلد و باتمہیں شرم نہیں آتی؛

میں کہتا ہوں کہ حنفیہ نے اس مسئلہ میں فقیہ امت سید المفسرین حضرت
 ابن عباس لیس علی الذی یاتی البہیمۃ حد (ابو داؤد، نسائی، ترمذی)
 و لفظ الترمذی من اتی البہیمۃ فلا حد علیہ ائمہ اربعہ، عطاء،
 تلم، اسحق، رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مسلک ہے دیکھو لمعات شرح مشکوٰۃ سنن ابی
 داؤد۔ جامع ترمذی، بلکہ قاضی شوکان در رہبیہ، اور نواب صدیق حسن خان کا
 بھی یہی مذہب ہے، ملاحظہ ہو روضہ ندیہ ص ۲۵۸

رہا مسئلہ لواطت اس کی نسبت گزارش ہے کہ حد شریعت اسلامیہ میں اس
 معین سزا کو کہتے ہیں جو محض حق اللہ کے عوض واجب ہو۔

زہد یعنی شرح کنز میں ہے۔ ہونی شرح اسم لعنوبۃ مقدرۃ
 بحسب حق اللہ تعالیٰ حد شریعت میں نام ہے اس معین سزا کا جو حق کے
 طریق پر واجب ہو، صاحب ہدایہ اپنی مشہور تصنیف مختار النوازل میں تحریر

فرماتے ہیں، اھو فی الشریعة اسم العقوبة مقدرة تجب للہ شریعت
میں وہ معین سزا کہلاتی ہے جو محض حق اللہ ہو ملتی الا بحر میں ہے الحد عقوبة
مقدرة تجب حق اللہ تعالیٰ فلا تسمى تعذیر ولا قصاص حد او التزنی وطی مکن
فی قبل خال عن ملک وشہتہ ص ۱۵۳

اور شرح وقایہ فارسی میں ہے: "حدود شرعی عقوبتی است معین کہ
برائے حق اللہ و امثال امراء واجب شود و تعزیر و قاص حد نیست بنابر
آنکہ تعزیر معین نیست و قصاص حق ولی قصاص است؛

مسئلہ:۔ زنا کے برائ حد واجب شود۔ غائب شدن اکثر حشفہ
مرد عاقل است در قبل زنی مشتہاتہ کہ در ملک نکاح یا در ملک رقبہ یا در شبہ
ملک نکاح یا در ملک رقبہ یا در شبہ آن ملک نہ باشد پس اگر معتدہ بایں باثلث
را وطی کرو حد لازم نیامد۔ و شرح وقایہ ص ۱۵۴

اور در بہیہ میں ہے وَمَنْ لَا طَبِذَ كَرِ قَتْلَ وَلَوْ كَانَ بَكْرًا وَكَذَلِكَ
الْمَفْعُولُ بِهِ إِذَا كَانَ مُحْتَارًا وَيُعَذَّرُ مَنْ نَكَحَ بِهِيَّةً (ص ۵۶)

پس جب کہ لواطت پر شریعت اسلامیہ میں کوئی مخصوص سزا مقرر
نہیں ہے، چنانچہ اسی وجہ سے خود صحابہؓ میں لوطی کی سزا کی بابت سخت اختلاف
ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے پتھر اڑ کر نامروی ہے، ملاحظہ ہو القول
الجازم مصنف عبدالحی لکھنوی ص ۳۳ حدیق اکبر دہکتی آگ میں جلانے کا حکم
دیتے ہیں، اخرجہ البہیقی ابن ابی الدنیا، ملاحظہ ہو نصب الرأیۃ لاحادیث
الہدایۃ للزیلعی جلد ۲ ص ۹ القول الجازم ص ۱۳ اور ابن عباس بلند ترین دیوار
سے اوندھے منہ گرا کر پتھر سے مارنے کا فتویٰ دیتے ہیں، بیہقی، مصنف ابن
ابی شیبہ، نصب الرأیۃ ج ۲ ص ۹ القول الجازم ص ۳۳۔

پس صحابہ کا اختلاف اٹل دلیل ہے کہ اس باب میں شرعاً کوئی خاص سزا
مقرر نہیں ہے، ہاں بطریق سیاست امام خواہ اس کو قتل کر دے یا کوئی غیر ناک
سزا دے الغرض شرعاً لو اہلقت پر حد نہیں ہے مگر تعزیر واجب ہے،

چنانچہ شرح وقائہ فارسی میں مسئلہ: بوطی بیہمہ حد لازم نشود و تعزیر
لازم گردوزیرا کہ وطی بیہمہ جنایتی است کہ در اں حد مقرر نیست کذا فی حاشیہ الجلی
مسئلہ: ہر کہ لو اہلقت کہ نزدیک امام بروئے حد لازم نشود و نزدیک
صاحبہ و یک قول شافعی بروی حد لازم شود زیرا کہ فعلی است و معنی زنا بنا بر
آنکہ دفع شہوت است در محل مشتبہ بوجہ کمال و حرام محض است آئمہ سگوئند این
فعل زنا نیست بنا بر آنکہ صحابہ در موجب آن اختلاف دارند نزدیک بعضی ہر دورا
باند سوخت و نزدیک بعضی برا و یوار انداخت، و نزدیک بعضی ہر دورا از مکان
بند سزگون باند بر تافت و بالاد آن سگھا بر تافت پس نزدیک امام اور ایکے این
اور تعزیر کنند ص ۱۵۵ حافظ ابن قیم اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں: ومن ذالك
ای السياسة العادلة تحريق الصديق اللوطي والقاء امير المؤمنين
على الله وجهه من شاهره على راسه (اعلام ج ۲ ص ۳۱۳)

خلاصہ مرام یہ کہ حد نام ہے سزا معین واجب الحق کا اور وطی بیہمہ
میں کوئی مخصوص سزا بطریق شرعاً ثابت نہیں ہے، مگر اس کا مطلب یہ
نہیں ہے کہ اس کو مطلق الغنان چھوڑ دیا جائے گا، بلکہ امام وقت اس کو مناسب
سزا دینا واجب ہے و ہوا المراد بالتعزیر والسیاسة العادلة علامہ ابن نجیم
منہج رجمہ اللہ البحر الرائق فی شرح کثیر الدقائق میں لکھتے ہیں: اجمعت الامة
على وجوبه في كبيرة لا توجب الحد كذا في التبين وفيه ايضا فساد
الحامل ان كل من ارتكب معصية ليس فيها حد مقدر وثبت عليه

عند الحاکم فانه يجب فيها التعزیر قلت کذا فی الذخیرة و
خزائنة المفتین

خود در مختار میں بھی ان دونوں فعلوں پر تعزیر کا واجب ہونا مذکور ہے۔
اعتراف کے جو شخص محرمات ابدیہ سے نکاح کرے، اس پر حد نہیں (دہلی)
جواب :- زانی کے واسطے جو شرعاً حد مقرر ہے وہ رجم ہے یا جلد،
لیکن کسی حدیث میں نہیں آیا کہ جو شخص محرمات ابدیہ سے نکاح کر کے وطی کرے
اس کو رجم کیا جاوے یا کوڑے مارے جاویں۔ اسی واسطے حضرت امام اعظم
نے ایسے شخص کے لئے یہ حد رجم یا جلد نہیں فرمائی کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں،
معرض اگر امام صاحب کے اس سند کو خلاف حدیث سمجھتا ہے، تو وہ حدیث
نقل کرے جس میں ایسے شخص کے لئے حد آئی ہو، البتہ قتل کا حکم آیا ہے۔ جس
سے امام صاحب کا یہ مذہب ثابت ہوتا ہے، کیونکہ قتل کرنا اور مال ضبط کرنا
حد زنا نہیں۔ امام صاحب ہی فرماتے ہیں کہ حاکم اس کو سخت سے سخت سزا دے
ایسے شخص کو جو سزا دی جائے تھوڑی ہے۔

فتح القدیر میں ہے۔ الاقوی ان الله ابا حنیفة الزمر عقوبة
بأشد ما یكون انما لم یثبت عقوبة فی الحد فعرف انه زنا محض
عندہ الا ان فیہ شبهة

السؤال :- یہ حکم ہدائے مخالف آئیر حرمت علیکم امہاتکم وبناتکم
اور حدیث امرنی رسول اللہ رالی رجل تزوج امرأة ابیه ان
اتینہ برأسمہ اور حدیث من نکح محوما فاقتلوه ہے۔ اقول باللہ التوفیق
واقعی یہ مذہب امام کا ہے اور صاحبین کے نزدیک برابر مد لازم ہے اور فتویٰ
صاحبین کے قول پر ہے۔

قال فی الدرر لا حد بشبهة العقد عند الامام کو طہی محرم لکھا و قال لا

علم بالحرمۃ حدیث علیہ الصلوٰۃ اور سند قول امام کی یہ ہے کہ
 بسبب کرنے نکاح کے اس کے زنا ہونے میں شبہ پڑا جس وطی میں شبہ پڑا ہو
 اگرچہ محرمات سے ہو اس سے حد نہیں آتی بموجب قول آنحضرتؐ کے کہ حدود
 دور ہو جاتے ہیں۔ شبہ پڑنے سے بموجب حدیث عن ابی ہریرۃ قال
 قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذفعوا الحدود ما وجدتم
 لا الہ مدفعاً (رواہ ابن ماجہ) اور طاعلی قاری نے ایک حدیث حضرت
 عائشہ صدیقہ سے یوں نقل کی ہے۔ ادرؤ الحدود عن المسلمین ما استلعم
 فان وجدتم للمسلم مخرجاً فخالوا سبیلہ جیسا کہ اگر کوئی شخص اپنے بیٹے
 کی لونڈی سے جان بوجھ کر وطی کرے اور اس پر حد زنا کی کسی امام کے نزدیک
 لازم نہیں آتی بسبب حدیث انت وما لک لا بیلک کے اور جو تم نے آیت
 وحدیث واسطے اثبات حد کے بیان کئے ہیں، ان میں یہ ذکر نہیں کہ جو شخص محرمات
 سے نکاح کر کے وطی کرے تو اس پر حد لازم آتی ہے۔ آیت میں صرف حرمت نکاح
 کے محرمات کی بدوں ذکر حد کے بیان ہے۔ دونوں حدیثوں مذکورہ میں بھی صرف
 ذکر قتل کرنے کا ہے سبب نکاح کے اور یہ حکم واسطے مرتد کے ہوتا ہے پس یہ
 حکم اس شخص پر جاری کیا جائے گا کہ جو شخص اس نکاح کو درست جان کر مرتد
 ہو اس واسطے بعض روایات میں ضبط کرنا مال اس کے کا بھی ذکر کیا گیا ہے،
 کذا قال فی فتح القدیر۔

پس اس واسطے دعویٰ حد زنا کے جو جلد اور رجم ہے دلائل حرمت اور قتل
 کے پیش کرنے والی اوپر کمال جہالت کے ہے

چہ خوشن سعیدی ورنہ لیخا الخ

بلکہ اس وطی پر تعریف زنا کی امام کے نزدیک صادق نہیں آتی، کیونکہ

زنا اس وطن کا نام ہے کہ جس میں ملک یمن اور نکاح اور شہہ نکاح وغیرہ لازم ہو، پس ایسی کوئی آیت یا حدیث بیان کر دو کہ جس میں یہ ذکر ہو کہ جو شخص محرمات ابدی سے نکاح کرے وطن کرے اس شخص پر بسبب اس وطن کے حد زنا کی لازم ہے ورنہ وہی بتا ہی کلمات سے جو موجب امانت امامان دین کے ہیں باز آؤ
وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ إِلَى سَبِيلٍ الْمُرْتَدِّ

مولوی عبد العزیز صاحب کا جواب ملاحظہ ہو،

بعد نکاح محرمات وطن کے کرنے سے بموجب ایک روایت فقہ کے حد کا لازم آنا ہم حنفیوں کو مضر اور مخالف نہیں ہو سکتا، کیونکہ مذہب حنفی عبارت ان روایات اور مسائل سے ہے کہ جن کو حنفیہ نے معمول اور مفتی بہ قرار دیا ہے۔ اور یہ روایت اس قسم سے نہیں جیسے اطاعت اللہ اور رسول کی عبارت استعمال ان مسائل سے ہے کہ جو علماء امت نے بعد تمیز ناسخ و منسوخ اور دفع تنافض اور تخالف کے حاصل کر کے ارقام کئے ہیں؛

کیونکہ بعض روایات کتب حدیث میں مثل بخاری وغیرہ کے ایسی موجود ہیں کہ جو عقل اور نقل کے مخالف معلوم ہوتی ہیں جیسے وطن فی الدہر کی روایت بخاری کی کتاب التفسیر میں تفسیر آئہ فِسَاءُ کُمْ خُرْتُ لَكُمْ میں موجود ہے لیکن معمول اور مفتی بہ ائمہ دین کے نہیں، پس جو کوئی روایت فقہیہ غیر مفتی بہ کو کتب فقہ سے اخذ کر کے حنفیوں پر اعتراض کرتا ہے ایسا ہے جیسے کوئی یہودی یا نصرانی آیت اور حدیث مذکورہ دیکھ کر دین محمدی پر طعن کرے۔ بلکہ صورت مذکورہ میں تو غیر مقلدین پر اعتراض اور طعن سخت وارد ہوتا ہے کیونکہ وہ قائل اس امر کے ہیں کہ بخاری و مسلم کی روایت پر بلا تحقیق عمل

کرنا جائز ہے پس اس صورت میں حضرات غیر مقلدین کے نزدیک امام بخاری بلکہ
اللہ و رسول بھی ملعون ٹھہرے، بندہ لوں کی حکایت بھی خلاف عقل و نقل ہے،
اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضور نے سحری سورج نکلنے کے قریب کھائی۔

مولانا اسماعیل گنگوہی کا جواب ملاحظہ ہو

جواب :- عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم من وقع علی ذات محرم فاقتلوه (ابن ماجہ) اللہ سے
معلوم ہوتا ہے کہ یہ حد زنا نہیں، صرف تعزیر ہے۔ اگر یوں فرمائے گا کہ حاصل
فاقتلوه فارجموا کا ایک ہے۔ سو سمجھ لیجئے گا کہ لفظ من مقتضی تعیم ہے،
محسن اور غیر محسن کو شامل ہے۔ اور کوئی قرینہ مخصوص موجود نہیں۔ غیر محسن کے حق
میں بھی حکم فاقتلوا ثابت ہوا،

حد نہ رہی لہذا القول عن ابی ہریرہؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اذفعوا الحدود ما وجدتم لہ مدفعا رواہ ابن ماجہ
تو معلوم ہوا کہ شارٹ نے اگرچہ بوجہ زجر خلق حدود مقرر کر دی ہیں۔ لیکن اصل عقائد
ہی مدعا ہے، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے الحدود تندرو الشہات
کا مضمون مسلم ہوا، اور اللہ تعالیٰ قرآن میں لا تشکوا فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ
نکاح بشرائط پایا تو جاتا تھا جس کو منع فرمایا جو شرائط نکاح تھی ان کا وجود محرمات
میں منتفع نہ تھا علت قاعد و علت قاعدہ موجود تراسی طرفین ممکن صحت نکاح
ہی میں کیا باقی رہ گیا۔ بہر حال گو بسبب نص و لا تشکوا نکاح صحیح نہیں ہوتا،
لیکن شکاکتہ تو نکاح سے ہو جاتی ہے تو اس صورت میں محض زمانہ رہا حدود
نہ دس قطع ہو گئیں، بخلاف بدیع مہیتہ کے کہ وہ قابل عقد ہی نہیں باقی گناہ ہونا اور

بات ہے، بیشک بہت سخت گناہ ہے۔ زنا سے زیادہ لہذا اس میں جس قدر تعزیر دی جاوے لائق ہے اور خود بھی امام صاحب اس باب میں تعزیر دینے کو فرماتے ہیں جیسا کہ حدیث میں خود تعزیر کو ارشاد فرمایا عن ابیہ بن عازب ان رجلاً تزوج امرأة ابیہ فامر البنی صلی اللہ علیہ وسلم بقتلہ رواہ الترمذی تو تامل فرمانا چاہیئے کہ قول امام صاحب کا قول شارح علیہ السلام ہے یا نہیں ۱۲ عن انس ان رجلاً کان یتھم بامر ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقال لعلی اذھب فا ضرب عنقه فاناء فاذا هو فی رکبی یتبرد فقال اخرج فتاولہ یدہ فاخرجه فاذا هو محبوب لیس لہ ذکر فکف عنہ واخبر بہ البنی صلی اللہ علیہ وسلم فحن فعلة زاد فی روايته وقال الشاہد مالایری الغائب اخرجہ المسلم تیسر کلمتہ ص ۱۲ کتاب الحدود باب دوم:

جواب از جانب مولانا عبد اللطیف صاحب نعمانی مدرس

دارالعلوم اعظم گڑھ

یہ امر مجمع غلیہ ہے کہ ہر معصیت اور گناہ پر شریعت میں حد نہیں ہے تاہم نہ حدود کا معاملہ قیاسی ہے کہ ایک گناہ پر حد مقرر ہو، تو اس جیسے یا اس سے بڑے گناہ پر قیاس سے حد واجب کہی جاوے۔ کون نہیں جانتا کہ شراب پینے پر شریعت میں حد ہے مگر پیشاب اور خون پینے والے کو حد نہیں لگائی جاسکتی زنا کی تہمت واجب حد قذف ہے مگر کفر کی تہمت باوجود اس سے سخت ہونے کے حد نہیں لگائی جاسکتی۔ زنا کی تہمت باوجود اس سے سخت ہونے کے حد نہیں اس لئے ہم نے مانا کہ زنا پر شریعت میں حد مقرر ہے، اور یہ بھی تسلیم کر محرمات ابدیہ سے نکاح کرنا زنا سے زیادہ سخت

بدر بڑا گناہ ہے مگر زنا کی طرح شرعاً موجب حد نہیں و من ادعیٰ فعلیہ
البيان بالحجة والبرهان

وجہ ثانی :- تمام فرق اسلامیہ خلفا من سلف اس امر پر متفق ہیں کہ
شرعاً زنا کی حد رجم کرنا یا سوکھڑے لگانا ہے، مع التفریب یا بغیر تفریب ،
علامہ نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۵۳ میں فرماتے ہیں، واجمع العلماء علی وجوب
جلد الزانی البکر مائة و رجم المحسن وهو الثيب و لم يخالف
في هذا احد من القبله الا ما حكى القاضي عياض وغيره
من الخوارج وبعض المعتزلة كالنظام واصحابه فانهم لم يقولوا
بالرجم قلت لكنهم قائلون بالجلد فلم يخرجوا عن ما قلت
مولانا عبدالحی القول الجازم میں فرماتے ہیں :-

اجمعوا علی ان حد الزنا احد الامرین لا غیر حال انک اھا واثبات
ہیں محرمات سے نکاح کرنے والے کو رجم کا یا جلد کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ
بلا تخصیص بکر و ثیب قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ملاحظہ ہو :-

۱) حدیث اول :- عن الیاء بن عاذب قال لقیتم خالی ومعه
الرأیه فقلت ابن ترید فقال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم الی رجل نکح امرأة ابیه فامرنی ان اضرب عنقه ولقد
سالته (در منشور عبد الرزاق ابن شیبہ، والحاکم وصحیحہ والبیہقی، وخرجہ ایضاً ابوداؤد
ابن ماجہ، والترمذی، والعلیادی بالفاظ مختلفہ متقاربہ،

۲) حدیث ثانی :- عن معاویہ بن مرة ابیه قال بعثنی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم الی رجل تزوج امرأة ابیه ان اضرب عنقه
وصفی صالہ (ابن ماجہ، دارقطنی)

(۲) حدیث ثالث: عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من وقع علی ذات محمد مرخا قتلہ (ترمذی، ابن ماجہ، مالک، و صحیحہ ہیں ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ محارم سے نکاح کر کے وطی کر نیوالے پر حد نہیں ہے۔ کیونکہ ابھی معلوم ہوا کہ زنا کی حد جلد یا رجم ہے۔

اور ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص قتل کیا جاوے، اور قتل حد زنا نہیں ہے ورنہ کتاب اللہ اور احادیث مشہورہ کی مخالفت لازم آئے گی اور ثانیاً اس لئے کہ اس حدیث کو بعض طرق میں امر بالقتل کے ساتھ مال لینے اور سر لانے کا بھی حکم ہے۔ حالانکہ زانی غیر محصن کو قتل نہیں کیا جاتا ہے اور پھر اس کا سر دربار میں نہیں لایا جاتا اور نہ زانی بکر و شیب کا مال حد میں لیا جاتا ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ اس کو حد نہیں لگائی جائے گی اور یہ قتل کیا جانا بھی بطریق حد نہیں،

(۳) ثالثاً: اس وجہ سے کتاب اللہ و سنت مشہورہ میں حد محصن و غیر محصن میں فرق بین ہے، اور ان احادیث میں بلا تفریق قتل کا حکم ہے، (۴) رابعاً: بعض روایات میں بدوں ذکر وطی صرف عقد ہی پر حکم قتل دیا گیا، حالانکہ نفس نکاح قطعاً زنا نہیں ہے اور نہ اس پر حد ہے،

(۵) خامساً: بعض روایات میں اخذ مال کا ذکر ہے۔ حالانکہ یہ بالاتفاق حد نہیں ہے بلکہ تعزیر و سیاست ہے اس لئے امر بالقتل بھی سیاست ہے، (۶) سادساً: اس وجہ سے کہ بعض دوسرے جرائم پر بھی قتل کا حکم حدیث

میں موجود ہے۔ مثلاً چوتھی یا پانچویں مرتبہ شراب پینا اسی طرح تکرار سرقت کے بعد چور کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حالانکہ شرب خمر خواہ کتنی ہی دفعہ مکرر ہو شراب کو حد قتل نہیں کیا جاتا۔ چور کتنی ہی بار چوری کرے اس کی حد کسی کے یہاں بھی

ہی ہے اسی طرح وطی محارم بعد النکاح میں قتل مروی ہے۔ وہ بھی حد نہیں ہے
 دیکھو دیکھو۔ اگر ان ساری باتوں سے قطع نظر کر کے تسلیم کر لیا جائے کہ
 وطی محارم بعد النکاح من حیث ذاته موجب حد ہے تو وہ وجوب حد اور سقوط
 حد میں کوئی تعارض و تضاد ہے کہ وجوب کے بعد سقوط ناممکن ہو اس لئے مانا کہ
 نفس وطی سے حد واجب مگر شبہ عقد کی وجہ سے ساقط ہو گئی اور حدود کا دفع و سقوط
 باشبہات ایک معروف امر ہے اور بہت سی حدیثیں اس پر دلالت
 کرتی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

حدیث اول: عن ابن عباسؓ ان ماعز بن مالک لما اتى
 النبي صلى الله عليه وسلم قال له (لے بعد اقرارہ بالزنا و اعادۃ سرارہ)
 اذلت قلبت او نظرت الخ (بخاری، ابوداؤد، مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد و حتی الوسع دفع کرنے چاہئیں ورنہ ثبوت
 کے بعد بار بار اس طرح کے سوال کرنا جس سے دفع حد و کی تلقین ہوتی ہے۔
 نامائیل ہے:

ما فظ ابن حجر فرماتے ہیں: وفيه جواز تلقين المقر بما بوجوب الحد
 ما يدفع به عند الحد (فتح الباری ۱۲۷ ص ۱۱)

حدیث ثانی: عن انس بن مالك قال كنت عند النبي صلى الله
 عليه وسلم فجاءه رجل فقال يا رسول الله اني اصببت حدا فاقم عليه
 قال ولم يرسل عنه قال وحضرت الصلوة فصلي مع النبي صلى الله
 عليه وسلم الصلوة قام اليه الرجل فقال يا رسول الله اني اصببت حدا
 فاقصر في كتاب الله قال اليس قد صليت حنا قال نعم قال فان الله
 قد غفر ذنبك او حدث (بخاری)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں :- وقال ايضا في هذا الحديث انه لا يكشف عن الحد ودبل يدفعه مهما امكن وهذا الرجل لم ينعهم بما عزم به اقامة الحد عليه فلعله اما به صغيرة ظهرا كبيرة توجب الحد فلم يكشفه النبي صلى الله عليه وسلم عن ذلك لان موجب الحد لا يثبت بالاحتمال وانما لم يستقره لما كان ذلك قد يدخل في التجسس المنهي عنه اما الايثار للستر ودرى في توجيه اقامة الحد عليه ندما ورجوعا ورجوعا وقد استحسب العلماء تلقين من اقر بموجب الحد بالرجوع عنه اما بالتعريض واما بما وضع منه ليدرا عنه الحد (فتح ج ۱۲ ص ۱۰۹)

حدیث ثالث :- عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ادرؤا الحد وديا الشبهات (مسند امام اعظم و ابن عدي ورواه الدارقطني والبيهقي عن علي ورواه ابن ماجة عن ابى هريرة برفوعا ادفعوا الحدود عن عباد الله ما وجدتم تملة مخرجا ورواه ابن ابى شعبة والترمذي والحاكم والبيهقي عن عائشة وكفظة ادرؤا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فان وجدتم للمسلم مخرجا فخلو سبيله فان الامام ان يخطئ في العفو خير من يخطئ في العقوبة ؟

الغرض :- یہ اور ان کے علاوہ بہت سی حدیثیں ہیں جن سے بالتصریح احتمال و اشتنباء کی حالت میں حدود کے دفع کا شرعاً مامور ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق، ابن مسعود، معاذ بن جبل، عقیب بن عامر اور دوسرے صحابہؓ سے متعدد اثار میں شبہ سے حدود کا دفع کرنا مروی ہے۔ پس اس صورت میں نکاح کا ہونا ایک شبہ موجود ہے اس لئے اگر امام اعظم نے در احکام

فتویٰ دیا تو اس کے علاوہ اور کیا گناہ کیا کہ جناب رسالت مآب کی احادیث
صحابہ کے آثار اور تابعین کے فتاویٰ پر عمل کیا۔ اس لئے جس نے جو کچھ کہنا ان
احادیث و آثار کی نسبت کہہ کر عاقبت کو خراب کرے ہاں عقد نکاح کو شبہ اور
مقوٰط حد کا باعث کہنا بھی امام صاحب کا اپنا قول نہیں اسوہ فاروقیہ کا اتباع ہے۔
موظی امام مالک میں ہے: ان طلحة الاسدیة کانت تحت رشید
الثقی فطلعتها فثکحت فی عدتها فقربها عمر ابن الخطاب وضرب
زوجها بالخففة ضربات و فرق بینہما ثم قال عمر ایما امرأة نکحت فی
عدتها فان زوجها الذی تزوج ما لم یدخل بها فرق بینہما ثم اعتدت
بقیة عدتها من زوجها الاول (المحدث)

دیکھو عورت مقتدہ تھی جس سے نکاح بنص قرآنی ممنوع ہے، مگر نکاح
کر کے دہلی کرنے والے کو آپ نے حد نہیں لگوایا۔ اس لئے کہ اس سے ایک
طرح کا شبہ پیدا ہو گیا۔ اسی طرح محرمات سے نکاح بنص قرآن ناجائز اور حرام
مگر نکاح کرنے سے اشتباہ تو ضرور پیدا ہو جاتا ہے اور شبہ کے ہوتے
توئے حد نہیں۔

مگر حد کی نفی سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اس پر کوئی سزا ہی نہیں ہے اور
فقہ حنفی اس قدر عظیم الشان گناہ کرنے والے کو مطلق العنان چھوڑ دیتی ہے
نہیں ایسا قطعاً نہیں ہے بلکہ سیاستاً قتل کر دیا جاسکتا ہے سخت سے سخت
سزا دی جاسکتی ہے اور امام پسند کرے تو اس کی کافی سزا کر کے شہر بدر کر
سکتا ہے۔ بہر کیف حد اور عقوبت مقرر نہیں ہے مگر امام پر اس کی سزا ضروری
ہے اور وہ جو سخت سزا بھی چاہے دے سکتا ہے۔

اعترض مض ۵ :- ایک زانی کے زنا پر چار گواہ ہیں۔ دو تو کہتے ہیں کہ

عورت راضی نہ تھی دو کہتے ہیں وہ راضی تھی۔ تو نہ عورت کو حد لگائی جائے گی نہ مرد کو امام ابو حنیفہ کا فتویٰ یہی ہے۔

جواب :- نہ صرف امام زفر ہی ان کے ساتھ ہیں بلکہ امام مالک امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ بھی ان کے ساتھ ہیں۔ دیکھو فتح القدیر کشوری ج ۲ ص ۲۶ میں کہتا ہوں مولوی وحید الزمان مترجم صحاح ستہ بھی ان کے ہی ساتھ ہیں چنانچہ نزل الابرار جلد دوم کے ص ۲۹۲ میں لکھتا ہے ولو شهدا ثمان منهم علی انہ زنا بھا وھی مکروۃ فلا حد علی واحد منهم۔

ترمذی شریف میں ہے :- قال سلیب المسئلہ اور ذالحدود عن المسلمین ما استطعتم فان کان لہ مخرجاً فخلوا سبیلہ فان الامام ان یخطی فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبۃ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے اور ذالحدود بالشبھات، تو اس مسئلہ میں اس لئے حد نہیں کہ ان چار گواہوں میں سے دو گواہ یقیناً کاذب ہیں تو نصاب شہادت پورا نہ ہوا۔ علامہ ازلیا فعل زنا دونوں کے ساتھ قائم ہوتا ہے اس صورت میں عورت میں عورت کی جانب سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ وہ طائعہ ہے وہ کہتے ہیں مکرہہ ہے تو ہر د کی جانب بھی لامحالہ اختلاف ہوا۔

اس لئے کہ طائعہ کے ساتھ نہ کرنا اور ہے اور مکرہہ کے ساتھ اور ہے جو دو گواہ طائعہ کی شہادت دیتے ہیں وہ طائعہ کی نفی کرتے ہیں تو نصاب شہادت مستحق نہ ہوا، چار گواہ ثابت نہ ہوئے عورت کا اگر مکرہہ ہونا ثابت ہوتا تو مکرہہ پر حد نہیں، اگر طائعہ ہے تو حد ہے یہ بھی شبہ پیدا ہو گیا اور شہادت سے حد اٹھ جاتی ہے۔ لہذا حد ساقط ہو گئی۔

اس مسئلہ کے خلاف اگر کوئی حدیث رکھتا ہے تو پیش کرے۔

اعتراض ۹ :- ایک شرابی نے اپنے شراب پینے کا اقرار کیا، لیکن اس وقت اس کے منہ سے شراب کی بدبو چلی گئی ہے تو باوجود اس کے اقرار کے اُسے حد نہیں لگے گی۔

جواب :- ہدائہ شریف کی اس عبارت کے آگے امام محمدؒ کا قول لکھا ہے۔ وقال محمد بن یحییٰ بن ابی الہمام نے فتح قدیر میں اسی کو صحیح کہا چنانچہ فرمایا قول محمد بن یحییٰ بن ابی الہمام ج ۲ ص ۱۸۱ اور غنائۃ البیان میں قول محمد کو ترجیح دی گئی ہے۔ بحر الرائق میں بھی قول محمد کو ترجیح من جہتہ المعنی کہا گیا ہے فقہائے قول امام محمدؒ کو صحیح فرمایا، پھر کیا اعتراض اور امام محمدؒ کو صحیح فرمایا، پھر کیا اعتراض اور امام محمدؒ و دیگر تلامذہ امام اعظم رحمہ اللہ کے جملہ اقوال امام اعظم رحمہ اللہ کے ہی اقوال ہیں صرح بالشعرائی فی میزانہ والشامی فی تصانیفہ اعتراض منہ۔ شرابی نے شراب پی جب اس کے منہ کی بدبو چلی گئی تو اگرچہ گواہ گواہی دیں تاہم حد نہیں لگائی جائے گی۔

جواب :- اس میں بھی امام محمدؒ کا قول ہدایہ شریف میں مرقوم ہے کہ حد لگائی جاوے، حاصل یہ ہے کہ تقادم قبول شہادت کا مانع ہے کما سر یعنی گواہوں کا پہلے خاموش رہنا پھر دیر کے بعد شہادت دینا اثبات کی تہمت پیدا کر دیتا ہے کہ شاید ان کو کسی عداوت نے ادائے شہادت پر برا بیگختہ کیا۔ اور متہم کی شہادت معتبر نہیں اور اس دیر کی حد امام محمدؒ کے نزدیک ایک مہینہ ہے، امام اعظم و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بو کے زائل ہونے تک ہے۔ یعنی بو کے زائل ہونے تک بلا غدر گواہوں کا ادائے شہادت سے خاموش رہنا تہمت پیدا کر دیتا ہے اس لئے ان کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ نہ حد لگے گی، ہدایہ شریف میں اس مسئلہ کی دلیل میں قول ابن مسعودؓ نقل کیا ہے۔

آپ نے فرمایا وَجَذْتُمْ رَاْحَةَ الْخَمْرِ فَاَجْلِدُوْهُ اِذَا تَمَّ شَرَابُ كِيْ
 پاؤ تو حد لگاؤ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

اعتراض ۱۱۔ جو نشہ لائے والی مباح : چیزیں ہیں ان کے استعمال
 سے اگر نشہ اُڑے تو حد نہیں جیسے بھنگ کا پینا۔

جواب :- اس مسئلہ کے برخلاف کوئی آیت یا حدیث صحیحہ مرفوع
 ہے تو پیش کرو۔ جس پر بھنگ پینے پر حد لگانے کا حکم ہو ورنہ کچھ نہیں۔

اعتراض ۱۲۔ زانی کو سنگسار کرنے کے وقت پہلے گواہ سنگباری
 شروع کریں، اگر وہ نہ کریں تو حد ساقط ہوگی،

جواب :- خود صاحب ہدائیہ نے لکھا ہے لَانْهٖ دَلَالَةُ الرَّجْوِ
 اور فرمایا حضور علیہ السلام نے اَدْمَاؤُا لِحُدُوْدٍ عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ مَا اسْتَطَعْتُمْ
 (ترمذی) اور گواہوں کو چونکہ صریح رجوع نہیں اس لئے سنگباری نہ کرنے
 سے ان کو بھی قذف نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ انہوں نے سنگباری محض ضعف
 نفوس کے سبب ترک کیا ہو، جیسے بعض لوگ حیوان حلال کو بھی ذبح نہیں کرتے
 بلکہ ذبح کے وقت سامنے بھی نہیں ٹھہرتے،

اعتراض ۱۳۔ جو شخص اپنے باپ یا ماں کی یا اپنی بیوی کی لونڈی
 سے زنا کرے اور یہ کہہ دے کہ میں نے خیال کیا تھا، کہ یہ مجھ پر حلال ہے تو اسے
 حد نہیں لگائی جائے گی۔

جواب :- ہدائیہ شریف میں اس کی وجہ لکھی گئی ہے کہ یہ مشبہ باشتباہ
 ہے۔ اس لئے کہ انت وما لک لا یسلک حدیث ہے اسی طرح خاوند اپنی
 بیوی کے مال سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے طہرانی بیہقی ۱۲

کو حضرت خدیجہ کے مال سے غنی فرمایا۔ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ اِیسی
 صورت میں ماں باپ یا زوجہ کی لونڈی کو حلال طن کر لینا محتمل ہے، تو جب
 اس نے حلت کا ظن کیا تو شبہ اشتباہ ہوا اور شبہات کے سبب حد کو ٹال
 دینا احادیث میں آیا ہے۔ چنانچہ ادارۃ الحدود ما استطعتم جو کہ ابو یعلیٰ کی
 سند میں مرفوعاً ذکر ہے اور امام اعظم کی مسند میں ابن عباس سے مروی ہے
 ادارۃ الحدود بالشبہات ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ
 امیر المؤمنین عمر فاروق نے فرمایا کہ اگر تمیں حدود کو بسبب شبہات کے معطل
 رکھو تو میرے نزدیک محبوب تر ہے اس سے کہ شبہات سے اقامت حدود
 کروں، اور معاذ اور عبداللہ بن مسعود عقبہ بن عامر سے ابن ابی شیبہ نے
 روایت کی کہ ان حضرات نے کہ جب تجھ کو شبہ پڑے حد میں تو ٹال دے۔

(غایۃ الاوطار ص ۳۱۷) تو اتعال املاک بین الاصول الفروع سے یہ گمان
 ہوتا ہے کہ ولد کو والدین کی لونڈی کے جماع میں ولایت ہے۔ معترض کو اس
 میں کیا کلام ہے۔ کیا یہ اشتباہ نہیں اور کیا شبہات سے حدود کا ٹال لینا احادیث
 میں نہیں اگر ہے تو پھر فقہ حنفیہ پر کیا اعتراض؟

اعتراض ملا۔ کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں پھر
 اس نے عدت کے اندر زنا کیا۔ یا طلاق بائن مال لے کر دے دی، پھر عدت
 میں زنا کیا اور ام ولد لونڈی کو آزاد کر دیا اور عدت میں اس سے زنا کاری کی
 اور غلام نے اپنے آقا کی لونڈی سے زنا کیا، اگر یہ لوگ کہیں کہ ہم نے اس
 سے حلال جانا تھا تو ان میں سے کسی پر حد نہیں ۱۳ (ہدایہ)

جواب۔ ان مواضع میں بھی بسبب شبہ فعل حد ساقط ہے، مطلقہ
 غلطہ کی اگرچہ حرمت قطعی ہے، لیکن بعض احکام نکاح کے بقاء سے ظن حلت

کاشیہ پڑ سکتا ہے، مثلاً وجوب نفقہ اور مسکن اور منع خروج اور ثبوت نسب وغیرہ نو اس کی حلت کے ظن کا استقاط حد میں اعتبار کیا گیا، اور وہی حدیث اور واحد الحدود بالشبهات اپنے اطلاق کے سبب اس کو بھی شامل ہوئی، اسی طرح ام ولد جس کو اس کے مالک نے آزاد کیا اور مطلقہ علیہ المال بمنزلہ مطلقہ ثلثہ کے ہے کہ ان میں بھی بعض آثار ملک کا بقا موجب ظن حلت ہے، اسی طرح غلام کا اپنے آقا کی لونڈی سے زنا کرنا بسبب انبساط موجب ظن حلت ہے کہ غلام اپنے آقا کے مال کو خرچ کر سکتا ہے اور لونڈی اس کا مال ہے تو ہو سکتا ہے کہ غلام اس کو حلال ظن کر لے اس لئے اس کے ظن کا بھی اعتبار کیا گیا، اور اس شبہ کے سبب اس پر سے حد ساقط ہوئی، ہاں اگر ان سبب مواضع میں حلت کا ظن نہ ہو، بلکہ وہ حرام جانتے ہوں پھر زنا کریں، تو ضرور حد واجب ہوگی چنانچہ ہدائیہ میں ہے۔

ولو قال علمت انھا علی حرام وجب الحد

اعترض ۱۵۱۔ اگر کسی کے پاس دوسرے کی لونڈی گروی ہو اور وہ اس سے بدکاری کرے تو اس پر بھی کوئی حد نہیں، خواہ کہے میں حلال خیال کرتا تھا، خواہ کہے میں اس سے حرام جانتا تھا۔

جواب ۱۔ اگر حرام جانتا ہو تو صحیح درمختار میں ہے کہ اس پر حد واجب ہے، بحر الرائق کے ص ۵۷ میں ہے والحدود فيما اذا علم الحرمه والاعم وجوبه یعنی اگر حرام جانتا ہو تو واضح یہی ہے کہ حد واجب ہے، اور اگر حلال ظن کرے تو اس پر حد نہیں اس لئے کہ مرہونہ پر مرہن کی ملکیت تصرف ہونا مرہونہ کی جماع کی حلت کا موجب ہے۔ (کذا فی الطحاوی ۱۲)

اعترض ۱۵۲۔ اگر کوئی شخص اپنی اولاد یا اولاد کی اولاد کی لونڈی

سے بدکاری کرے اگرچہ وہ جانتا ہو کہ یہ اس پر حرام ہے۔ تاہم اس سے حد نہ ماری جاوے۔

جواب :- یہ مثال شبہ محل کی یعنی شبہ محل سے بھی حدود ساقط ہو جاتی ہیں اور شبہ محل وہ ہے جس میں محل کی حلت کا شبہ بحکم شرع ثابت ہو، تو شبہ محل میں استقاط حدود کا مدار دلیل شرعی پر ہے۔ نہ زانی کے اعتقاد پر، اس واسطے کہ دلیل کے ثابت ہونے کے سبب نفس الامر میں شبہ قائم ہے، زانی اس کو جانے یا نہ جانے، ابن ماجہ نے جابر سے روایت کی کہ ایک مرد نے کہا، یا رسول اللہ! میرا مال ہے اور میرا بیٹا ہے اور میرا باپ مال کو مانگتا ہے۔ حالانکہ وہ میرے مال کا محتاج نہیں تو آپ نے فرمایا انت وصالک لا یبطلک تو تیرا مال تیرے باپ کا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیٹے کا مال والد کا مال ہے، تو بیٹے کی لونڈی چونکہ اس کا مال ہے اس لئے اس کی دہلی کی حلت کا شبہ ثابت ہو گیا تو اس سے حد ساقط ہو گئی۔ ہذا یہ شریف میں ہے۔ لون الشبهة حکمیة لانها نشارت عن دلیل وهو قوله عليه السلام انت وصالک لا یبطلک کر یہ شبہ حکمیہ ہے، اس لئے کہ دلیل سے پیدا ہوا۔ اور وہ دلیل قول علیہ السلام ہے کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے اس حدیث کو طبرانی اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے،

اعتراف مکتا :- ہذا یہ میں ہے کہ اگر تھوڑے پانی میں سور کا بال گر پڑے تو امام محمدؒ کے نزدیک پانی خراب نہ ہوگا؛

جواب :- یہ روایت مفتی بہ نہیں ہے اسی ہذا یہ میں اسی قول کے پہلے لکھا ہے۔ ولا یجوز بیع شعر الخنزیر لانہ نجس العین فلا یجوز بیعہ اھانۃ پھر اس عبارت کے آگے لکھا ہے۔ افسدہ عند ابی یوسف شیخ

عبدالحی ہدائیہ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں، والصحیح قوابی یوسفؑ بحر الرائق ج ۶ ص ۸۱
میں اس کو صحیح لکھا ہے، درمختار میں بھی اس کو صحیح لکھا ہے چنانچہ فرمایا۔

ويفسد الماء على الصحيح

وہی احمد سورتی منیہ کے حاشیہ ص ۱۱۱ میں بدائع سے نقل کرتے ہیں الصحیح

انہا بخة لان نجاسته الخنزیر لیست بما فيه من الطوبیة بل لعینہ
اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ ضعیف مذہب میں صحیح یہی ہے کہ سور کا بال پلید
ہے۔ اور پانی میں گرے تو پانی پلید ہو جائے گا، لیکن غیر مقلد مذہب میں سور نجس
عین نہیں دیکھو در ربیعہ اور نزل الا برار اور پانی میں گرے تو غیر مقلد کے نزدیک
بہر حال پانی پاک ہے۔

اعتراف ص ۱۱۱۔ مختار الفتاویٰ میں ہے جس نے نماز پڑھی اس کی آیتیں

میں سور کے بال درہم سے بہت زیادہ ہوں تو نماز ہو جائے گی ۱۲

جواب :- یہ مسئلہ بھی اسی غیر صحیح روایت پر متفرع ہے علامہ شامی

ج ۴ ص ۱۲۵ میں اس روایت کے آگے لکھتے ہیں ینبغی ان یخرج علی القول

بطهارته فی حقہم اما علی قول ابی یوسف فلا وهو الاوجه

علامہ شامی، ابن ہمام، ابن نجیم، اس روایت کو غیر صحیح روایت متفرع فرما
کر لکھتے ہیں کہ مطابق قول ابو یوسفؑ اس شخص کی نماز ناجائز ہوگی، جو بال
خنزیر کا اٹھا کر نماز پڑھے اور یہی اوجہ (مفتی بہ) ہے اور ایسا ہی مولوی
وہی احمد مدینہ کے حاشیہ پر محیط رضی الدین سے نقل کرتے ہیں کہ ظاہر الروایت
میں سور کا بال اٹھانے والے کی نماز ناجائز ہوگی۔ اب ہم اہل حدیث سے
پوچھتے ہیں کہ تمہارا مذہب کیا ہے تمہارے نزدیک اس کی نماز ہوگی یا نہیں ۱۳
اعتراف ص ۱۱۹ :- درمختار میں ہے پیاسا شراب پی سکتا ہے۔ ۱۴

اسی پر فتویٰ ہے :

جواب :- درمختار میں تداویٰ بالحریم کے مسئلہ میں اختلاف بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ حرام چیز کے ساتھ دوائی کرنا ظاہر مذہب میں حرام ہے ؛ پھر آگے لکھا ہے ۔ وقیل یرخص اذا علم فیہ شفاء ولم یعلم دواء اخر کما رخص الخمر للعطشان علیہ الفتویٰ اس سے معلوم ہوا کہ علیہ الفتویٰ تداویٰ بالحریم کی رخصت کے قول کے متعلق ہے مگر تم نے علیہ الفتویٰ کو ایسی صورت میں لکھا کہ شراب پینے کی رخصت پر چسپان ہو، پھر عطشان مبالغہ ہے۔ بمثل رحمٰن جس کے معنی نہایت پیاسا ہے اور یہ حالت اضطراری ہے اور حالت اضطراری میں بالاتفاق اکل میتہ و شرب خمر جائز ہے بجز حالت اضطرار شراب کا ایک قطرہ بھی پینا حرام ہے اور مضطر بھی بقدر ضرورت پئے، اگر ضرورت سے زیادہ پئے گا تو اس پر حد لگے گی ؛

تنبیہ :- امام شعرانی، ابن الہمام، علامہ شامی نے تصریح کی ہے کہ امام اعظم کے تلامذہ نے حلفاً کہا ہے کہ ہمارا جو قول ہے وہ بھی امام اعظم ہی کا قول ہے۔ جس طرح صحیح حدیث کے مقابلہ میں ضعیف پر عمل نہیں ہوتا اسی طرح فقہ میں قول مفتی بہ پر عمل ہوتا ہے۔ جس قول پر فتویٰ نہ ہو اس پر عمل نہیں ہوتا۔

اعتراف منہ :- نیز امام صاحب کے نزدیک شراب کی بیع و شری بھی ذمی کی وکالت سے صحیح ہے (درمختار)

جواب :- درمختار میں جہاں شراب کی بیع و شراذمی کی وکالت کے صحیح عند الامام لکھی ہے وہاں یہ لفظ بھی ہے مع اشد کراہۃ یعنی صحیح ہے لیکن نہایت کراہت کے ساتھ غائۃ الاوطار ص ۵۷ ج ۳ میں طحاوی سے منقول ہے کہ جب امام کے نزدیک جواز بیع اور شراذم اشد کراہت کے ساتھ ہو تو مسلم کو واجب ہے کہ

در صورت خریدن بکوسر کر بناوے یا اس کو زمین پر بہارے اور سور کو چھوڑ دے
اور در صورت بیع اس کے ثمن کو تصدیق کرے پھر در مختار میں اس کے آگے
ہے وقال لا یصح وهو الا ظہر شر تبلا لیسہ عن البرہان اور
صاحبین نے کہا کہ بیع مذکور صحیح نہیں اور یہی اظہر ہے، پس باوجود مفتی ہونے
قول عدم صحت کے قول صحت بلا ذکر اشد کراہت نقل کرنا و باہیوں کی ایمانداری
کا ایک نمونہ ہے، شرح وقایہ ناری میں ہے۔

مسئلہ: شراب ذمی یا باجرت برداشتق نزدیک امام جائزہ بود
و نزدیک صاحبیہ جائز نہ باشد واجرت ان حرام شود (شرح وقایہ ص ۱۱)
اعتراف ۲۱: کھجور کے شراب سے وضو کرنا جائز اور اس کا پینا بھی حلال

ہے۔ ہدایہ۔

جواب: امام اعظمؒ کی یہ روایت مفتی رہنمائی خود فقہار علیم الرحمتہ نے تصریح کی
ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح اور مفتی بہ یہ روایت نہیں کیونکہ نہ اس کے دور
جائز ہے اور نہ اس کا پینا درست ہے خود صاحب ہدایہ نے ضامین اسکا ذکر کیا
چنانچہ لکھتے ہیں کہ قال ابو یوسف تیمم ولا توضأ بہ وهو رافضی عن
ابی حنیفۃ اور یہی قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا آخری ہے۔

چنانچہ علامہ عینی شرح ہدایہ جلد اول ص ۲۸۲ میں فرماتے ہیں روی عند
نوح بن ابی مریم واسد بن عمرو والحسن انہ تیمم ولا یوضأ
بہ قال قاضی خان هو الصحیح وهو قول الانصاری وقد رجع الیہ
عینی شرح ہذا جلد اول اور حافظ ابن حجر فتح باری پارہ اول ص ۱۸
میں لکھتے ہیں کہ قاضی خان نے ذکر کیا ہے کہ امام صاحب نے ہمیشہ ترمیم
و وضو جائز ہونے کی طرف رجوع کیا۔ ذکر قاضی خان ان ابی حنیفۃ
الیٰ هذا القول (فتح الباری) ص ۱۸۴

پس دیکھو اس میں لکھا ہے کہ یہ قول مختار (یعنی مفتی یہ) کے خلاف ہے۔ رہا یہ کہ غائتہ الاوطار میں لکھا ہے کہ دوسری نجاست کو دھو کر پاک کر سکتے ہیں۔ بالکل غلط ہے۔ غائتہ الاوطار میں یہ لفظ ہرگز نہیں اگر وہ کھلا گئے تو چار پیسے انعام پاؤ گے۔

علامہ شامی جلد اول ص ۲۲۵ میں فرماتے ہیں۔

قوله مزیل) لم یقل مطہراً لما علمت من ان بول الماکول لا یطہر اتفاقاً، انما الخلاف فی ازالته للنجاسة الکائنة اور اسی صفحہ میں چند سطور پہلے فرماتے ہیں:۔

قبول ما یوکل لا یطہر محل النجاسة اتفاقاً بل ولا یزیل حکم الغلیظة فی المختار یعنی ضعیف قول میں صرف غلیظہ کے حکم کو زائل کرتا ہے پاک نہیں کرتا۔

امام یوسف چونکہ بول حلال جانوروں کا نجس مانتے ہیں۔ پھر مسئلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ ہمرا حفظنا۔

اعراض ص ۲۲۱: منیہ ص ۶۳ میں ہے ولا احرق العذرة والروث نصار صاراً او مات الحمار فی المملحة فصار ملحاً او وقع الروث فی البیر فصار حملاً ذالت نجاسة وطهرت عند محمد خلا قال ابی یوسف حتی لو اکل المملح او صلی علی ذالک الرماد جازت

جواب: منیہ کی شرح صغیری میں لکھا ہے، فان عنده المحرق لا یطهر العین النجسة بل یبقى اثرها نجسا وعلیه الفتویٰ علی قول مجتہد لتبديل تلك بالکلیة وعبودتها حقيقة اخری کا الحمار اذا صار خلا اور خود معینہ کے اسی صفحہ پر لکھا ہے ولو وقع ذالک الرماد فی الماء

الصحيح انه يتنجس -

اور منیہ کے ماشیہ پر لکھا ہے و هو ليس بصحيح الا على قول ابی
یوسف فی التجنیس نحشیة ما بهما بول فا حترقت ووقع رما وها
فی بیدر یفسد الماء وکذا لک رماد العذرة وکذا الحمار اذا مات
فی المباحة لا یوکل وهذا کلمة قول ابی یوسف خلافا لمحمد
فعلم ان الحكم عند محمد عدم فساد البیدر لوقوع ذالک
الرماد وجواز اکل الملح ۱۲ جلی،

اعترض نشأ ایک قول میں ہے جنت میں بھی وطنی فی الدہر ہوا کرے گی۔
جواب :- اور متعصب! کچھ تو خدا کا خوف کر جس قول کو خود فقہاء نے بصیغہ
تہریض بیان کیا ہے۔ پھر اس کی تردید بھی کر دی ہو اس کو الزاماً پیش کرنا
کی مناظرہ کا واسطہ ہے۔ سنیے خود در مختار میں لکھا ہے ولا تكون اللواطۃ فی
الجنة علی الصحيح حموی شرح اشتیاء مشکۃ میں لکھا ہے۔ وقد صح فی الفتح
عدم وجودها فی الجنة یعنی فتح القدیر میں اس کو صحیح لکھا ہے کہ اس کا وجود
جنت میں نہیں ہوگا۔

پھر آگے مری میں ہے۔ وقد ذکر فی الفتوحات المکیة فی صفة اهل
الجنة انهم لا ادبار لهم لان الرب انما خلق فی الدنیا الخروج
الغائط النجس فلیست الجنة محلا للقاذورات، قلت فیکل هذا
لا وجوب لہا فی الجنة علی کل حال والحمد للہ الکریم المتعال۔
اہل حدیث کے نزدیک حرمت لواطت قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے

دیکھو ابن ماجہ مصنف و حید الزمان جزا اور امام بخاری صحیح اور ابن حجر فتح الباری
میں فاتوا حرثکم فی شتمکم کا نزول اسی کی رخصت میں نقل کرتے ہیں،

اور فمن ابتغى وراء ذلك فاذا فلتك همرا لعادون سے مرست
وطی فی الدبر کی قطعیت پر دلیل نہیں نکلتی، اس آیت سے تو غایت مافی
الباب یہ ثابت ہوتا ہے کہ بجز ازواج مملوکہ کے کسی دوسری وجہ سے اپنی خواہش
پوری کرنے والا حد سے گزرنے والا ہے لیکن جو شخص اپنی منکوحہ یا لونڈی سے
کرے اس کی ممانعت اس آیت سے کس طرح نکلتی گی۔ ذرا بیان تو کر دتا کہ
ہیں آپ کے طریق استدلال کا پتہ چلے۔

اعتراف ص ۲۴: رکوع سجود والی نماز میں کھلکھلا کر ہنس پڑا تو وضو ٹوٹ
جائے گا۔ جنازہ کی نماز میں یا سجدہ تلاوت میں کھلکھلا کر ہنسنے سے وضو
نہیں جائے گا ۱۲ (ہدایہ)

جواب: علامہ عبدالحی لکھنوی نے ہدایہ شریف کے ص ۱۲ کے حاشیہ پر
لکھا ہے کہ علامہ زبلی کی تحریر سے سمجھا جاتا ہے کہ احادیث قہقہہ بعض تو مرسل
ہیں اور بعض مسندہ، اور اس کا مضمون یہ ہے۔ وقصته ان الصحابة كانوا
يصلون خلف رسول الله فجااء اعرابي وفي عينه سوء فوقع في حفرة
كانت هناك فضحك بعض الصحابة فقال لهم رسول الله صلى
الله عليه وسلم الا من ضحك منكم قهرقه فليعدا الوضوء للصلاة جميعا
اگر کہا جائے کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو میں کہتا ہوں کہ پھر بھی قیاس پر
مقدم ہے۔ اور کسی حدیث صحیح کے مخالف بھی نہیں،

میں کہتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایک شخص کو نماز پڑھتے
دیکھا کہ اس کا ازار ٹخنوں سے نیچے تھا تو حضور علیہ السلام نے اس کو فرمایا
اذ هب فتوضأ جاً وضو کر (رواہ ابو داؤد مشکوٰۃ ص ۶۵) تو جو شخص نماز میں
قہقہہ کر کے ہنس پڑے وہ کیوں وضو نہ کرے، نماز میں کھلکھلا کر ہنسنا ایک گناہ

ہے جس کے واسطے وضو کفارہ ہو سکتا ہے کہ حتی سبحانہ و تعالیٰ طہارت ظاہر سے
اس کے باطن کو بھی باہر کر دے،

واللہ اعلم

رہی یہ بات کہ ہدایت شریف رکوع سجود والی نماز میں قہقہہ مفسد نماز لکھا
ہے۔ جنازہ و سجدہ تلاوت میں فساد وضو کا حکم نہیں دیا۔ اس کی وجہ خود ہدایت
میں ہی موجود ہے کہ حدیث نماز مطلقہ یعنی کاملہ کے بارہ میں وارد ہوئی ہے۔ اولاً
وہ نماز رکوع سجود والی ہے، اسی پر اس کا اقتصار رہے گا یعنی نماز جنازہ و
سجدہ تلاوت چونکہ نماز کامل نہیں اس لئے یہ حکم اس کو نہیں ہوگا۔ جنازہ کی نماز
من وجہ نماز ہے اور من وجہ دعا ہے، نہ تو پوری نماز ہے کہ اس میں نہ رکوع
ہے نہ سجود، نہ تشهد نہ قرأت نہ صرف دعا ہے کہ اس میں وضو استقبال قبلہ
ضروری ہے، دعا میں ضروری نہیں، اس لئے جنازہ و سجدہ تلاوت کو یہ حکم
شامل نہ ہوگا، پیچ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصلات لا
يجتمعان فی منافق حسن سنت ر لا نفقه فی الدین (مشکوٰۃ ص ۲۶)
اعتراض ۲۷ :- چوپائے کے ساتھ بد فعلی کرنی اور شرم گاہ کے سوا
اور جگہ بد فعلی کرنی
جب تک انزال نہ ہو

غسل واجب نہیں۔

جواب :- فرمائے یہ مسئلہ کس آیت یا حدیث کے خلاف ہے اگر کسی
حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چوپائے کے ساتھ یا
شرم گاہ کے علاوہ کوئی شہوت رانی کرے تو بلا انزال اس پر غسل واجب ہے
تو وہ حدیث بیان کر دے ورنہ شرم کر دے و غسل احوط امام بخاری فرما رہا ہے،
تو چوپائے یا تنغیز یا تبطین سے بلا انزال غسل کس دلیل سے لازم سمجھا جاوے گا،

البتہ ہدایہ میں عدم وجوب غسل پر دلیل بھی لکھی ہے کہ اس کی سبب ناقص ہے۔ مگر یہ دلیل کوئی فقیہ سمجھے۔ فقہ کے دشمنوں کو اس کی کیا سمجھ؟

سنگ بداعمل اگر کاسہ زرین شکستہ

قیمت سنگ نیفزائند زر کم نشود

اعتراف ص ۱۲۸۔ حنفیوں کے نزدیک وہ روئی جس کی خمیر میں شراب کی میل ڈالی جاتی ہے۔ پاک ہے اور اس کا کھانا حلال ہے۔ اس لئے کہ خمیر کے نجس ہونے پر کوئی دلیل نہیں (حوالہ ندارد)

جواب :- یہ صریح کذب ہے۔ دیکھو ہدایہ شریف ج ۴ ص ۵۹ میں صاف لکھا ہے۔ ویکیرہ اکل خبز عجن عجینہ بالخمر لقیام اجزاء الخمر فیہ یعنی وہ روئی جس کا خمیر شراب کے ساتھ گوند رہا ہو اس کا کھانا منع ہے۔ اس لئے کہ اس میں شراب کے اجزاء موجود ہیں۔ عبدالحی اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں فہذا الخبز نجس کما لو عجن بالبول ۱۲

عالمگیری ص ۱۸۲ میں ہے ما ذا عجن الدقیق بالخمر وخبز لا یوکل ویکھو کیا صاف مسئلہ ہے اور جو مسئلہ درمختار میں ہے وہ مسئلہ ہی اور ہے اس کا اور اس کا کوئی تعلق نہیں وہ انقلاب عین کا مسئلہ ہے۔

اعتراف ص ۲۹ اگر گیہوں شراب میں گرے تو اس کا کھانا حنفیوں کے نزدیک جائز ہے۔ (عالمگیری ص ۳۲)

جواب :- عالمگیری میں صاف تصریح ہے کہ لا توکل قبل الغل مگر پھولنے سے پہلے دھو کر کھا لینی جائز ہے اگر پھول جائے تو امام محمد کے نزدیک پاک ہی نہیں ہوتا درمختار ص ۳۱ میں اس پر فتویٰ لکھا ہے چنانچہ لکھا ہے۔ جنطۃ طہیۃ فی خمر لا تطہر ابدالہ یفتی عالمگیری

۲۲ کی اگر پوری عبارت دیکھو تو تم کو یہ ملے گا۔ قال ابو حنیفۃ لا
یطہر ایدا وعلیہ الفتویٰ

اعترض من ۲۳: یعنی کسی غریب مسکین شخص کو زکوٰۃ کے مال میں سے
دوسو درہم یعنی پچاس روپے یا اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے۔

جواب: تمہاری آنکھیں نہیں آگے دات دفعہ جاز بھی لکھا
ہوا ہے۔

اعترض من ۲۴: مشت زنی کرنے والے کا روزہ نہیں ٹوٹتا، حنفی
مذہب کے فقہاء نے بھی کہا ہے۔

جواب: معترض نے اگر کتب فقہ کی استاد سے پڑھی ہوتیں تو اس
سے معلوم ہوتا کہ صاحب ہدایہ جب لفظ قالوا کہتا ہے تو اس کی کیا مراد ہوتی
ہے۔ یہاں بھی صاحب ہدایہ نے علی ما قالوا کہا ہے،

لو ہم بتاتے ہیں شائد تمہاری سمجھ میں آجاوے تو بندہ شکر گزار بنو۔
شیخ عبدالحی لکھنوی مقدمہ عمدۃ الرعاۃ کے صفحہ ۱۱۱ میں فرماتے ہیں۔ لفظ
قالوا استعمال فیما فیہ اختلاف المشائخ کذا فی النہائۃ
فی کتاب الفضی و فی العنایۃ و البنائۃ فی باب ما یفسد
الصلوۃ و ذکر ابن الہمام فی فتح القدیر فی باب ما یفسد الصلوۃ
و ذکر ابن الہمام فی فتح القدیر فی باب ما یوجب القضاء و الکفارة
من کتاب الصرم ان الذی عادتہ ای صاحب الہدایۃ فی
مثلہ افادۃ الضعف مع الخلاف انتہی و کذا ذکرہ سعد الدین
التفازانی ان فی لفظ قالوا اشارۃ الی ضعف ما قالوا (عمد الرعاۃ)
ہدایہ کے حاشیہ پر لکھا ہے قالو علی ما قالوا عادتہ فی مثلہ

افادة الضعف مع الخلاف وعامة المشائخ على ان الاستحناء مفطر
وقال المصنف في التجنیس انه المختار

معلوم ہوا کہ صاحب ہدایہ نے لفظ قالوا سے اس قول کے ضعف
کی طرف اشارہ کیا ہے تو جس قول کو خود مصنف ضعیف کہے اس کو محل
طعن بنانا وہابیوں کا وطیرہ ہے۔

فتاویٰ عالمگیری ص ۱۶۳ میں ہے المصائم اذا عالج ذکرہ حتی
امنی علیہ القضاء و هو المختار و یہ قال عامة المشائخ ۱۲

اور اس مسئلہ سے یہ سمجھنا کہ مشیت زنی حنفیہ کے نزدیک جائز ہے
سراسر افتراء ہے بلکہ وہابیوں نے جائز لکھا ہے، دیکھو عرف الجادی؛
اعتراض ۳۲ :- مردہ عورت یا چوپائے سے بد فعلی کرنے سے
روزہ کا کفارہ نہیں آتا، اگرچہ دل کھول کر کیا ہو، یہاں تک کہ انزال بھی ہو
گیا ہو۔

جواب :- بتاؤ یہ مسئلہ کس آیت یا حدیث کے خلاف ہے چونکہ
حدیث شریف میں ایسے شخص کے لئے کوئی کفارہ نہیں آیا۔ اس لئے حضرات
فقہاء علیہم الرحمۃ نے کفارہ نہیں فرمایا، کفارہ ایسے جماع میں ہے جو محل مشتبہ
میں ہو، مرد عورت یا بہیمہ چونکہ محل مشتبہ نہیں اس لئے کفارہ بھی نہیں اگر
معارض کے پاس اس کے برخلاف کوئی دلیل ہے۔ ائمہ پر طعن بے جا ہے
باز رہے لیکن اس سے کوئی کم فہم یہ نہ سمجھ لے کہ حنفیہ کے نزدیک مردہ عورت
یا چوپایہ سے وطی کرنا جائز ہے، معاذ اللہ ہرگز نہیں بلکہ یہاں تو صرف اس
قدر ذکر ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا کرے اور وہ روزہ دار بھی ہو تو اس کا روزہ
ٹوٹ جائے گا، مگر کفارہ نہیں، کہ حقیقتاً جماع پایا نہیں گیا لیکن اس کی سزا وہ

اعترض ۳۳ :- اگر نجاست خفیف ہو اور اس سے کپڑا نجس ہو گیا ہو۔ اگرچہ چوتھے حصے سے کم ہو تو اس کو پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے، امام ابو حنیفہ کا حکم یہی ہے۔

جواب :- امام اعظم کے نزدیک نجاست مغلظہ وہ ہے جس کی نجاست میں نص وارد ہو اور اس کے معاوضہ میں کوئی نص نہ ہو، اور مخففہ وہ ہے جس کے معاوضہ میں کوئی نص نہ ہو، علامہ شامی ص ۲۳۲ جلد ۱ میں فرماتے ہیں۔
اعلم ان المغلظ من النجاسة عند الامام ما ورد فيه نص لم يعارضه نص اخر فان عرس نص اخر مخفف كبول ما يوكل لحمه (شامی)

علامہ طحاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۵۵ میں ان الامام قال ما توافق على نجاسة الادلة فمغلظ سواء اختلفت فيه العلماء وكان فيه بلوى امر لا والاف هو مخفف ۱۲ (طحاوی)

جب یہ معلوم ہو گیا کہ امام صاحب کے نزدیک نجاست خفیفہ وہ ہے جس کی نجاست اور طہارت میں دلائل کا تعارض ہو یعنی دلائل سے اس شے کا نجس ہونا، مثلاً حلال جانوروں کا بول کہ بعض روایات میں اس کا پاک ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث عرینین جن کو حضور علیہ السلام نے اونٹ کے بول پینے کی اجازت فرمائی۔

فور الانوار ص ۱۵ پر اس کی بحث کی گئی ہے۔ اور حدیث حسن بصری جس میں انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے تمتع سے روکنے کا ارادہ کیا تو ابی بن کعب نے فرمایا۔ یس ذالک لک، کہ تمہیں روکنے کا حق نہیں، کیونکہ ہم رسول اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ تمتع کیا، اور حضرت عمرؓ نے جہرہ کے حلوں سے منع کر سنے پر ارادہ کیا اس لئے کہ وہ بول کر ماکول اللہم سے رنگے جاتے تھے، تو ابن ابی بن کعب نے فرمایا: لیس ذلک لک قد لبسہن النبی ولبسناہم فی عہدہ یعنی ان حلوں سے روکنے کا آپ کو حق نہیں کیونکہ ان کو ہم نے اور آپ نے آپ کے زمانے میں پہنا ہے۔ (مسند امام احمد بن ابی بن کعب)

غیر حدیث جابر و برادر رضی اللہ عنہما کہ حلال جانوروں کے بول میں مضائقہ نہیں، اور بعض روایتوں میں ناپاک وارد ہے (مشکوٰۃ ص ۵) اس لئے مجتہد زمام اعظمؒ کی نظر میں بسبب اختلاف و تعارض نصوص جزم و ايقان حاصل نہ ہوا تو آپ نے اس کو نجاست خفیفہ فرمایا۔ اور اس نجاست خفیفہ کے ساتھ بھی نماز پڑھنا مکروہ فرمایا۔ اگرچہ ربع سے کم ہو۔ چنانچہ ابن ہمام فتح القدیر ص ۱۱ جلد ۱ میں فرماتے ہیں، والصلوۃ مکروہۃ مع ما لا یمنع یعنی جتنا قدر نجاست کا معاف ہے۔ اس قدر کے ساتھ ہی نماز پڑھنا مکروہ ہے بلکہ زیادہ لگ جانے سے تو امام اعظم علیہ الرحمۃ اعادہ نماز کا حکم فرماتے ہیں؛

چنانچہ کتاب الآثار للامام محمد ص ۱۱ میں ہے وکان ابو حنیفۃ یکرہہ وکان یقول اذا وقع فی وضوء افسد الوضوء ان اصاب الثوب منه شیء کثیر ثم صلی فیہ اعاد یعنی امام اعظم اس کو مکروہ سمجھتے تھے یعنی ابوالہمام کو، اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر وضو کے پانی میں بہائم کے بول ہیں سے کچھ واقع ہو تو پانی کو فاسد کر دے گا۔ اگر اس میں سے زیادہ کچھ آگے آئے

لے وقال معمر رأیت الزہری یلبس من ثیاب الیمین ما صُبغ بالبول بخاری ص ۱۱ باب الصلوۃ فی الجبۃ الشامیۃ

سروئی شخص اس میں نماز پڑھے تو وہ نماز کو پھر پڑھے،

معلوم ہوا کہ نجس خفیف جبکہ زیادہ لگ جائے تو امام صاحب کے نزدیک نماز کا اعادہ لازم ہے۔ اور بہت کم اندازہ ربع کپڑے یا بدن کے اس حصہ کا ہے۔ جس کو نجاست لگی ہے، اگر آستین کو لگی ہے تو دامن کا ربع مراد ہے۔ اور اسی پر اکثر مشائخ علیہم الرحمۃ کا فتویٰ ہے۔ علامہ شامی نے تحفہ محیط مجتبیٰ اور سراج، سے اس کی تصحیح نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ حقائق میں اسی پر فتویٰ ہے۔ معلوم ہوا کہ ربع کل کپڑے کا مراد نہیں، فتویٰ اسی پر ہے کہ ربع اس حصہ کا مراد ہے۔ جس حصہ میں نجاست خفیفہ لگی ہے اور چونکہ چوتھائی کو بعض احکام میں حکم کل کا ہے۔ اس لئے کپڑا یا بدن کی چوتھائی کو امام صاحب نے کل کا حکم دیا، اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایسی نجاست جس پر نصوص متفق نہیں، اگر کپڑے پر کپڑے کے کہ اس حصہ کی چوتھائی سے کم لگے، تو نماز میں معلوم ہو جانے پر اگر خوف فوت جماعت یا خوف فوت وقت نہ ہو، تو نماز کو توڑ کر نجاست کو دھو کر نماز پڑھے صرح یہ المحقق الکمال اگر اسی کے ساتھ نماز پڑھے لے تو گو مکروہ ہوگی مگر ادا ہو جائے گی اور وہ بھی اس تقدیر پر کہ دو سر اجامہ طاہر میسر نہ ہو (دیکھو کشف الالتباس صدیق ص ۲۶۸) اب فرمائے اس مسئلہ پر کیا اعتراض ہے اور کس آیت یا حدیث کے خلاف ہے،

ہاں وہابیوں کے نزدیک نہ صرف حلال جانوروں کا بول بلکہ حرام جانوروں کا بول بھی پاک ہے، چنانچہ وحید الزمان تزل الابار جلد اول کے ص ۳۵ میں لکھتا ہے۔ وكذا اللث الخمر و بول ما یوکل لحمہ وما لا یوکل لحمہ من الحيوانات۔ شوكانی در ہیہ میں لکھتا ہے۔ فیما عدا

ذات خلاف والاصل الطہارۃ یعنی انسان کے پاخانہ اور بول
اور کتے کے لعاب اور لپٹہ اور خون حیض اور خنزیر کے گوشت کے
بہ سوا نجس ہونے میں اختلاف ہے اصل طہارت ہے۔

محمی الدین لاہوری غیر مقلد نے بلاغ المبین کے ص ۳۲ میں لکھا ہے
کہا بخاری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بولے پیشاب آدمیوں کے
دھونے کا حکم نہیں دیا۔

اسی طرح صدیق حسن نے لکھا ہے پس جب بول حلال جانوروں
کا بلکہ حرام کا بھی معترض کے اکابر کے نزدیک پاک ہے اور پاک منی سے
اگر سارا کپڑا بھیگا ہوا ہو تو نماز کا مانع نہیں جس سے معلوم ہوا کہ وہابیہ کے
نزدیک چوتھے حصہ سے اگرچہ زیادہ کپڑا حلال جانوروں کے بول سے تر ہو
تو نماز جائز ہے، پھر کس منہ کے ساتھ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسئلہ پر اعتراض
کیا جاتا ہے، بلکہ ان کے نزدیک تو نجاست غلیظہ سے بھی کپڑا تر ہو، تو نماز
درست ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں تعلیقاً آیا ہے کہ عزوہ ذات الرقاہ میں
ایک شخص کو تیر لگا اور اس کا خون جاری ہو گیا۔ اور اسی حالت میں وہ نماز
پڑھتا رہا خون کا جاری ہونا ظاہر ہے کہ بدن اور کپڑا ان کو تر کر دیتا ہے،
تو خون جاری جو کہ نجاست غلیظہ ہے اس کے ساتھ نماز پڑھتے رہنا ایک
صحابی کا ثابت ہوا اور وہ بھی صحیح بخاری میں، پھر امام صاحب پر اعتراض
کرتے ہوئے کچھ تو شرم آنا چاہیے مگر افسوس کہ معتز ضین کو اپنی آنکھ کا
شہتیر بھی نظر نہیں آتا لیکن دوسروں کا تشکا پہاڑ سمجھتا ہے،
اعتراض ص ۳۳۔ اگر حرام پرندوں کی بیٹھ کپڑے پر پھیلی کی چوڑائی
بے بھی زیادہ لگی ہوئی ہو پھر بھی نماز ہو جائے گی؟

جواب :- حرام جانوروں کی بیٹ امام صاحب کے نزدیک نجاست
مخففہ ہے۔ اس لئے قدر درہم سے زیادہ لگ جانے سے نماز ہو جائے گی
اگر معترض کے پاس اس کے منغلظ ہونے اور اس کے لگنے سے نماز ناجائز
ہونے اور اس کے لگنے سے نماز ناجائز ہونے کی کوئی دلیل ہے تو بیان کرے
اگر نہ ہو تو ائمہ دین پر بیجا طعن سے تو بہ لازم ہے،

سنئے! فقہا علیہم الرحمۃ نے ایک اصول لکھا ہے جو قرآن و حدیث
سے مستنبط ہے وہ یہ ہے المشقة تجلب التيسر کہ مشقت آسانی کو
کھینچتی ہے۔ یعنی تکلیف اور مشقت کے وقت شرعاً تخفیف ہو جاتی ہے۔ فرمایا
اللہ تعالیٰ نے یرید اللہ بکسر الیسر ولا یرید بکسر العسر اور فرمایا
ما جعل علیکم فی الدین من حرج یعنی اللہ تعالیٰ نے دین میں تم پر
کوئی تنگی نہیں کی، اور حدیث شریف میں ہے احب الدین الی اللہ
المخفیة المحدة رواہ البخاری تعلیقاً کہ اللہ تعالیٰ کو بہت پیارا دین حقیقہ
ہے جو سہولت پر مبنی ہے اور بخاری شریف میں مرفوعاً آیا ہے حضور
علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ انّ الدین یسر کہ دین آسان ہے بخاری
پہا، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ وقد استفاد من هذه الاشارة
الی الامخذ بالرخصة الشرعية کہ اس حدیث میں یہ اشارہ استفاد ہوتا ہے کہ
رخصت شرعیہ پر عمل کرنا درست ہے۔ اس اصول کے لحاظ سے شریعت کی
رخصتوں پر عمل کرنے کی اجازت نکلتی ہے۔ اشباہ والنظائر کے ص ۹۶ میں لکھا
ہے کہ عبادات میں اسباب تخفیف ساتھ ہیں، سفر، مرض، جبر، نسیان، جہل
عسر، عموم بلوی، معلوم ہوا کہ عموم بلوی و عسر بھی اسباب تخفیف میں سے ہیں
اس کی مثال میں صاحب اشباہ فرماتے ہیں کا لصلوة مع النجاسة المعفو

عنہا کما دون ربع الا ثواب من محفظة وقد راہ مدرہم من
المغلظة بس اسی عموم بلوی و عمر کے سبب رخصت ہے ۱۲

اعتراف ۱۲۵۔ ایک شخص عربی میں اچھی طرح قرآن پڑھ سکتا ہے
باد جو اس کے فارسی میں قرآن شریف کے بعد معنی پڑھتا ہے۔ قرآن نماز
میں نہیں پڑھتا اللہ اکبر کے بدلے بھی اس کا ترجمہ فارسی میں پڑھ لیتا ہے تو
اس کی نماز جائز ہے ۱۲

جواب ۱۔ افسوس تعصب نے ان کو ایسا ناپائیدار کر دیا ہے کہ اس کو
ہدایہ شریف کی یہ عبارت نظر نہ آئی جو اس کی آگے لکھی ہے۔ بروی رجوع
فی اصل المسئلة الى قولهما وعليه الاعتماد هداية ص ۸۶
در مختار میں بھی اسی پر فتویٰ ہے:

اور نور الانوار میں ہے۔ وهو القرآن اسم للنظم والمعنى جيعا
لاندر اسم للنظم فقط كما ينبغي عنده تعريفة بالاقوال والكتابة
والنقل ولا اندر اسم للمعنى فقط كما يتوهم من تجويز ابی حنيفة
رحمہ اللہ للقراءة الفارسية في الصلوة مع القدرة على النظم العربي.
اور قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار ص ۹ پر لکھا ہے۔ فانه يوههم ان
القرآن عبارة عن المعنى فقط ثم اعلم ان الامام الاعظم جرد
قراءة القرآن بغير العربية في الصلوة مع القدرة على العربية
وصاحباه لم يجوزها فقل الخلاف لم يعتمد واما المعتمد فهو
زندق يقتل او مجنون بداوى ۱۲۔

اور حاشی کے شروع میں ہی لکھا ہے۔ اما الكتاب فالقرآن المنزل
على الرسول المكتوب في المصاحف المنقول عنه نقل متواتر بلا

غیبتہ و هو النظر والمعنى جميعا في قول عامة العلماء وهو الصحيح من
مذهب ابی حنیفہ الاولیٰ انه لم يجعل النظم ركنا لازما في حق جواز
الصلوة خاصة (حاشی ص ۱) اور اس کی حاشیہ پر عمدہ تحقیق ہے۔

اعتراف ص ۳۶: امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہر رکعت میں بسم اللہ
سورہ فاتحہ سے پہلے نہ پڑھے صرف پہلی رکعت میں پڑھے۔

جواب:۔ ہدایہ ص ۱۷ میں ہے وعنہ یأتی بها احتیاطا وهو
قولہما ۱۲ معترض نے جس روایت پر اعتراض کیا ہے اس کے متعلق بحر الرائق
ج ۱ ص ۳۱۲ میں لکھا ہے۔ قول من قال لا یسمی الا فی الركعة الاولى
قول غیر صحیح بل قال المذاہدی انه غلط علی اصحابنا غلطنا حشا ۱۲
اعتراف ص ۳۶: سورہ فاتحہ پڑھ لی، پھر دوسری سورہ نماز میں
پڑھے تو اس سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھے۔

جواب:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بسم اللہ ما بین فاتحہ و سورہ مسنون
نہیں بحر الرائق میں ہے تسن التسمیۃ بین الفاتحہ و السورۃ مسنون نہیں
یا اس کا یہ مطلب نہیں کہ جائز ہی نہیں یا اس کا پڑھنا مکروہ ہے، بلکہ بحر الرائق
ص ۱۲۲ میں ذخیرہ دینی سے تصریح ہے، چنانچہ فرماتے ہیں امامہ عدم الکراۃ
فتفق علیہ و لہذا مر ح فی الذمیرۃ و المختار بانہ ان سمی بین
الفاتحۃ و السورۃ کان حسنا عند ابی حنیفہ ۱۲

محقق ابن ہمام نے اسی کو ترجیح دی، علامہ شامی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے
معلوم ہوا کہ بہتر ہے مگر مسنون نہیں۔

ہاں اگر حضور علیہ السلام کا علی الدوام پڑھنا اس موقع پر ثابت ہے
تو اعتراض ہو سکتا ہے، مگر ثبوت نہیں،

اعتراف ۲۸۔ درمختار مطبوعہ مصر ص ۵۲ میں ہے۔ ولو اخرج جیا

ولم یصب فہ الماء لا یفسد ماء البثر۔

جواب :- لا یومن احدکم حتی یکون ہواہ تبعاً لہا جنت
بہ بخاری و مسلم) ایک صحیح و شرعی مسئلہ کو بلا دلیل اپنی عامیانہ کراہت
طبعی کے خلاف پاکر بد فطعن بنانا کسی مسلمان کی شان نہیں ہے۔
زائدہ کہتے کہ جسم ناپاک نہیں ہے اس لئے کتا اگر کنوئیں میں گرا اور اس
کا منہ پانی میں نہیں پہنچا تو کنوئیں کا پانی نجس کیوں ہو جائے گا،

کیونکہ کہتے کہ لعاب کی نجاست صحیح مسلم کی روایت سے ثابت ہے ۱۷
قاضی شوکانی اور نواب بھوپالوی کے نزدیک اس صورت میں بھی کنوئیں
کا پانی نجس نہ ہوگا کیونکہ کتا ان کے نزدیک بھی نجس العین نہیں ہے، کتا کنوئیں
میں گر کر ڈوب بھی جاوے۔ اور اس کا لعاب پانی میں مل جاوے تو بھی امام
بخاری کے نزدیک اور زہری اور سفیان ثوری کے نزدیک ناپاک نہ ہوگا۔

اعتراف ۲۹۔ درمختار مطبوعہ دارالکتب مصر ج ۱ ص ۵۳

میں ہے۔ ولا الثوب بانتقامہ

جواب :- یہ مسئلہ بھی کہتے کہ نجس العین نہ ہونے پر متفرع ہے۔ اور
امام مالک اور امام بخاری جیسی عظیم الشان ہستیاں حنفیہ کے ساتھ ہیں، ہاں
اگر خارجی نجاست کہتے کہ جسم پر ہو تو اس کی وجہ سے ناپاک ہونے کا فتویٰ
دیا جائے گا۔

اعتراف ۳۰۔ درمختار مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۵۳ میں ہے ولا بعضہ

مال مریدہ یقہ

جواب :- کہتے کہ تھوک کی نجاست صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

اس لئے احناف اس کو ناپاک جانتے ہیں۔ اور کپڑے کو لگ جائے تو اس کو بھی ناپاک کہتے ہیں، مگر کہتے کے اور اجزاء کے ناپاک ہونے پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے بلکہ آنحضرتؐ کا مسجد نبوی میں کتے کو جانے دینا (بخاری شریف) پاکی کی دلیل موجود ہے۔ اس لئے حنفیہ کہتے ہیں اور بے شک کہتے ہیں کہ کسی کا پڑا کتا اس طرح پکڑے کہ تھوک نہ لگے تو ناپاک نہیں ہوگا۔ ومن ادعی فعلیہ البیان اعتراض نمبر ۱۰۔ درمختار مطبوعہ دارالکتب مصر ج ۱ ص ۱۵۲ میں ہے

ولا صلوة حاملہ کبیرا

جواب یہ اصل یوں ہے کہ صاحب درمختار نے یہ لکھنے کے بعد کہ کتا نجس عین نہیں ہے، اس کی چند تعریضیں ذکر کیں، چونکہ بعض کتب فقہ میں اس مسئلہ کی ایک تقریر یہ بھی مذکور ہے کہ کوئی گنوار کتے کو آستین میں لئے ہوئے نماز پڑھے تو اس کی اس لئے نماز فاسد نہیں ہو جائے گی، اگر اس کے پاس کتا ہے، کیونکہ نجس العین نہیں ہے، صاحب درمختار نے یہ اشارہ کرتے ہوئے کہ کچھ آستین اور بچے کی تخصیص نہیں ہے۔ یہ ذکر کیا، کہ کوئی بڑا کتا لے کر بھی نماز پڑھے تو یہی حکم ہے اور باعتبار کتے کے نجس عین نہ ہونے کے نماز فاسد نہ ہوگی، لیکن اس صورت میں عمل قلیل متحقق ہے اس لئے نماز مکروہ ہوگی۔ اسی درمختار میں وکل عمل قلیل بلا عذر کتعرض الفہ قبل الاذی وتروک کل سنتہ مستحب وحمل الطفل (درمختار ص ۲۵۸)

اے کاف یصلی وهو حامل امامتہ بنت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخاری ص ۱۱۰ باب اذا حمل جارية صغيرة علی عنقه فی الصلوة۔

اعتراف سلسلہ در مختار دارالکتب مصر ج ۱ ص ۱۵۱ میں ہے وطہارۃ
شعر یعنی کتے کا بال حنفی مذہب میں پاک ہے بالاتفاق

جواب :۔ مہربان آپ کو زندہ کتے کے بال کی طہارت پر تعجب ہے
حالانکہ احادیث میں تمام مروہ جانوروں کے بال کو جن میں کتا بھی داخل ہے
پاک کہا گیا ہے۔ دیکھو بخاری ص ۳

حدیث اول :۔ عن ابن عباس قال انما حرم رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من المیتۃ لحمها فاما الجلد والشعر
فلا بأس بہ (دارقطنی)

حدیث ثانی :۔ عن ابن عباس قال سمعت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال قل لا اجد فیما اوحی الی محرمات علی طاعم
یطعمہ الا کُلَّ شَیْءٍ مِنَ الْمِیْتَةِ حَلَالٌ اِلَّا اَکَلَ مِنْهَا فَاَمَّا الْجِلْدُ وَالْقِرَانُ
وَالشَّعْرُ وَالصُّرْفُ وَالْعِظْمُ فَکُلُّهُ حَلَالٌ لِانہ لا یزکی (دارقطنی)

حافظ ابن قیم زاد المیعاد میں لکھتے ہیں

قال جمہور اہل العلم ان شعر المیتۃ واصوافہا واوبارہا
طاہرۃ اذا کانت من حیوان طاہر ہذا مذہب مالک
وابی حنیفۃ واحمد بن حنبل رحمہم اللہ واللیث والاوزاعی
والشوری وداؤد ابن المنذر والمزنی ومن التابعین الحسن و
ابن سیرین وایحباب عبد اللہ بن مسعود

ما قبل میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جمہور اہل اسلام کے نزدیک
کتا طاہر ہے یعنی نجس العین نہیں ہے، اور حافظ ابن قیم کے بیان سے

معلوم ہوا ایسے تمام جانوروں کے بال جو ظاہر ہوں نجس العین نہ ہوں
 مر جانے پر بھی پاک رہتا ہے، جس کا کھلا ہوا نتیجہ یہ ہے کہ کتے کے بال مرنے
 جہور اہل علم کے نزدیک پاک رہتے ہیں، پھر حالت حیات میں بدرجہ
 اولیٰ ظاہر ہوں گے یہی وجہ ہے کہ علامہ محمد بن عبدالرحمن و شقی عثمانی شافعیؒ
 فی اختلاف الائمه میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال مالك هوای شعرا ملیت طاهر مطلقا لانه لا یحمله
 الموت سواء كان یوکل لحمه كالغنم والخیل اولاد الكمار والكلب
 فعنده شعرا الكلب طاهر فیه حال الحیوة والموت والصیغ من
 مذهب احمد طهارة الشعر۔

اعتراف ۱۲ :- در مختار مطبوعہ دارالکتب مصر جلد ۲ ص ۱۰۸ میں
 ہے اور جامع دون الفرج و لیسہ یُنزل یعنی اگر روزوار روزے
 کی حالت میں شرمگاہ کے سوا اور کہیں بجماعت کر لے اور انزال نہ ہو تو
 روزہ نہیں ٹوٹتا۔

جواب :- اس کا ثبوت احادیث میں ہے ملاحظہ ہو؛
 اثر اول :- عن حکیم بن عقال قال سألت عائشة ما یحرم
 علی من امرأتی وانا صائم قالت فرجها ورواہ البخاری تعلیقاً
 ورسلاً الطحاوی وسندہ ثقات

اثر ثانی :- عن مسروق سألت عائشة ما یحرم للرجال من
 امرأتهم صائمات کما قال کل شیء الا الجماع ورواہ عبد الرزاق فی سندہ
 ورسند صحیح قال ابن حجر ورواہ ابن بزم فی الجمل

حدیث ثالث :- عن ابی ہریرۃ ان رجلاً سأل النبی صلی اللہ

عليه وسلم عن المباشرة للصائم فوخص له وإتاه أخرفسأله
 فيها فاذ الذم من رخص له شيخنا واذا الذي نهاه شاب رواه أبو داود
 مشكوة ص ۱۰۱ باب تنزيه الصوم وفي البخاري والمسلم عن عائشة رضي
 قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يُقْبَلُ وَيُباشِرُ وهو
 صائم وكان أملككم لأربه (مشكوة ص ۱۰۱) بخاري مجتبیٰ ص ۲۵۸
 میں ہے۔ باب القبلة للصائم وقال جابر بن زيد ان نظر
 فاستمى يقيم صومته ۱۲ وفي العار المختار ولوالی فرجها مرارا یعنی
 لم یفسد صومه بالنظر وان انزل ونظر الى الفرج موارد ۱۲
 در مختار میں ہے ولو خاف الزنا یرجى لا وبال
 علیہ یعنی اگر زنا کا خوف ہو اور مشقت زنی کرے یعنی ہاتھ سے پانی نکال
 ڈالے تو امید ہے کہ اس پر کچھ وبال نہ ہوگا۔

جواب: حنفیہ کے نزدیک بلا عذر مشقت زنی کرنا اور جلق لگانا
 جرم ہے۔ اور ناجائز ہے چنانچہ در مختار کی اس عبارت کی شرح میں ہے
 ولو فعله للاستحلاب الشهوة فهو آثم چنانچہ علامہ زیلعی حنفی اس
 کی حرمت پر ذالذین هم لفرو وجهم حافظون سے استدلال فرماتے
 ہوئے لکھتے ہیں۔ فلم یج الاستمتاع الا بهما ای بالمزوجة والامة
 اگر زنا سے بچنے کے لئے ایسا کرے تو امید ہے کہ اس کو مؤاخذہ نہ ہوگی
 انما الاعمال بالنیات۔

اعترض نمبر ۴۰۰۔ در مختار میں ہے وكذا الاستمتاع بالكف او
 ادخل ذكره في بيمة او ميتة یعنی ایسی حالت میں مشقت زنی کرنا اور
 چوپائے یا مرد سے کے ساتھ بد فعلی کرنے سے روزہ نہیں بگڑتا ۱۲

جواب : شارع علیہ السلام کے فرمان کے بغیر کسی فعل کو کسی عبادت کے لئے مفسد کہہ دینا شریعتِ آلہیہ کی ترمیم و تنسیخ ہے جس کی جرات کوئی حنفی مقلد تا قیام قیامت نہیں کر سکتا؛

مشرعاً بیوی سے قربت، کھانا پینا۔ عہد اُتے کرنا یا جوان کے حکم میں ہے، پس ان ہی چیزوں کو روزہ کے لئے مفسد صوم ہونا ثابت ہے لیکن جلق یا انزال، چوپائے یا مردے کے ساتھ بد فعلی کو جس میں انزال نہ ہو شارع نے مفسد صوم نہیں فرمایا ہے اور نہ یہ جماع زوجہ کے حکم میں ہیں اس لئے اگر حنفیہ نے ان کو مفسد قرار نہیں دیا تو آپ ان عزیبوں کو کیوں کوستے ہیں جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول برحق نے مفسد نہیں کہا، اس کو مفسد نہ کہنا۔ اگر غیر مقلدین کے نزدیک کوئی جرم ہے تو کسی مسلمان کو اس جرم کے ارتکاب سے چارہ نہیں، در کوئے نیک نامی مارا گذر نہ دارند

گر تو نمی پسندی تغیر کن قضا را

تنبیہ ۱۔ جلق یا چوپائے کے ساتھ بد فعلی مردہ سے زنا کرنا ہم حنفیوں کے نزدیک حرام اور سخت گناہ ہے۔ اسی درمختار میں ہے۔ الاستمنااء حرام و فیہ التعزیر اسی طرح جانور کے ساتھ بد فعلی کو بھی حرام اور قابل تعزیر لکھا ہے، لیکن ایک شئی کی حرمت اور شی ہے اور اس سے روزے کا بگڑنا شنی دیگر، ترک صلوٰۃ کی حرمت اور اکبر کہا ٹر ہونے کا کون منکر ہے مگر کیا اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، یونہی سمجھو کہ جلق حرام مردہ جانور کے ساتھ بد فعلی حرام ہے، مگر بغیر انزال اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔
المغروض، حرمت اور مفسد صوم ہونا دو الگ الگ وصف ہیں، ایک دوسرے پر قیاس کرنا بدترین جہالت ہے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ

فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ واما من حرکت شهوتہ فہی حرام
فی حقہ علی الاصم ولا خلاف انہا لا تبطل الصوم الا بالانزال
الملخصاً ۱۲ اور کسی چیز کے مفسد صوم نہ ہونے سے اس کا جواز یا اس کی
تعلیم سمجھ لینا ایک مبتدی طالب کے لئے بھی موجب صد ہزار ننگ و عار تھے
مگر اذا لم تستحی فافعل ما شئت، شرعاً چوری ڈاکہ زنی وغیرہ کو مفسد
صوم نہیں کہا گیا۔ جاہل مناظر کے نظر میں شرعاً اس سے ان کی تعلیم ثابت
ہو گی۔ دیکھو بناری مجتہائی ص ۲۵۹ میں ہے اذا جامع ناسیا فلد شیء علیہ
اعتراف ۱۵۔ درمختار میں ہے قبل السكران بنسۃ تحرم الاثم
یعنی نشہ کی حالت میں کسی نے اپنی بیٹی کا بوسہ لیا تو اس پر اس کی بیوی
حرام ہو گئی۔

جواب :- جو ان بیٹی کا بوسہ اور پھر شہوت کے ساتھ بیشک ایسے
شخص پر اس کی بیوی حرام ہو گئی اگر تمہیں یہ فتویٰ پسند نہیں تو بڑی خوشی
سے شہوت کے ساتھ جھوم جھوم کر جو ان بیٹیوں کا بوسہ لے لیا کرو۔ تمہیں
کون منع کرتا ہے مگر حنفی عمر بھر یہ فتویٰ نہیں دیں گے چاہے تم کتنا ہی ان کو کوٹو
اعتراف ۱۶۔ درمختار مطبوعہ دارالکتب مصر ص ۲۴ میں ہے
نقال جامعہا تثبت الحرمة یعنی اگر کسی نے ہنسی مذاق میں جھوٹ کہہ
دیا کہ میں نے اپنی ساس سے مجامعت کی تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی،
جواب :- درمختار کی پوری عبارت اس طرح ہے۔ قیل اما
فعلت بام امرأتک فقال جامعہا تثبت الحرمة ولا یصدق انہ
کذب ہازلاً۔

اعتراف ۱۷۔ درمختار مطبوعہ مصر ص ۲۵ میں ہے ولو ذبح طہر

یہی اگر انسان کی کھال کو بھی دباغت دی جائے تو پاک ہو جاتی ہے۔

جواب :- عبارت میں خیانت کی گئی ہے۔ پوری عبارت اس طرح ہے
ولو دبر طهر وان حرم استعماله افسوس حنفیوں کو بدنام کرنے
کی خاطر یہ لوگ کس قدر عیاری خیانت سے کام لیتے ہیں، سيعلم المذین
ای منقلب ینقلبون ط یاد رکھو لا ایمان لمن لا امانۃ لہ

مزید براں بعض حضرات کے نزدیک انسان کی کھال بغیر دغاغت
ہی پاک ہے۔ مثلاً امام شافعی، امام بخاری، علامہ ابن حجر عسقلانی، ابن عباس
سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم ملاحظہ ہو بخاری ص ۱۶۷ باب غسل
المیت ووضوئہ بالماء والدرالخ وفتح الباری کتاب الجنائز ص ۸۲ ج ۳ ونووی
شرح مسلم ج ۱ ص ۱۶۲ ۱۲

اعتراف ص ۴۸ :- درمختار مطبوعہ دارالکتب مصر ص ۱۶۱ میں ہے
وافاد کلام طہارة جلد کلب وفیل۔ یعنی کتے اور ہاتھی کی کھال بھی
بعد از دباغت پاک ہے۔

جواب :- یہ فتویٰ حسب ذیل احادیث کے موافق ہے۔

حدیث اول :- عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ایما اھاب دبر فقد طهر رنسائی ابن ماجہ، ترمذی
وقال حسن صحیح ورواہ مالک فی الموطا، وابن حبان، فی صحیحہ والحمد
والشافعی واسحق بن راہویہ والبیہقی مسانیدہم۔

حدیث ثانی :- عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ایما اھاب دبر فقد طهر ررواہ الدارقطنی وقال
اسنادرہ حسن وقال المحافظ علی شرط الصحیح

حدیث ثالث : عن عائشة قالت قال قال رسول الله
صلی اللہ علیہ وسلم دباغ جلود المیتة طهورها رواه ابن حبان فی صحیحہ
حدیث رابع : عن عائشة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم امر ان یستمع بجلود المیتة اذا دبغت راہوداؤد نسائی، ابن
ماجر، ابن حبان،

حدیث خامس : عن ابن عباس قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اذا دبغ الاهاب فقد طهر (مسلم)
حدیث ساوئ : عن عائشة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
قال طهروا کل اديم دباغة (وارقطنی وقال اسنادہ حسن کلہم ثقات
لم یعرض لہ الحافظ ابو الطیب العظیم آبادی،

حدیث سابع : عن زید بن ثابت عن النبی صلی اللہ علیہ
وسلم دباغ جلود المیتة طهورها (دارقطنی بیہقی،

حدیث ثامن : عن سلمة بن المحبق عن النبی صلی اللہ علیہ
وسلم دباغ الادیمر ذکاتہ (احمد، ابوداؤد، نسائی، بیہقی واسنادہ
صحیح قال ذالک الحافظ فی التلخیص)

حدیث تاسع : رواہ الدولابی فی الکافی عن اسحاق بن عبد اللہ
قال قلت لابن عباس الفرو تصنع من جلود المیتة فقال سمعت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ذکاة کل مسک دباغة
یہ نو حدیثیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے شمار کے
موافق بالفعل عرض کر دی ہیں ورنہ جلود میتہ کے متعلق کتب احادیث
میں ابن مسعود، انس، جابر، ام سلمہ، سودہ، زید بن ثابت، ابی امامہ، ابن عمر

منفیرہ، عائشہ صدیقہ، ابن عباس، میمونہ، رضی اللہ عنہم سے بہت حدیثیں
 سردی ہیں، ان تمام احادیث میں بلا استثناء ہر مزار کے چمڑے کو
 وباغت کے بعد پاکی کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ ایما باب، جلوہ میتہ، الاباب،
 کل، الادیم، کل سک، عام الفاظ ہیں، آدمی کی کھال کتے کے چمڑے کو اسی
 طرح شامل ہے جس طرح بکری، بھیڑ، گائے، بھینس کے چمڑے کو و من ادعی
 فعلیہ البیان قاضی شوکانی نے نیل الاوطار شرح منشی الاخبار میں فرمایا
 ہے۔ طہور کل ادیم و کد ایما لحاب و بغیشملان جلوہ ما لا
 یوکل کالکلب و الخنزیر و غیرہا شمولاً ظاہراً (نیل ص ۶۲ ج ۱)

علامہ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری لکھتے ہیں،

واجباب من عہم بالتمللک بعمرم اللفظ فہو ادلی من خصوص
 المسبب، فتح الباری ج ۴ ص ۵۲ اور تخصیص کا جواب احادیث کے عام الفاظ
 سے استدلال ہے اور یہ خصوص سبب سے اولیٰ اور بہتر ہے ۱۲

اس وجہ سے بعض علماء بلا استثناء تمام جانوروں کی کھالوں کو
 وباغت کے بعد پاک کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 کوئی استثناء نہیں فرمایا۔

تعلیق المغنی علی الدارقطنی میں فتح الباری سے نقل کرتے ہوئے حافظ
 شمس الحق بٹنوی لکھتے ہیں وَلَمْ یَسْتثنِ ابولیسف و داؤد شینا اخذا
 بعوم الخبر و ہی روایت عن مالک قاضی شوکانی نے بھی اسی کو اختیار
 کیا ہے ملاحظہ ہو المذہب السادس یطہر الجیم و الکلب و الخنزیر
 ظاہراً و باطناً و هو الراجح نیل الاوطار ج ۱ ص ۶۲

حنفیہ نے ان احادیث صریحہ صحیحہ کو پیش نظر رکھ کر بیشک یہ کہا کہ تمام

ان جانوروں کی کھال جن کے چمڑے کو دباغت دی جاسکے دباغت کے بعد باستثنا سور پاک ہو جاتی ہے اور ہر برائی غیر مقلد یاد رکھئے کہ جب تک صفحہ ہستی پر کوئی ایک بھی حنفی زندہ رہے گا۔ ضرور یہ آواز بلند کرے گا کہ آقائے نامدار نے تمام جانوروں کی کھال کو دباغت کے بعد پاک فرمایا۔ ہاں یاد رہے کہ حنفیہ عموم احادیث سے سور کی تخصیص اس وجہ سے کی ہے کہ اس کا نجس العین ہونا قرآن عظیم سے ثابت ہے باقی کتے یا ہاتھی کا نجس العین ہونا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہے اور آدمی تو آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ ان المؤمن لا نجس۔ بخاری کتاب الجنائز، تاجماست عین چہ رسد۔

تنبیہ :- حنفیہ کی ہی طرح صحابہ اور تابعین، اور اکثر علمائے اسلام بھی تمام جانوروں کی کھال کو پاک کہتے ہیں۔ جن میں کتا اور ہاتھی بھی ہے۔ علامہ ابوبکر حازمی لکھتے ہیں، فذہب اکثراہل علم الی جواز الانتفاع بجلود المیۃ بعد الذبائح ومن قال ذالک ابن مسعود، سعید بن مسیب، عطاء بن ابی رباح، والحسن بن ابی الحسن، والشعبی، وسالم بن عبد اللہ، وابرہیم الخفی، وقتادہ، والضحاک، وسعید بن جبیر، ویحیی بن سعید الانصاری، و مالک بن انس، واللیث، والاوزاعی، والثوری، والوحیفہ، واصحابہ وابن المبارک، والشافعی، واصحابہ واسحق المصطفیٰ، (کتاب الاعتبار ص ۵۶)

قلت وكذا ابو سعیدہ المخدری، وزید بن خالد، وسعد بن الموقاص ومعاذ بن جبل، رافع بن خدیج، وعمر بن عبد العزیز (رقالہ الشوکانی)

اور یہی مذہب ہے ابن قیم حنبلی کا ملاحظہ ہو زاد المعاد ج ۲ ص ۴۳ اور یہی فتویٰ ہے سید الکونین رسول الثقلین، سید الانبیاء وراس النبیاء

صلی اللہ علیہ وسلم دیکھو اعلام الموقعین ص ۲

فلعنہ ربنا اعداد رمل۔ علی من رد قول ابی حنیفہ ۲

اعتراف ص ۱۸۱: کاتمہ یاد رکھنے کے قابل ہے ایک مزے کی بات ہے

امام زہری اور امام بخاری بلا تخصیص ہر مردہ جانور کے چمڑے کو قبل از دباغت

ہی جائز الاستعمال اور پاک بتلاتے ہیں۔ دیکھو امام بخاری نے اپنی صحیح ص ۲۹۶

پر باب جلود المیتہ قبل ان تدبغ ہا نہ ہے۔ جس کے نیچے یہ حدیث لائے ہیں

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مریشاة میتة فقال هلا

استمتع بها باھا قالوا انها میتة قال انما حرم اکلھا

علامہ ابن حجر فتح الباری ص ۲۸ ج ۴ میں لکھتے ہیں،

قولہ باب جلود المیتہ قبل ان تدبغ ای ہل یصح بیعھا ام لا فیہ

حدیث ابن عباسؓ فی شاة میوتہ وکانہ اخذ جواذ البیع من جواذ

الاستمتاع لان کل ما ینتفع بہ یجوز بیعہ والانتقاع بجلود المیتة مطلقا

قبل ان یدبغ وبعده مشہور من مذهب الزہری وکان اختار البخاری،

علامہ بدالدین عینی شرح بخاری شریف میں لکھتے ہیں۔ وظاہرہ جواز

الانتقاع سواء دبغ او لم یدبغ وهو مذهب الزہری وکان البخاری

اختار هذا المذهب، دیکھو حاشیہ بخاری ص ۲ ان رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کتب الی جہینۃ قبل موتہ بشہر ان لا تنفعوا من المیتة باھا

ولا عصب قال ابو داؤد وقال النضر بن شميل یسئ اہاب ما لم یدبغ

فاذا دبغ لا یقال لہ اہاب انما یسئ شاة وقربة (ابو داؤد ج ۲ ص ۲۱۳)

مگر قاضی شوکانی کی در ربہیہ میں تو سور کا چمڑا بھی پاک ہے اور یہ تمہارا

مسلمہ امام ہے،

اعتراف ۴۹ در مختار میں ہے و یحل لہ وطی امراة ادعت علیہ وکذا تحل لہ لو ادعی ہونکا حھا و لو قضی بطلان قہا بشہارۃ المزدبر الخ حل للشاہد زورا تزوجھا یعنی ایک عورت نے عدالت میں چوتھا دعویٰ کیا کہ میرا نکاح فلان سے ہو گیا، وہ انکار کرتا ہے عورت نے دو جھوٹے گواہ گزار دیئے قاضی نے نکاح کر دیا تو اس شخص کو اس عورت سے ملنا جن وطی کرنا حلال ہے۔ اگرچہ حقیقتاً نکاح نہ ہوا ہو اسی طرح مرد نے دعویٰ کیا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر عورت نے طلاق کا جھوٹا دعویٰ کیا گواہ گزار دے، اور قاضی نے فیصلہ طلاق کا دیا تو عورت دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اور اس جھوٹے گواہ کو جس نے طلاق کی جھوٹی گواہی دی تھی اس عورت سے نکاح کر لینا جائز ہے ۱۲۰ مختصاً

جواب :- یہ مسئلہ نفاذ قضا باطناً کی جزئیات سے ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کو ذرا تفصیل سے عرض کروں، باتفاق قطع خصومات اور دفع نزاع کے لئے مقرر ہوتا ہے، اور یہ کہ وہ عالم الغیب نہیں ہوتا، لہذا وہ حقیقت نفس الامریہ مداوم کر کے فیصلہ کرنے کا مکلف نہیں ہے، ورنہ تکلیف بالا بیطاق لازم آئے گی، بلکہ وہ جو کچھ فیصلہ کرنا ہے، گواہوں کی ظاہری صداقت کی بنا پر کرتا ہے اور یہ کہ اس کا ہر فیصلہ ظاہری پر نافذ اور مدعی مدعا کے لئے واجب العمل ہوتا ہے۔ اور اس کے ہر فیصلہ پر دنیا میں عمل ہونا، اس میں کسی ایک مسلمان عالم کا ہی اختلاف حتیٰ کہ امام غیر مقلدین قاضی شاکانی اور نواب صدیق حسن خان بھوپالی بلکہ غیر مقلدین بھی اسی کے قائل

ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک باطن میں بھی بعض معاملات میں نافذ ہو جاتا ہے اس لئے گزارش ہے کہ قاضی جن معاملات کا فیصلہ کرتا ہے انکی دو قسمیں ہیں،

(۱) وہ معاملات جن میں قاضی کو انشاء کی ولایت نہیں ہے،

(۲) وہ معاملات جن کی انشاء کا قاضی کو فی الجملہ حق ہے،

پہلی صورت وہ اشیاء مراد ہیں جس کا کوئی سبب معین مدعی نہ بیان کرے

یا وہ سب قابل انشاء نہ ہو، اس صورت میں بالاجماع قضا باطناً نافذ نہیں ہوتی

اور قضا قاضی حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کر سکتی یہی امام کا مذہب

ہے اور یہی سب حنفیہ کہتے ہیں، مثلاً ایک شخص جھوٹے گواہ قائم کر کے

دعوے کرے کہ فلاں چیز میری ہے اور اس کے ملک کا کوئی خاص سب

ذکر نہ کرے، اور قاضی کو گواہوں کے جھوٹ کا علم نہ ہو اور فیصلہ کر کے وہ

چیز اس کو ولادے تو اس صورت میں یہ حکم باطناً نافذ نہ ہوگا اور مدعی دایماً

اس کو استعمال نہیں کر سکتا، یعنی اگر استعمال کرے تو باوجود فیصلہ قاضی اس

استعمال پر آخرت میں مٹاؤ خذہ ہوگا۔ کتب حدیث میں ہے عن ام سلمہ ان

النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انما انا بشر ولتکم تختصمون الی

ولعل بعضکم ان یکون الخن بحجة من بعض فاقضی بخصم ما اسمع

لن قضیت له من حق اخیه شیئاً فلا یأخذہ فانما قطع له

قطعہ من النار رواہ الجماعة بخاری مجتبیٰ کتاب الاحکام ص ۱۱۱ اور

بخاری مجتبیٰ کتاب الاحکام میں ہے باب من قضی له بحق اخیه

فلا یأخذہ فان قضاء المحاکم لا یحل حراماً ولا یحرم حلالاً اس

باب میں حدیث ام سلمہ ہے ان الفاظ سے ہے۔

عن ابن شہاب قال اخبرنی عروۃ بن الذبیر ان زینب

بنت ابی سلمۃ اھبیرۃ ان ام سلمۃ زوج النبی صلی اللہ وسلم
 اخبرتها عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ سمع خصوصۃ
 یاب حجرتہ فخرج الیہم فقال انما انا مبشر وانہ یأینی الخضم
 ولعل بعضکم ان یکون آبلغ من بعض فایحسب انہ صادق فاتفق
 لہ بذالک فمن قضیت لہ بحق مسلم فانما ہی قطعۃ من النار
 فلیأخذھا اولیٰ شریکھا ۱۲

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ املاک مرسلہ میں حکم قاضی باطناً نافذ نہ ہوگا جبکہ
 مدعی اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہوا اور یہ کہ قاضی ایک آدمی کا مال بغیر حق شرعی و
 ذکر سبب معین دوسرے کو دلا دے، تو وہ اس کے لئے حلال نہیں ہو جاتا اور یہ کہ
 قاضی ظاہری حجت اور اپنے علم کے اعتبار سے صداقت بہینہ پر اعتماد کر کے فیصلہ
 کر دے گا۔ اور اس کو یہی حکم ہے۔

دوسری صورت جس سے عقود یعنی بیع نکاح فسوخ یعنی اقالہ طلاق اس
 میں امام ابو حنیفہ کا یہ مسلک ہے کہ قضا قاضی ظاہراً و باطناً بھی بھی نافذ ہو
 جائے گی کیونکہ وہ خود فیصلہ کرنے کا امور ہے۔ انشائیت (عقود، فسوخ،)
 میں جب تک اس کا حکم انشاء پر محمول نہ ہو، ثابت نہیں ہو سکتا ہے، اس لئے
 کہ واقع میں گواہ کبھی صادق ہوتے ہیں اور کبھی کاذب، دوسری صورت میں
 بھی قاضی کا فیصلہ ظاہراً سب کے نزدیک نافذ ہو جاتا ہے اور اگر قاضی کی
 عدالت میں کوئی مرد یا عورت خلافت واقعہ نکاح کا دعویٰ کر کے دو گواہ جو
 حقیقت میں جھوٹے ہوں گزار دے تو وہ عورت قضاء اس مرد کے حوالہ ہو
 گی اور اس کا نان و نفقہ مرد کے ذمہ واجب ہوگا، اور امام صاحب یہ فرماتے
 ہیں کہ اس صورت میں قضا باطن میں بھی نافذ ہوگی، اور عند اللہ وہی پر اس کو

مواخذہ نہ ہوگا، کیونکہ قاضی گواہوں کی عدالت معلوم کر لینے کے بعد قضاہ بالحق اور دفع نزاع پر مامور ہے اور انشائیات میں یعنی عقود و فسخ میں جب تک اس کا حکم انشاء پر محمول نہ کیا جاوے ثابت نہیں ہو سکتا، اور نہ نزاع ہی منقطع ہوگی، کیونکہ گواہ جن کی عدالت قاضی کے نزدیک ثابت ہوئی ہے۔ واقع میں جھوٹے اور سچے دونوں مل سکتے ہیں اور قاضی عالم الغیب نہیں ہے، اگر اس کو ان کی صداقت و اقصیہ کا علم ہو سکے لہذا اپنے علم کے بموجب گواہوں کی سچائی کا تعین ہے، تو اس کو بموجب حدیث البینۃ علی المدعی شہادت سننے کے بعد مدعی کے دعویٰ کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہے اور اس کا فیصلہ کا یہ مطلب ہوگا کہ قاضی نے گواہوں کے سامنے اپنے دربار میں اس عورت کا اس مرد سے نکاح کر دیا کہ اس کو من وجہ ولایت انشاء حاصل ہے، لہذا نکاح کے بعد وہ عورت مرد کے لئے حلال ہوگی، خواہ مدعی نکاح مرد ہو خواہ عورت، اور اگر اس صورت میں حکم قاضی کو انشاء عقد با طناً نافذ نہ مانا جائے تو عند اللہ حرمت باقی رہتی ہے۔ جس سے آپس میں جنگ و جدال ہو، ظاہر ہے کہ ایک دوسرے سے حقوق زوجیت کا طلب گار ہوگا، دوسرا انکار کرے گا تو پھر لازم آئے گا کہ حکم قاضی قطع نزاع کے لئے نہیں ہوا بلکہ باعث نزاع ہوا، ہو باطل اجماعاً لہذا امام صاحب فرماتے ہیں کہ فیصلہ سے اقتضاء انشاء عقد ثابت ہو جاتا ہے گویا قاضی یوں کہتا ہے۔

زوجتکھا و قضیت بذلک جاؤ میں نے اس سے تمہارا نکاح پڑھا دیا یہی میرا فیصلہ ہے۔ یہی حال طلاق کا ہے۔ فتذبر اور یہ مسئلہ کچھ نیا اور صرف امام صاحب کا بیان کیا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں بعینہ یہی صورت پیش آئی تھی، اور آپ نے اپنے

فیصلہ کو ظاہر اور باطناً نافذ فرمایا ملاحظہ ہو۔ روی عن علی التاجلہ اقام بیئہ
علی اسرۃ انہا زوجتہ بین ید یدی علی نفی علی بذالک فقالت المرءۃ
ان لم یکن لی بدمنہ یا امیر المؤمنین فزوجنی منہ فقال شامد لہ
زوجا لہ (فتح القدیر حاشیہ بخاری ص ۸۶۳ حاشیہ ۵)

تنبیہ: ناظرین کرام! ملاحظہ فرمائیں کہ علی کرم اللہ وجہہ نے صاف
طریق پر حکم بالنکاح کو انشاء عقد نکاح فرمایا اور فیصلہ کے بعد عورت کی درخواست
پر بھی تجدید نکاح کی ضرورت نہ سمجھی۔ وکفی بہ قدوۃ

اور پھر یہ اثر حکماء مرفوع ہے۔ اس لئے کہ حضرت علی کا یہ فعل خلافت
عقل و قیاس ہے۔ کیونکہ تحلیل و تکریم اشیاء کا اختیار شارع کے سوا کسی کو بھی
نہیں ہے۔ اور اصحاب کے غیر معقول افعال محدثین کے نزدیک مرفوع حکم ہیں،
نخبۃ الفکر ابن حجر اور کوئی دوسری صریح حدیث اس کے معارض بھی نہیں
ہے۔ امام صاحب نے باب مدینۃ العلم حضرت علیؑ کے فعل کی اقتداء کی تو امام صاحب
کا کونسا جرم ہے کہ ان پر آنکھیں نکال رہے ہو، جو کچھ کہنا ہو حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کی شان میں کہو۔

تنبیہ: اس فیصلہ کے لئے امام صاحب کے نزدیک دو شرطیں ہیں۔
اول یہ کہ قاضی کو گواہوں کی صداقت کا یقین ہو، اور جھوٹے ہونے کا مطلق
علم نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ محل انشاء عقد کے قابل ہو یعنی شرعاً اس سے اس مرد کا
تعلق صحیح ہو سکتا ہے بحر میں ہے۔ والنفاذ باطناً عندہ شرطان الاول
عدم علم القاضی بکذب بجمہ فلو علم القاضی کذب الشہود لم ینفذ
ذکرہ فی فتح القدیر من النکاح والثانی کون المحل قابلاً فاذا
كانت المسوۃ تحت زوج او كانت معتدة او مودۃ او محرمة بمصادر

ادب و ضلع لم ینفذ لامہ لا یقبل الا نشاء بالجملة ان شرطوں کے پائے
 جانے کی صورت میں امام صاحب قاضی کے فیصلہ کو قطع نزاع کے لئے حضرت
 علیؑ سے استدلال فرماتے ہوئے نئے سرے سے نکاح پڑھا دینے کی بجائے سمجھتے
 ہیں ولا عاہدہ فیہ

ایقظ، گواہ جھوٹی گواہی دینے کے باعث سخت گنہگار ہوں گے،
 وفي الولد المجیث ثم الشاهدان اثنا سینا ص ۷۰، ثم علی المبتدی بالدعوی
 الباطلة واثباتها بالمطریق الباطل اثم غیران الوطنی بعد ذالک فی
 حل (فتح القدیر)

اعتراض منہ: در مختار میں ہے یباح اسقاط الولد قبل اربعة
 اشهر یعنی چار مہینے سے پہلے حمل گرا دینا جائز ہے (ملخصاً)
 جواب: اسقاط حمل کی اباحت کے لئے صاحب مذہب کی کوئی روایت
 نہیں ہے۔ بعض متاخرین مشائخ اباحت عزل پر قیاس کر کے اس کو بھی بضرورت
 مباح فرماتے ہیں۔ چنانچہ خود در مختار میں اس قول کی نسبت دوسروں کی
 طرف موجود ہے پوری عبارت اس طرح ہے وقالوا یباح اسقاط الولد قبل
 اربعة اشهر یعنی لوگوں نے کہا ہے کہ چار ماہ سے پیشتر حمل مباح ہے مگر
 معترض کی دیانت نے ایک لفظ قالوا کو نقل کرنے کی اجازت نہیں دی
 جس سے اس کا بول کھل جاتا سخن شناس اور اصحاب ذوق تو صرف اس لفظ قالوا
 کو ملاحظہ فرماتے ہی اصل حقیقت تک پہنچ جائیں گے اور ان کے لئے کسی
 مزید تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی، مگر ہم خوش فہم معترض کو سمجھانے
 کے لئے ذرا تفصیل کئے دیتے ہیں۔ اس لئے گزارش ہے کہ اولاً تو حنفیہ متبع ہیں
 امام اعظم رحمۃ اللہ کے جب ان کا یہ فرمان ہی نہیں تو الزام کیسا ٹانیا جس کتاب

سے تم نے نقل کیا ہے۔ اس کے مصنف رحمۃ اللہ علیہ بھی اس قول کو بنظر استحسان نہیں دیکھتے کما یشعربہ قولہ قالوا کمالا ینحی ثالثاً تم نے نفس مسئلہ بھی نہیں سمجھا، دیدہ و دانستہ تحریف کر کے عوام کو دھوکہ دینا چاہتے ہو اسی صفحہ میں شامی میں ہے۔ فاباحة الاستقاط محمولة علی حالة الغدو انھا لا تأثر الا ثمر القتل یعنی استقاط کا جواز حالت عذر پر محمول ہے یا یہ مطلب ہے کہ قتل جتنا گناہ ہی نہیں ہوگا۔ اور اس کی تائید فتاویٰ قاضی خان کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے۔ ولا اقول باحل اذا المحرم لو كرس يخن الصيد ضمنه لانه اصل الصيد فلما كان يؤخذ باجزاء فلا اقل من ان يلحقها اثم هنا اذا سقطت بغیر عذر میں استقاط کی حلت کا ہرگز قائل نہیں ہو سکتا کیوں کہ جب کسی شکار کا انڈا توڑنے کی وجہ سے اس کا ضمان دینا ہے اس لئے کہ وہ اصل صید ہے تو جس طرح محرم صرف انڈا جو چڑیوں کا ایک درجہ ہے توڑنے کی وجہ سے ماعوذ بالجزاء ہوتا ہے اس طرح عورت بھی بلا عذر استقاط کر دے گی۔ تو کم سے کم گنہگار تو ہوگی۔

اس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں، اولاً یہ کہ صاحب مذہب سے اس مسئلہ میں کوئی اباحت وغیرہ کی روایت منقول نہیں ہے ورنہ لا اتول کہنے کی کیا ضرورت پیش آئی درحقیقت یہ کہ اباحت علی الاطلاق مراد نہیں، بلکہ عذر کی حالت میں ہے، رابعاً اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ بعض مشائخ حنفیہ علی الاطلاق اباحت کے قائل ہیں، تو بھی محل اعتراض نہیں ہے کیونکہ جس طرح حمل ساقط کر دینے میں بظاہر قطع نسل ہے بعینہ اسی طرح عزل میں بھی قطع نسل متحقق ہے۔ حالانکہ صحیح احادیث سے عزل کا مباح ہونا ثابت ہے، اور واقعہ ہے، اور اگر کوئی بالفرض مطلقاً مباح کہتا ہے تو عزل ہی پر قیاس کر کے کہتا ہے،

حنفیہ کی خصوصیت نہیں، محدثین اور شوافع بھی کہتے ہیں، علامہ ابن حجر عسقلانی
 معجم الباری شرح بخاری ص ۹۷ ص ۱۹۱ میں تحریر کرتے ہیں، ینزع من حکم
 العزل حکم معالجة المرأة اسقاط النطفة قبل نفع الروح اور عزل کے
 حکم سے روح پھونکی جانے سے حمل ساقط کر دینے کا حکم مستنبط ہوتا ہے اس
 لئے اگر کسی کے نزدیک یہ مسئلہ صحیح نہ ہو تو وہ منصفانہ طریق پر اس کی تنقید کر
 سکتا ہے اور عزل و اسقاط میں معتد بہ فرق ثابت کر کے استنباط مذکور کی تردید
 کر دینے کا حق ہے، مگر زبردستی کسی بات کو غلط کہہ دینا گندی بتانا اور پھر کوئی
 ضعیف سے ضعیف دلیل نہ پیش کرنا اتباع حدیث ہے لا حول ولا
 قوة الا باللہ، ہاں گورنمنٹ کا جرم ہونا شرعی جرم ہونے کی دلیل
 ہے تو بہ تو بہ مسائل شرعیہ کا اثبات غیر مسلم حکومت کے قوانین سیاسیہ سے
 ہی ہو جاتا ہے۔ واللہ غیر مقلد معترض کا یہ نیا اجتہاد ہے!

اعتراف ۱۵ :- درمختار میں ہے۔ مواضعہ تریبہ عشرہ

یعنی بیس صورتوں میں مرد کو بھی عورت کی طرح عدت گزارنی ہوگی۔

جواب :- معترض یہ بتلا سکتا ہے کہ عورت کی طرح تم نے کس لفظ
 کا ترجمہ لکھا ہے کیا واقعی جھوٹ لکھنے اور بولنے میں شرم تم کو نہیں آتی، یاد
 رکھو فیعلم الظاہون ای منقلب یتقلبون،

اصل یہ ہے کہ تریبہ کے معنی انتظار کرنے کے ہیں، منتہی الارب میں ہے،

(تریبہ) چشم داشتن و انتظار چیز سے نمودن، قاموس میں ہے۔ ربہ

رجلان ربھا انتظرہ خیرا و شرایحل بہ کتریبہ

اور درمختار کی اس عبارت کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ بیس صورتوں میں مرد
 کس کرنے کے لئے ایک مخصوص مدت گزارنے کا انتظار کرے گا۔ سیدھی بات

تو یہ تھی کہ ان صورتوں کو بالتفصیل لکھ کر معترض قرآن و حدیث سے ثابت کر دیتا کہ ان صورتوں میں مرد کو منتظر رکھنا شرعاً صحیح نہیں ہے، مگر بجائے اس کے عبارت کی ترجمہ میں بیش و کم کر کے عوام کے سامنے اس کو اس طرح پیش کرنا جس سے ان کے جذبات میں سبجان پیدا ہو کسی مسلمان کا کام نہیں ہے، لطف یہ ہے کہ خود در مختار ہی کی عبارت میں معترض کے عورت کی طرح لکھنے کی تردید موجود ہے، پوری عبارت اس طرح ہے۔ و مواضع تریبہ عشرہ مذکورہ فی الخزانۃ حاصلہا یرجع الی ان من امتنع نکاحاً علیہا لم یلزم والہ نکاح اختہ و اربع سواہا و اصطلاحاً تربص یلزم المرأة

یعنی مرد میں جگہ جن کی تفصیل خزانۃ الروایات میں مذکور ہے انتظار کرے اب سب صورتوں کا حاصل یہ ہے کہ جس عورت کا نکاح مرد سے کسی مانع کی وجہ سے ناجائز ہے اس مانع کا زوال ضرور ہے مثلاً اپنی بیوی کی بہن سے شادی کرنا یا ایک بیوی کے سوا چار دوسری عورتوں سے بیک وقت نکاح کرنا اور اصطلاحاً عورت کے تربص کو عدت کہا جاتا ہے۔

مگر معترض کی دیانت ملاحظہ ہو کہ اس عبارت کا ایک نا تمام ٹکڑا نقل کر کے اور پھر اس کو قصداً محرف کر کے زبانی طعن دراز کر رہے ہیں۔ خوب الما چوہ کو تو ال کو ڈالتے،

کس مسلمان کو اس سے انکار ہو سکتا ہے کہ اپنی بیوی سے علاقہ نکاح من کل الوجوہ منقطع ہوئے بغیر اس کی بہن سے شادی نہیں ہو سکتی، قرآن پاک میں ہے۔ و ان یتجمعوا بین الاختین ط لہذا مرد کو اپنی سالی سے نکاح کرنے کے لئے بیوی سے انقطاع کا انتظار کرنا ضروری ہو گا، اور ایک عورت کی

موجودگی میں دوسری چار عورتوں سے بیک دفعہ نکاح نہیں ہو سکتا کہ قرآن پاک کے خلاف ہے، اس لئے اگر کوئی ایسا کرنا چاہتا ہے تو پہلے موجودہ بیوی سے رشتہ نکاح توڑے، و قس علیہ، اس لئے اگر نفس ان مسائل پر اعتراض ہے تو قرآن پاک ہاتھ سے جاتا ہے۔ اور اگر لفظ تربص سے بیزار ہے تو یہ جہالت ہے۔ لغت یہ اطلاق بالکل صحیح ہے۔ اور شرعاً کوئی قباحت نہیں،۔
 اعتراض:۔ درمختار مطبوعہ دارالکتب مصر ج ۱ ص ۱۲۱ میں ہے ثم
 الاحسن زوجة یعنی امامت کی ابتدائی شرطوں میں اگر برابری ہو تو اسے
 امام بنایا جاوے جس کی جو وہ زیادہ خوبصورت ہو، کیا امامت کے لئے
 یہ بھی شرط ہے کہ بیویاں ٹٹولی جائیں اور ان کی خوبصورتی کو امتحان کی کسوٹی
 پر پرکھا جائے۔

جواب: نکاح کا بڑا فائدہ عفت اور پاکدامنی ہے بخاری و مسلم
 میں ہے۔ فانہ اغض للبصر و احسن للفرج حتیٰ کہ بعض احادیث میں نکاح
 کو اسی وجہ سے نصف دین پورا کر لینا قرار دیا گیا ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ، مستدرک حاکم
 تلخیص البحر شعب الایمان، ملاحظہ ہو۔ عن ابن عباس رفعہ الا أخبرکم
 بخیر ما یکثر المرأة الصالحة اذا نظرا لیهما سرتہ ر تلخیص مستدرک،
 البوداؤد

(۲) عن ابی ہریرۃ قال قال یرسول اللہ ای النساء خیر قال التی
 سرتہ اذا نظرا لہ (نسائی، تلخیص)

(۳) عن ابی امامۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه یقول ما استفاد
 المؤمن بعد تقوی اللہ خیرا من زوجتہ صالحة ان امرھا اطاعتہ
 ان نظرا لیهما سرتہ (ابن ماجہ)

انہیں احادیث کو پیش نظر رکھ کر صاحب درمختار نے لکھا کہ علم و قرأت وغیرہ ابتدائی اوصاف میں برابری ہو تو امامت کے لئے وہ شخص بہتر ہوگا جس کی بیوی زیادہ خوبصورت ہو۔ کیونکہ عادتاً بہ نسبت دوسرے شخص کے پرہیزگار اور پاکدامن ہوگا۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت کی شرح میں اسی صفحہ میں فرماتے ہیں، لانه غالباً يكون احب لها واعف لعدم تعلقه بغيرها رہا یہ کہ ٹولا جانا بیبیوں کا امامت کے لئے شرط ہے ہرگز نہیں، ہاں اسی عبارت کے تحت میں لکھتے ہیں۔ وهذا مما يعلم من الاصحاح الاول والارحام الاول الجيران اذ ليس ان يذكر كلى واحد اوصاف زوجته ليعلم انه احسن زوجة او بر لا با تھ مٹھی کھول یہ چوری یہیں نکلی۔

اعتراف ۵۲ :- درمختار ص ۱۶ ج ۳ میں اذنی فی دار الحرب والبعی یعنی حربی کافروں یا باغیوں کی سلطنت میں زنا کرنے سے بھی حد نہیں ۱۲ :- جواب :- میں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ بھی فقہائے حنفیہ کا اپنا اختراع کیا ہوا نہیں ہے بلکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب ہوا ملاحظہ ہو حدیث اول :- روی محمد بن السیر الکبیر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال من زنی فی دار الحرب او اصاب بها حد اثم هرب فخرج الينا فانه لا یقام علیه الحد۔ فتح القدیر کشوری ص ۲۶ حدیث ثانی :- ان عمر بن الخطاب کتب الی عمر بن سعد الانصاری دالی اعماله ان لا یقیم احد اعلی احد من المسلمین فی دار العدو حتی ینخرجوا الی ارض المصالحۃ (نصب الراۃ بہقی مصنف ابن ابی شیبہ)

ہم الزام انکو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

کرنے تو اس پر حد نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اس صورت میں حد نہ ہوگی۔ جس طرح اس صورت میں حد ہوگی کہ عورت کو خدمت کے لئے نوکر رکھا جائے اور پھر اس نے زنا کرے، ظالم نے اعتراض کرتے وقت ادھی ببارت ہی ہضم کر لی، تو بہ تو بہ اتنی جہالت!

اعتراض ۵۶: وكذا لو قال اشتريتها ولو حرة یعنی اگر آزاد عورت سے زنا کیا پھر کہہ دیا کہ میں نے تو اسے خریدا ہے۔ تو اس پر بھی حد نہیں ہے۔
جواب: بڑی بے ایمانی معترض نے کی ہے پوری عبارت ملاحظہ ہو۔

ولا باقوار ان انكرو الاخر للشبهة وكذا لو قال اشتريتها ولو حرة یعنی اگر عورت زنا کا اقرار کرے اور مرد انکار کرے تو شبہ کی وجہ سے حد نہیں لگائی جائے گی اسی طرح اگر عورت زنا کا اقرار کرے مگر مرد یہ کہے کہ جناب یہ میری لونڈی ہے اور میں نے اس کو خریدا لیا ہے۔ تو اس صورت میں بھی حد نہیں ماری جائے گی، اگرچہ وہ عورت واقعہ میں حرہ ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ مرد زنا کا اقرار نہیں کرتا، بلکہ دعویٰ نفک کر کے حلت و طہ کا مدعی ہے۔

یہ جاہل سلیس عبارتوں کا صحیح مطلب نہیں بیان کر سکتے اور ان مسائل پر اعتراض کرتے ہیں۔ جن کا ماخذ احادیث اور آثار ہیں اور پھر دعویٰ علماء بالحدیث کا صندان مضرتان ای تفریق۔

اعتراض ۵۷: درمختار میں ہے او منکوحۃ الغیر او معتدۃ یعنی دیگر کی نکاحاً بیوی یا عدت میں بیٹھی ہوئی عورت سے نکاح کر کے و طہ کرے تو حد نہیں لگائی جائے گی، اگرچہ دونوں کو اس فعل کی حرمت کا علم ہوا۔

جواب: ان دونوں مسئلوں میں بھی شبہ عقد موجود ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب نے اسے شخص کو حد نہیں لگائی موطا میں ہے۔

اعتراض ۵۸: درمخا و مطبوعہ مصر ص ۱۷۱ میں ہے و طہر بذاکاة
یعنی کتابا تھی وغیرہ اگر ذبح کر دینے جائیں تو بھی ان کا چمڑا پاک ہے۔
جواب:۔ درمختار کی عبارت اس طرح نہیں بلکہ اس طرح۔ ما طہر
یدباع طہر بذاکاة اس پر تو کوئی اعتراض نہیں۔

اور مردہ کے چمڑہ غیر مدبوغ سے نفع نہیں لینا چاہیے۔ دیکھو ترمذی، نسائی
ابوداؤد، ابن ماجہ، لا تنفع من الميتة باهاب اور مدبوغ کو میتہ نہیں کیا جاتا۔۔۔۔۔
در نہ حدیث میں میتہ کی قید ہے سود ہوتی۔ ولا یقول بہ الا من نفسه
ثانیاً۔ مرجانے کے بعد ہر جانور کے اجزا اس لئے ناپاک ہو جاتے ہیں کہ
نجس رطوبت اور فضلات خبیثہ رک کر ان میں ہو جاتے ہیں۔

علامہ ابن قیم زاد المیعاد جلد ثانی ص ۲۲ میں لکھتے ہیں۔ واللحم انما
ینجس لاختقان الرطوبات والفضلات الخبیثہ فیہ
اور کون نہیں جانتا کہ ذبح کرنے سے یہ ناپاک رطوبت خام ہو جاتی ہے،
اس لئے کمال وغیرہ پاک رہے گی۔

ثانیاً۔ ازالہ نجاست میں ذبح کرنا بہ نسبت دباغت کے زیادہ موثر
ہے، علامہ جافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

ان الدباع لا یزید فی التطہیر علی الذکاۃ فتح ۹ ص ۵۳۱
ان دلائل سے معلوم ہوا کہ کتابا تھی وغیرہ اگر ذبح کئے جائیں تو ان کا چمڑہ
ایما امرأة نکحت فی عدتها فان کان زوجها الذی تزوجها لم یخل
فوق بینہا ثم اعتدت بقیۃ عدتها من زوجها الاول ثم کان
خاطباً من الخطاب وان کان دخل بها فارق بینہا ثم اعتدت
من الآخر ثم لا یجمعان ابداً وفي الطحاوی قال علی ان تابا واصلھا
فطہرھا من الخطاب۔ منگنی۔

پاک ہے۔ ہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ امام مالکؒ بھی یہی مذہب رکھتے ہیں۔

اعترض منہ ۱۵۲۔ در مختار مصری ص ۱۵۲ میں ہے۔ لیس الکلب نجس العین عند الامام؛

جواب :- کہتے کہ نجس العین ہونے پر کوئی دلیل نہیں اگر ہے تو پیش کر دو زمانہ نبوی میں کہتے برابر مسجد نبوی میں آتے جاتے رہتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو کبھی کتوں کو مسجد سے روکا۔ اور نہ ان کی آمد و رفت کی جگہ کبھی دھلوائی، اور صاف کرائی۔

ابن عمر فرماتے ہیں: "كانت الكلاب تقبل وتدبر في المسجد في زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يرشون شيئا من ذلك۔"

تنبیہ :- کہتے کہ نجس العین نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ زندہ کتا نجس نہیں ہے اور اس کی کھال دباغت سے پاک ہو سکتی ہے۔ دیکھو شامی ص ۱۴۶ ج ۱ ہاں اس کا گوشت خون لعاب ناپاک ہیں شامی ص ۱۴۵۔

اعترض منہ ۱۵۳۔ در مختار میں ہے۔ و يتخذ جلدہ مصلی و دلو ص ۱۵۳ جواب :- سور کے کھال کے علاوہ جب تمام کھالیں۔ دباغت سے پاک ہو جاتی ہیں۔ تو پھر اس کھانا نماز اور ڈول بنانا جائز ہوا،

ہاں امام بخاری کے نزدیک بغیر دباغت ہی جانا نماز اور ڈول بنانے کو جائز فرمائیں اور قاضی شوکانی سور کے چمڑے کا ڈول بنائیں تو آپ کو کچھ خیال نہ ہو۔

اگر معترض ایسے مسائل سمجھنے سے قاصر ہے تو علمائے احناف سے قبل
از اعتراض دریافت کر لیتا۔ حدیث میں آیا ہے۔ انما الشفاء بالحق السؤال او كما
قال مگر تمہارے نزدیک تو دین فردشی کر کے دنیا طلبی مقصود ہے۔
فویل لہم مما کتب ایدیم وویل لہم مما یکبون۔

اعتراض ۴۱: در مختار میں ہے ولو اخذ بشرط بیاح
جواب :- حنفیہ کے نزدیک گانے بجانے کی مزدوری فقہ کی تمام کتابوں
میں منع لکھی ہے۔ البتہ بلا شرط جو اصل میں مزدوری نہیں ہے۔ بعض نے مباح
لکھا ہے۔ مگر صحیح یہی ہے کہ یہ مباح نہیں ہے علامہ شامیؒ نے ص ۳۷۵ میں لکھا
ہے۔ قال الامام الاستاذ لا یطلب والمعروف کالمشروط، قلت وهذا
مما یتعین الاخذ بہ فی زماننا یعلمہم انہم لا یدعون الا بالجر البتہ۔
کہا امام استاذ نے کہ بلا شرط بھی حلال نہیں اور معروف مثل مشروط ہے
یعنی جو بات مشہور معروف ہو وہ مثل مشروط کے ہوتی ہے۔ جب مشہور ہے کہ
گانے بجانے والے بغیر اخراجت کے (گانے کو) نہیں جاتے تو ان کا بلا شرط
گانا بجانا بھی بسبب معروف ہونے کے مثل مشروط ہوگا۔ علامہ
شامیؒ آگے فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں اسی پر فتویٰ ہے، کیونکہ لوگ جانتے
ہیں کہ وہ اجرت کے سوا نہیں جاتے۔ معلوم ہوا کہ صحیح یہی ہے کہ بلا شرط
بھی مباح نہیں۔

اعتراض ۴۲: ہدایہ میں ہے۔ هذا لا شیاء جائز

جواب :- اسی ہدایہ میں اس کے آگے قول صاحبین لکھا ہوا ہے۔

وقال لا یضمن ولا یضم بیعہما وعلیہ الفتویٰ پس مذہب حنفی
کی مفتی بہ روایت کو چھپانا اور غیر مفتی بہ روایت کو بیان کر کے اعتراض

کرنا و باریوں کا کام ہے؛
 اچھا اگر ان اشیاء کی بیع جائز ہی سمجھی جائے اس لئے کہ یہ مال ہے
 اور ہجرت لہو کے ان سے جائز فائدہ بھی اٹھایا جاسکتا ہے تو بھی ان کا سببنا تو
 ناجائز ہی رہے گا۔ نہ یہ کہ ان کی بیع کے جواز سے سببنا بھی جائز ہو جائے گا۔

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ

غیر مقلدین کی فقہ حنفی

سے نفرت و عداوت

جس طرح غیر مقلدین، حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بغض و عداوت رکھتے ہیں، ایسے ہی انہیں فقہ حنفی سے بھی شدید نفرت ہے، ان کے چھوٹے بڑے وقتاً فوقتاً فقہ حنفی کے خلاف لکھتے رہتے ہیں، اور یہ تو ان کے ہر فرد کے زبان زد ہے کہ ”فقہ حنفی قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔“ بعض غیر مقلدین تو فقہ حنفی کے خلاف نہایت ہی غلیظ زبان استعمال کرتے ہیں، فقہ حنفی کے خلاف غیر مقلدین کی چند تحریرات نذر قارئین کی جاتی ہیں۔

حکیم فیض عالم لکھتے ہیں :-

”میں مکرر اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ آج فقہ حنفیہ کے نام سے جو اسفار ہوا حدیث (دل بہلاسنے والی باطل باتوں، ناقل) کا مجموعہ دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کے ایک حصہ کو گمراہ کرنے کا موجب بن رہا ہے اس کا ایک لفظ بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ سے تعلق نہیں رکھتا“ لے

حکیم فیض عالم: حکیم - اختلاف امت کا المیہ ص ۱۲

کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں :-

”مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آج فقہ حنفی کی آڑ میں جو مجموعہ اسفار ہوا الحدیث ہمارے ہاں مروج اور شائع ہے اس میں ایک حرف بھی سیدنا امام ابو حنیفہؒ سے ثابت نہیں کیا جاسکتا اور نہ آج تک کوئی ثابت کرنے کی جرات کر سکا ہے، اس مقام پر بے اختیار سبائیت کی اس ڈاکہ زنی اور رفض کی اس نصب زنی کی داد دینے کو جی چاہتا ہے“

حکیم صاحب کی طرح ان کی جماعت کے اور بہت سے حضرات بھی دعویٰ کرتے ہیں، مگر ان کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے، اس کی تردید کے لیے حضرت امام صاحب کی مسانید اور کتاب الآثار نیز آپ کے تلامذہ حضرت امام محمد وقاصی ابو یوسف رحمہما کی کتب کا مطالعہ کافی ہے۔ یہ سب کتب بحمد اللہ شائع ہو چکی ہیں ان کا مطالعہ کر کے دیکھ لیا جائے کہ فقہ حنفی کے مسائل ان کتب میں بروایت امام ابو حنیفہؒ پائے جاتے ہیں یا نہیں؟

جماعت غریبار اہلحدیث کے سابق امام مولوی عبدالستار صاحب اپنے والد مولوی عبدالوہاب صاحب کی اسلامی خدمات کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں۔

”اپنے نانا کے بخاری نے اپنے استاد شیخ الہند میاں صاحب مرحوم سے تحصیل علم کے بعد ۱۳۰۰ھ میں مدرسہ دارالکتاب والسنۃ کی بنیاد شہر دہلی میں قائم کر کے خالص درس قرآن وحدیث شروع کیا اور دیگر علوم آئینہ عقلیہ منطق وفلسفہ، فقہ مروجہ وغیرہ کے ٹھول کا پول کھولنا شروع کیا اور قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے ان پر عمل عقیدہ رکھنا رکھنا سخت جرم بتایا اور بیان فرمایا کہ کتب فقہ مروجہ شریعت اسلام کے

بالکل منافی ہیں۔ کتاب و سنت کے ہوتے ہوئے ان پر عمل کرنا محض گمراہی اور حرام ہے جیلا اکل حلال کے ہوتے ہوئے خنزیر کھانا کب روا ہے۔ ۱۷

مزید لکھتے ہیں :-

”شُرک و بدعت کی وہ چٹھاڑ کرتے ہیں اور شخصی تعلید ناسدیک کا وہ کھوج کھوتے ہیں اور فقہ کے خراب اور گندہ مسائل جو قرآن و حدیث کے سراسر خلاف ہیں وہ سٹی خراب کرتے کہ باید و شاید“۔ ۱۸

غیر مقلدین کے مشہور مناظر مولوی طالب الرحمن صاحب لکھتے ہیں -

”فقہ حنفی (جسے آپ کے علماء اس ملک میں بطور قانون نافذ کرتے کی سرٹوڑ کوشش میں مصروف ہیں) اتنے گندے مسائل سے بھری پڑی ہے کہ قلم کی نوک اور ہماری زبان اس بات کی تحمل نہیں کہ انہیں ضبط تحریر - یا نوک زبان پر لایا جاسکے کیونکہ یہ تو وہ فقہ ہے کہ جب یہ مصطفیٰ کمال پاشا کے ملک میں رائج تھی تو اس کی گمراہی کا سبب بنی اور اسی کے مسائل سن سن کر اسے اسلام سے نفرت ہوئی اور پنجاب یونیورسٹی کی ایم۔ اے اسلامیات کی طالبات نے اس فقہ کی معتبر کتاب ہدایہ کے متعلق کچھ یوں اظہار خیال کیا کہ اگر یہ اسلام ہے تو ہمیں سوشلزم منظور ہے“۔ ۱۹

مولوی طالب الرحمن نے اس کتاب میں فقہ و اہل فقہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے

۱۷ عبد الستار مفتی - خطبہ امارت ص ۱۱۱ مشمولہ رسائل اہلحدیث ج دوم

۱۸ عبد الستار مفتی - خطبہ امارت ص ۱۵ - ۱۶

۱۹ کہ اصل حنفی نماز مسئلہ : شائع کردہ شبان اہل سنت طاقان۔

وہ ہمارے لیے ضابطہ تحریر سے باہر ہے اس لیے ان کے ایک ہی حوالہ پر اکتفا کرتے ہوئے آگے چلتے ہیں۔

غیر مقلدین کے ایک اور مناظر مولوی ابوالکلیم اشرف سلیم صاحب نے فقہ حنفی کے خلاف اپنی ایک کتاب کے ٹائٹل پر یہ عبارت درج کی ہے کہ کتاب ہذا میں محمد رسول اللہ کی احادیث مبارکہ اور فقہ حنفیہ کو فہم کے سبب بنیاد عقائد اور شرمناک مسائل کا علمی تحقیقی موازنہ کیا گیا ہے۔

مولوی صاحب اس کتاب کا مقصد صرف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔

• اس کے آخری حصے میں خاص فقہ حنفیہ کے یک صد گمراہ کن،

شرمناک، انسانیت سوز، موجب لعنت، خود ساختہ، غیر معتبر،

غیر مستند، مخرب اخلاق، عقائد باطلہ کا بیان کیا گیا ہے جسے پڑھ

کر آپ پکار اٹھیں گے کہ واقعی مقلدین احناف کی فقہ حنفیہ کے

پر نیچے اڑ گئے اور قرآن و حدیث کا پرچم لہرا رہا ہے۔

اس کتاب میں مولوی صاحب نے جو بیہودہ عنوانات قائم کر کے ان پر عتاب

آرائی کی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔

مولوی اشرف سلیم کا مبلغ علم

مولوی اشرف سلیم صاحب غیر مقلدین کے معروف مصنف، مقرر اور

مناظر ہیں، احناف کے خلاف اشتہار بازی اور چیلنج بازی ان کا عام مشغلہ

ہے۔ ان اشتہارات اور چیلنجز کے اندر کس قدر جھوٹ اور فریب ہوتا ہے

وہ تو ہم اس وقت زیر بحث نہیں لاتے، اس وقت قارئین کو صرف یہ بتانا

ہے کہ یہ مولوی صاحب جو فقہ حنفی کو قرآن و حدیث کے خلاف ثابت کرنے

کے درپٹے ہیں۔ اُن کا اپنا مبلغ علم کیا ہے، تفصیل میں جائے بغیر صرف ایک حوالہ عرض ہے

مولوی صاحب موصوف فلسفہ معراج بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔
 ”ہر نبی کو اللہ تعالیٰ اس کی شان و مرتبہ کے مطابق معراج کرائی،
 حضرت آدمؑ کو جگہل میں مقامِ توبہ پر معراج کرائی، حضرت نوحؑ
 کو جبلِ جودی کے مقام پر معراج کرائی، حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں
 معراج کرائی، حضرت اسماعیلؑ کو چھری کے نیچے معراج کرائی اور
 حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر معراج کرائی۔“ لے

قارئین اس عبارت کو بغور پڑھیے اور داد دیجئے مولوی صاحب کے علم و تحقیق
 کی، ایسے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب معراج کے معنی اسے بھی واقف نہیں،
 بس تقریری رنگ میں ہر نبی کو معراج کروا رہے ہیں، دوسرے اس پر بھی غور کیجئے
 مولوی صاحب نے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق لکھا ہے کہ
 انہیں صلیب پر معراج ہوئی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کا نزدیک وہ صلیب چڑھے
 تھے اور انہیں سولی دی گئی تھی، حالانکہ یہ نظریہ یہود و نصاریٰ کا تو ہے اہل اسلام
 کا نہیں اور یہ نظریہ قرآن و حدیث کے بالکل خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا

صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ

لَهُمْ ۚ ۲: ۱۵۷ بن گئی اُن کے آگے،

جن کا مبلغ علم یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر معراج کروا رہے

ہیں جو قرآن و حدیث کے بنیادی عقائد سے بھی واقف نہیں جو خود قرآن و حدیث کے خلاف لکھ رہے ہیں وہ امام الائمہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر کچھ ڈاڑھ اٹھاتے ہیں اور ان کی فقہ کے خلاف لکھتے ہیں۔

بریں عقل و دانش بباہر گریست

ہم نے فقہ حنفی کے خلاف غیر مقلدین کی تحریرات کے صرف دو چار حوالے بطور نمونہ پیش کئے ہیں ورنہ ان کی اکثر کتب اسی قسم کی عبارات سے بھری پڑی ہیں فقہ حنفی کے خلاف لکھنا ان کا محبوب مشغلہ ہے، ایسے لکنا ہے کہ انہوں نے فقہ حنفی کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا اپنا مشن بنا لیا ہے تاکہ سادہ لوح عوام کو فریب دے کر فقہ حنفی سے متنفر کر سکیں، پہلے بھی ان کے بڑوں نے فقہ حنفی کے خلاف بہت سی کتابیں لکھی تھیں اور آج بھی یہ کام زور و شور سے جاری ہے۔ آئے دن کوئی نہ کوئی عقل و شعور سے عاری غیر مقلد فقہ حنفی کے خلاف لکھتا رہتا ہے اور یہ اس کی کوئی نئی تحقیق نہیں ہوتی بلکہ بڑوں کی پٹاری سے چرا کر اپنے نام سے شائع کر دیتا ہے۔

فقہ حنفی پر اعتراضات کی حقیقت

[جمع و ترتیب]

پیر جی سید مشتاق علی شاہ

ناشر

پیر جی کتب خانہ ۸ گو بند گڑھ کالج روڈ گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا اعتراض:

آپ کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ

فقہ حنفیہ کی معتبر کتاب ہدایہ اولین ص ۳۳۰ پر لکھا ہے ”مدۃ الرضاعة ثلثون شهرا عند ابی حنیفہ“ ”رضاعت کی مدت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تیس مہینے یعنی اڑھائی سال ہے“ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے صریح آیات اور واضح احادیث سے اختلاف کیا ہے اس لیے کہ قرآن مجید اور احادیث میں بچہ کے دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے۔ (ص ۸)

جواب نمبر ۱:

اپنے گزشتہ پمفلٹ میں آپ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر تکذیب حدیث کے الزام سے بیزاری کا برملا اعلان فرما چکے ہیں اور اب آپ ان پر مخالفت قرآن کا الزام عائد کر رہے ہیں کیا یہ دوغلی پالیسی آپ کی عادت و فطرت ہے؟

جواب نمبر ۲:

آپ نے عبارت نقل کرنے میں بھی روایتی بددیانتی کی ہے اس کے بعد یہ عبارت ہے ”وقال سنان وقال زفر ثلثة احوال“ یعنی صاحبین کے نزدیک مدت رضاعت دو سال اور امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک تین سال ہے آپ نے یہ عبارت حذف کر دی ہے جو سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ ایک خالص اجتہادی مسئلہ ہے عین الہدایہ ص ۱۲۵ میں ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے اجتہادی مسائل میں اختلاف فطری امر ہے۔

جواب نمبر ۳:

علامہ عبدالرحمن الدمشقی الشافعی رحمہ اللہ اس پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اختلاف

على ان التحريم بالرضاع يثبت اذا حصل في سنتين واختلفوا في ما زاد
على الحولين فقال ابو حنيفة يثبت الى حولين ونصف وقال زفر ثلاث
سنتين وقال مالك والشافعي واحمد الامد سنتان فقط واستحسن مالك ان
يحرم بعدهما الى شهر وقال داود رضاع الكبير يحرم

(رحمته الامه في اختلاف الائمة عن ۳۱۷)

یعنی دو سال پر تو ائمہ کا اتفاق ہے اس سے زائد مدت میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
کے نزدیک اڑھائی سال امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین سال امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو
سال اور ایک ماہ اور امام داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تمام عمر مدت رضاعت ہے علامہ سید
امیر علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”مالکیہ کے نزدیک دو سال کے بعد بھی ایک ماہ تک رضاعت
ثابت ہوتی ہے حتیٰ کہ بعض کے نزدیک تمام عمر مدت رضاعت ہے۔“

(عین الہدایہ ص ۱۲۳ ج ۲)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک خالص اجتہادی مسئلہ ہے جس میں خطا و صواب کا
احتمال بدیہی امر ہے لیکن فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق مجتہد کو خطا پر ثواب و اجر ملتا ہے لہذا
اسے مطعون کرنا شرعاً ناجائز ہے چہ جائیکہ اسے مخالف قرآن و حدیث قرار دیا جائے یقیناً
اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والا اہل حدیث ہرگز نہیں ہے اسی لیے فقہائے کرام
کے اختلافات کو امت کے لیے رحمت قرار دیا گیا ہے جیسا کہ علامہ عبدالرحمن الدمشقی
الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے رحمۃ الامتہ فی اختلاف الائمہ کے نام سے کتاب مرتب فرمائی ہے جس کا
ایک حوالہ اوپر نقل کر چکا ہوں اور آئندہ بطور میں بھی ان شاء اللہ اس کے مزید حوالے نقل
کروں گا۔

جواب نمبر ۴:

جس آیت والوالدان یرضعن اولادہن حولین کاملین (البقرہ: ۲۳۳) کو
آپ نصر صریح قرار دیتے ہیں، اس میں یہ الفاظ بھی قابل غور ہیں فان ارادنا فصلا عن

تراض منہما یعنی اگر وہ دونوں (ماں باپ) باہمی رضا مندی سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان یفطماہ قبل الحولین وبعده (تفسیر ابن جریر طبری ص ۳۰۲ ج ۲) یعنی انہیں دو سال سے قبل یا بعد دونوں صورتوں میں دودھ چھڑانے کا اختیار ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ آیت نص صریح نہیں۔

جواب نمبر ۵:

دوسری آیت و حملہ و فصالہ ثلاثون شهرا (الاحقاف: ۱۵) اس کے بارہ میں بھی تفاسیر مختلف ہیں۔

۱..... بعض کے نزدیک اس آیت میں شخص معین کا ذکر مقصود ہے حکم عام مقصود نہیں اور وہ شخص معین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں و روی ان الایۃ نزلت فی ابی بکر الصدیق وکان حملہ و فصالہ فی ثلاثین شهرا حملتہ امہ تسعة اشہرا وارضعتہ احدى وعشرین شهرا (اسباب النزول ص ۲۵۴ قرطبی ص ۱۹۳ خازن ص ۱۲۵ ج ۴۔ مظہری ص ۴۰۴ ج ۴) قال ابو بکر رب اوزعنی ان اشکو الخ (تفسیر ابن عباس ص ۳۱۳) یعنی یہ آیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ ان کا حمل و فصال تیس ماہ کا تھا ۹ ماہ کا حمل اور اکیس ماہ کی رضاعت اگر اسے حکم عام قرار دیا جائے تو مدت رضاعت اکیس ماہ قرار پائے گی۔

۲..... بعض کے نزدیک حملہ الگ مبتدا ہے اور فصال الگ دونوں کی خبر ثلاثون شہرا ہے یعنی حملہ ثلاثون شہرا و فصالہ ثلاثون شہرا حمل کی انتہائی مدت بھی تیس ماہ اور رضاعت کی انتہائی مدت بھی تیس ماہ۔ جیسے کوئی شخص کہے لفلان علی الف درهم و خمسة اقفزہ حنطہ الی شہرین یعنی فلاں شخص کے میرے ذمہ ایک ہزار درہم اور پانچ من گندم ہے دو ماہ کے لیے یعنی گندم بھی دو ماہ کے لیے۔ اور درہم بھی دو ماہ کے لیے دونوں میں مدت کو تقسیم نہیں کیا جائے گا اسی طرح ثلاثون شہرا کی مدت حمل اور رضاعت میں تقسیم نہیں کی جائے گی، بلکہ دونوں کی مدت تیس تیس ماہ ہی ہوگی یہ مذہب ہے

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا۔ باقی رہا یہ شبہ کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک تو مدت حمل دو سال ہے، جیسا کہ کتب فقہ میں اس کی صراحت موجود ہے تو تیس ماہ کیونکر درست ہوگی؟ تو اس کے لیے عرض ہے کہ آیت میں لفظ حمل کے دو معنوں کا احتمال ہے۔ ۱۔ پیٹ میں اٹھانا ۲۔ گود میں اٹھانا۔ تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک یہاں حمل کا دوسرا معنی یعنی گود میں اٹھانا مراد ہے پہلا معنی مراد نہیں اور قرآن پاک میں اس دوسرے معنی میں اس لفظ کا استعمال موجود ہے جیسا کہ ارشاد ہے فاتت بد قومها تحمله (مریم: ۲۳) یعنی مریم علیہا السلام بچہ کو گود میں اٹھا کر قوم کے پاس آئیں گویا امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک گود میں اٹھانے اور دودھ پلانے کی مدت تیس تیس ماہ ہوگی۔

۳..... بعض کے نزدیک حملہ اور فصالہ ایک ہی مبتدا ہے اور اس کی خبر ثلاثون شہرا ہے بایں صورت معنی یہ ہوگا کہ حمل کی اول مدت اور رضاعت کی اکثر مدت مراد ہوگی یعنی حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ اور رضاعت کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہوگی۔ یہ مذہب ہے امام قاضی ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کا، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یستدل بهذه الآية على ان اقل مدة الحمل ستة اشهر، لقوله تعالى وفصاله في عامين فانه اذا ذهب منها عام بقى للحمل ستة شهر و عليه اتفق الاثمة في اقل مدة الحمل (تفسير مظهری ج ۸ ص ۴۰۴) یعنی یہ آیت قول ربانی و فصاله فی عامین کی روشنی میں اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کم از کم مدت حمل چھ ماہ ہے اور اس پر ائمہ کا اتفاق ہے۔

۴..... بعض کے نزدیک حملہ مبتلا ہے اور اس کی خبر مخذوف ہے اور فصالہ مبتدا ہے جس کی خبر ثلاثون شہرا ہے حملہ کی خبر اس لیے مخذوف ہے کہ اس کے احوال مختلف ہیں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ”واختلفوا فی اکثرها فقال أبو حنیفہ سنتان وعن مالك روايات اربع سنين وخمس سنين وسبع سنين وقال الشافعي اربع سنين وعن احمد روايتان المشهور كمذهب الشافعي والاخرى كمذهب

ابی حنیفہ“ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۳۰۳) یعنی مدت حمل کے زیادہ سے زیادہ ہونے میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دو سال امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک چار سال، پانچ سال، سات سال تک کی روایات ثابت ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک چار سال، امام احمد رحمہ اللہ کے ایک قول کے مطابق چار سال اور دوسرے قول کے مطابق دو سال ہے اسی طرح تفسیر مواہب الرحمن پارہ ۲۶ صفحہ ۹ میں ہے کہ ”امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے مشاہدہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے پڑوس میں ایک بچہ چار سال کا حمل گزار کر پیدا ہوا۔“

۵..... بعض کے نزدیک حملہ و فصالہ ایک ہی مبتدا ہے اور ثلاثون شہرا اس کی خبر ہے لیکن یہاں نہ تو حمل کے لیے مدت متعین ہے اور نہ رضاعت کے لیے حمل کی مدت نکال کر بقیہ مدت رضاعت کی ہوگی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے ”اذا حملت تسعة اشہرا وضعت احدى و عشرين شہرا وان حملت سبعة اشہرا وضعت ثلاثة و عشرين شہرا وان حملت ستة اشہرا وضعت اربعة و عشرين شہرا“ (تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۳۰۲، قرطبی ج ۱۶ ص ۱۹۳، خازن ج ۴ ص ۱۲۵، مظہری ج ۸ ص ۳۰۸، ابن کثیر ج ۴ ص ۲۴۱) یعنی حمل اگر نو ماہ کا ہے تو رضاعت اکیس ماہ کی، حمل اگر سات ماہ کا ہے تو رضاعت تیس ماہ کی اور حمل اگر چھ ماہ کا ہے تو رضاعت دو سال کی ہوگی اور معروف حمل نو ماہ کا ہے اس صورت میں حولین کا ملین کا تقاضا پورا نہیں ہوتا اور اگر مدت حمل امام شافعی اور امام احمد کے مسلک کے مطابق تیس ماہ سے تجاوز کر جائے تو مدت رضاعت تو بالکل ختم ہو کر رہ جائے گی۔

ان مذکورہ تفسیری اقوال سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔

جواب نمبر ۶:

صاحب ہدایہ نے دو قسم کی عورتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ① وہ جو خاوند کے نکاح میں ہیں اور بلا اجرت بچہ کو دودھ پلاتی ہیں اس کے لیے مدت رضاعت اڑھائی سال ہے اور دلیل آیت

۲) وہ عورت جو مطلقہ ہے اور خاوند کی خواہش اور بچہ کی ضرورت کے تحت
 بچہ کو دودھ پلاتی ہے اس میں چونکہ مرد (جس نے اجرت دینی ہے) عورت (جس
 نے اجرت لینی ہے) اور بچہ (جس کی خوراک کا انتظام ہے) تینوں کے حقوق کا یکساں لحاظ
 ضروری ہے، تاکہ کسی فریق پر زیادہ بوجھ نہ پڑے، اس لیے مدت رضاعت دو سال مقرر کی
 گئی ہے۔ اس پر آیت حوالین کا ملین اور حدیث لا رضاع بعد الحولین سے استدلال کیا گیا
 ہے دو سال تک بچہ کی پرورش اور نشوونما کا انحصار ماں کے دودھ پر ہی ہوتا ہے اور بچہ کی ماں
 (حالات کی وجہ سے) چونکہ بچہ کو دودھ پلانے کی شرعاً مکلف نہیں رہی اور نہ ہی بچہ کے باپ
 کے ذمہ اس کی ماں (مطلقہ) کا نان نفقہ لازم رہا لہذا شریعت نے نان نفقہ کی بجائے معین
 و مدت کے ذریعہ بچہ کی ماں کو ایک مناسب وقتی روزگار فراہم کر دیا تاکہ بچہ کی پرورش اور
 اس کی معیشت دونوں کا انتظام ہو جائے اور دو سال تک چونکہ بچہ دودھ کے علاوہ دیگر
 خوراک استعمال کرنے کے قابل بھی ہو جاتا ہے اس لیے تیسرے فریق یعنی بچہ کے باپ پر
 بوجھ ڈالنا مناسب نہیں سمجھا گیا اور پھر چونکہ یہ سب کچھ دراصل بچہ کے لیے کیا جا رہا
 ہے اس لیے بچہ کی جسمانی صحت کا لحاظ اس میں ضروری خیال کیا گیا ہے چنانچہ اگر دو سال
 سے قبل ہی یعنی ڈیڑھ، پونے دو سال میں ماں کے دودھ کے بغیر دیگر خوراک پر گزارا کر سکتا
 ہے تو اس کے والدین کو باہمی مشورہ سے دودھ چھڑانے کا اختیار دیا گیا ہے تاکہ باپ پر بلا
 ضرورت مزید بوجھ نہ پڑے اور اگر اس کے برعکس بچہ کی جسمانی صحت کسی کمزوری وغیرہ کی
 بنا پر دو سال کے بعد بھی ماں کے دودھ کا تقاضا کرتی ہے تو باہمی مشورہ سے اسے دودھ
 پلانے کی اجازت و اختیار دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول میں گزشتہ سطور
 میں نقل کر چکا ہوں ان بفظماء قبل الحولین و بعدہ (تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۳۰۲)
 کیا حوالین کا ملین ضروری نہیں اور مالکیہ کے نزدیک بھی دو برس کے بعد ایک ماہ تک مدت
 رضاعت باقی رہتی ہے۔ (عین الہدایہ ج ۲ ص ۱۲۴)

جواب نمبر ۷:

یہاں تک تو بحث تھی کہ یہ مسئلہ خالص اجتہادی ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد کے لیے بھی قرآن موجود ہیں۔ باقی رہا مسئلہ اس اجتہادی اختلاف میں مفتی بہ قول کا؟ توفیق حنفی میں مفتی بہ قول صاحبین (قاضی ابو یوسف اور امام محمد) کا قول ہے، چنانچہ فتح القدیر اور رد المحتار میں یہ صراحت موجود ہے والاصح قولہما یعنی صاحبین کا قول زیادہ صحیح ہے۔ حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”رضاع کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے اس کے بعد کا اعتبار نہیں۔“ (تفسیرات احمدیہ ص ۱۷۳، اردو) مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ ”مدت رضاعت کی دو سال ہے علی الاصح المفتی بہ“ (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۸۵) ”اگر بعد دو برس تمام ہونے کے دودھ پیا ہے تو اس دودھ سے رضاعت ثابت نہیں ہوئی کہ مدت ثبوت حکم رضاعت کی دو سال ہے“ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۷۴) مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”جمہور کے نزدیک اقل مدت حمل چھ ماہ اور اکثر مدت رضاع دو سال ہے مجموعہ اڑھائی سال“ (بیان القرآن ج ۱۱ ص ۸) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”جمہور کے نزدیک مدت دودھ پلانے کی دو ہی سال ہے“ (تفسیر عثمانی ص ۵۳۳) مذکورہ حوالہ جات کی روشنی میں ظاہر ہے کہ فقہ حنفی میں جمہور فقہائے احناف کے نزدیک مفتی بہ قول کے مطابق مدت رضاعت دو سال ہی ہے۔

ضروری وضاحت:

غیر مفتی بہ قول کے بارے میں میں گزشتہ سطور میں وضاحت کر چکا ہوں کہ ایسے قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ محترم! یہ حقیقت ذہن نشین رکھتے ہوئے غور فرمائیے کہ جس قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں اس پر تنقید کرنا کیونکہ درست ہوگا اور پھر یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ آپ بقلم خود تنقید ہم پر کر رہے ہیں اگر ہم اس غیر مفتی بہ قول کو درست مانتے ہیں اور اس پر فتویٰ دیتے ہیں تو پھر یہ تنقید ہم پر ہوگی ورنہ آپ کی یہ تنقید بہر حال امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر ہے اور

مجتہد پر تنقید کے انجام سے آپ بے خبر نہیں۔

جواب نمبر ۸:

بعض حضرات کے نزدیک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے اس قول سے رجوع ثابت ہے جیسا کہ علامہ حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ وعن ابی حنیفہ روایتہ اخروی کہ قول ابی یوسف و محمد (زاد المعاد ج ۲ ص ۳۳۰ بحوالہ فتح المبین ۲۰۵) یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول اس بارہ میں دو سال کا بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ امام اعظم کا رجوع بھی ثابت ہے لہذا اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہی۔

جواب نمبر ۹:

بعض حضرات کے نزدیک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اڑھائی سالہ مدت رضاعت کا قول اپنی پر احتیاط ہے وہ امام اعظم اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال کو اس طرح تطبیق دیتے ہیں کہ دودھ پلانے کی دو سالہ مدت میں اتفاق ہے کہ اس میں دودھ بالاتفاق حلال ہے اس کے بعد کی چھ ماہ کی مدت میں حلت حرمت کا مسئلہ ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق جائز و حلال ہے اور صاحبین کے نزدیک ممنوع حرام گویا وہ دودھ مشکوک و مشتبہ قرار دیا گیا اور مشتبہ چیزوں سے بچنا بھی شرعاً ضروری ہے جیسا کہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے ”جو شخص شبہ والی چیزوں سے بھی پرہیز کرے وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالے گا اور جو شبہ والی چیزوں میں مبتلا ہوگا اس کے حرام میں بھی مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے“ (بخاری و مسلم) لہذا دودھ پلانے کی مدت کے بارے میں تو فتویٰ یہی ہوگا کہ وہ دو سال ہے اس کے بعد مشتبہ اور خلاف تقوٰی ہے لہذا گریز ضروری ہے دوسری طرف چونکہ اسی دودھ پر نکاح کی حلت و حرمت کا مدار ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو سال کے بعد اڑھائی سال تک بھی کسی بچہ نے دودھ پی لیا تو رضاعت ثابت ہوگی اور رضاعی رشتوں سے نکاح حرام ہوگا اور صاحبین کے نزدیک دو سال کے بعد مدت رضاعت ثابت نہیں اس کے بعد جس بچہ نے دودھ پیا اس کی رضاعت

ثابت نہ ہوگی اور نہ رضاعی رشتے قائم ہوں گے اور نہ نکاح کی حرمت ثابت ہوگی، گویا یہ رشتے مشکوک و مشتبہ قرار پائیں گے اور نکاح کی حلت و حرمت بھی مشتبہ ہو کر رہی گئی، لہذا ازراہ احتیاط اس حرمت کے ظاہر ہونے کا فتویٰ دیا جائے گا تا کہ مشکوک و مشتبہ نکاح سے بھی محفوظ رہ سکے، چنانچہ حضرت ملا جیون بیگ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب احتیاط پر مبنی ہے۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۷۸۰) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "کو فتویٰ جمہور ہی کے قول پر ہے مگر احتیاط یہ ہے کہ دودھ پلانے میں تو دو سال سے زائد نہ پلائیں اور کسی نے دو سال کے بعد پیا ہو تو نکاح میں احتیاط رکھیں"۔ (بیان القرآن ج ۱۱ ص ۸)

جواب نمبر ۱۰:

محترم! یہ تو تھے وہ جوابات جو میں نے بطور صفائی عرض کیے ہیں، لیکن اب آپ سے میرا سوال یہ ہے کہ کیا آپ کو ہم پر یہ اعتراض کرنے کا شرعی یا اخلاقی کوئی حق حاصل ہے؟ کیونکہ اعتراض کرنے کا حق اخلاقاً اسے ہوتا جس پر خود وہ اعتراض وارد نہ ہوتا ہو کسی بے نماز کو دوسرے بے نماز پر اعتراض اور تنقید کا حق نہیں، لیکن بڑی حیرت کی بات ہے کہ آپ ہم پر تو یہ اعتراض وارد کرتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مدت رضاعت اڑھائی سال ہے جو خلاف قرآن و حدیث ہے، لیکن خود آپ کے مذہب و مسلک میں داڑھی والا بوڑھا بابا بھی کسی عورت کا دودھ پی سکتا ہے اور اس سے حکم رضاعت بھی ثابت ہو جاتا ہے، ملاحظہ فرمائیے آپ کے مذہب و مسلک کے ترجمان قاضی شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "و یجوز رضاع الکبیر ولو کان ذا لحیۃ لتجویز النظر" (الدرر البہیہ ص ۱۵۸) یعنی پردہ سے بچنے کے لیے داڑھی والے آدمی کے لیے بھی کسی عورت کا دودھ پینا جائز ہے اور اس سے حرمت رضاعت ظاہر ہو جائے گی، آپ کے مذہب و مسلک کے نامور محقق نواب نور الحسن خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گویا رضاع کبیر بنا بر تجویز نظر جائز است" (عرف الجادی ص ۱۳۰) آپ کے ایک اور عظیم محسن جنہوں نے آپ جیسے حنفیت دشمنوں کو فقہ حنفی کے خلاف مواد

ہے اور آپ ان کی کتب سے اعتراضات سرقہ کر کے اپنی شہرت کی دکان چمکا رہے ہیں جو ناگزیر فرماتے ہیں کہ سلف کی ایک جماعت کا یہی (یعنی ڈاڑھی والا بھی وودھ ہے) فتویٰ ہے (فتاویٰ نبوی ص ۶۰) نیز فرماتے ہیں کہ کیا عجب یہی مسلک سب قوی ہو ہمارے شیخ (ابن قیم) بیحد بھی اسی جانب مائل تھے۔ (ایضاً ص ۶۱)

انہیں فرمائیے ہمارے امام صاحب بیحد نے اجتہادی اور قیاسی طور پر دو سال کے چھ ماہ کی مدت کو رضاعت میں داخل کیا تو آپ چیخ اٹھے لیکن آپ کے اکابر کے لیے بھی یہ گنجائش پیدا کر رہے ہیں اور پھر اسے نبوی ﷺ فیصلہ بھی قرار دے دیا ہمارے ہاں اڑھائی سالہ مدت رضاع کا قول غیر مفتی نہ ثابت ہونے کے باوجود میں مخالف قرآن و حدیث ثابت کرنے پر مصر ہیں لیکن آپ کے اکابر کے نزدیک وہ بچے تو رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

نمبر ۲:

یہ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۶۲ میں ہے لڑکے اور لڑکی کا رضاع ایک روز ہے فقہ حنفیہ کا یہ مسئلہ حدیث صحیحہ کے خلاف ہے۔

کتاب نمبر ۱:

نہیں حدیث کے الزام سے برأت اور مخالفت حدیث کا الزام یہ بھی آپ کی غیر ذمہ داری پالیسی کا دلچسپ نمونہ ہے۔

کتاب نمبر ۲:

یہ اجتہادی مسئلہ ہے علامہ عبدالرحمن دمشقی فرماتے ہیں کہ والسعیقة سنة عند مالك والشافعي وقال ابو حنيفة بي مباحثة ولا اقول انها سنة عن احمد روايتان اشهرهما انها سنة والثانية انها واجبة۔

(رحمة الامة ص ۱۵۱)

ام مالک و امام شافعی کے نزدیک سنت موكده ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک سنت

نہیں مباح ہے اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق واجب اور دوسرے قول (جو مشہور ہے) کے مطابق سنت ہے اس سے بھی ظاہر ہے کہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے۔

جواب نمبر ۳:

آپ نے عبارت نقل کرنے میں بھی روایتی بددیانتی کی ہے پوری عبارت اس طرح ہے
پسر و دختر کی طرف سے عقیقہ کرنا یعنی ولادت سے ساتویں روز بکری ذبح کر کے لوگوں کی
ضیافت کرنا اور بچہ کے بال اتروادینا سو یہ مباح ہے، نہ سنت ہے نہ واجب، اور امام محمد سے
عقیقہ کے حق میں ذکر کیا ہے کہ جس کا جی چاہے کرے جس کا جی چاہے نہ کرے، اس سے
مباح ہونے کی طرف اشارہ ہے، سنت ہونے سے مانع ہے، اور جامع صغیر میں ہے کہ:
پسر کی طرف سے عقیقہ کیا جائے نہ دختر کی طرف سے اور یہ کراہت کی طرف اشارہ ہے یہ
بدائع کی کتاب الاخیہ میں ہے۔ (عالمگیری مترجم ج ۹ ص ۱۰۱)

آپ نے صرف جلی قلم کی عبارت کا عربی متن نقل کیا ہے اور بقیہ ساری عبارت سعودی
ریال سمجھ کر بلا ڈکار ہضم کر گئے ہیں جس میں اباحت کا مفتی یہ قول موجود ہے اس کے بعد
امام محمد رحمہ اللہ کے اباحت و کراہت کے دو قول نقل کیے گئے دیکھنا یہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ کا
قول کون سا ہے؟ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قال محمد فی الاملاء العقیقۃ
تطوع (اختلاف الفقہاء ج ۱ ص ۸۹) یعنی امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک عقیقہ مستحب ہے ان
حقیقت حال کے بعد بھی آپ کا اعتراض حقیقت دشمنی پر مبنی نہیں تو کیا ہے؟

جواب نمبر ۴:

اب آئیے اس حقیقت کی طرف کہ کیا واقعی فقہ حنفیہ میں عقیقہ مباح یا مستحب ہے؟
نہیں؟ علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ والحق ان مذهبنا استحباب
السابع بعد یوم الولادة (العرف الشذی ص ۷۸) حق یہ ہے کہ ہمارے مذہب
حنفی میں بچہ کی ولادت کے ساتویں دن عقیقہ مستحب ہے علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

مباحة علی ما فی جامع المحبوبی التطوع علی ما فی الشرح
 (شامی ج ۵ ص ۲۳۰) عقیقہ یا تو مباح ہے جیسے جامع المحبوبی میں ہے یا
 نہیں ہے جیسے شرح طحاوی میں ہے مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت
 صاحب رحمہ اللہ سے یہ روایت ہے کہ عقیقہ مباح ہے پس مباح میں ثواب جب ہوتا ہے
 عبادت کی نیت سے کیا جائے پس امام صاحب رحمہ اللہ کے قول سے مراد یہ ہے کہ جیسا
 میں ثواب ہوتا ہے وہ اس میں نہیں رہا اور سب ائمہ (احناف) رحمہم کے نزدیک عقیقہ
 ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۵۳) مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عقیقہ
 سنت ہے وسعت ہو تو عقیقہ کرنا اولیٰ و افضل ہے۔

(کفایت المفتی ج ۸ ص ۲۶۵)

حضرت عزیز الرحمن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح اس است کہ عقیقہ در مذہب حنفیہ مستحب است،
 کافی الشامی (فتاویٰ دارالعلوم ج ۱ ص ۷۶)

امام اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس (عقیقہ کے) روز لڑکے کے لیے دو
 لڑکی کے لیے ایک بکری ذبح کرنا، اس کا گوشت کچا یا پکا کر تقسیم کرنا، بالوں کے
 لمبی وزن کر کے خیرات کرنا ثواب کے کام ہیں (بہشتی زیور ج ۶ ص ۱۲)

امام الشافعی رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں ملا علی قاری الحنفی رحمہ اللہ نے مرقاة شرح مشکوٰۃ
 علامہ یعنی الحنفی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری میں عقیقہ کی مصلحتوں اور حکمتوں پر باقاعدہ بحث

نمبر ۵:

کے بارے میں اقوال مختلف ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ امام مالک،
 امام احمد رحمہم کے نزدیک سنت موكده ہے۔ امام احمد رحمہم کے دوسرے قول کے
 موجب ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مستحب ہے۔ (مالا بد منہ ص ۱۶۳)

آپ کے شیخ الكل میاں نذیر حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عقیدہ جمہور کے نزدیک ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۳ ص ۴۳۶)

جواب نمبر ۶:

بعض لوگوں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف عقیدہ کے بدعت ہونے کی نسبت کی ہے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ والذي نقل عنه انها بدعة عند ابي حنيفة هذا افتراء فلا يجوز نسبته الى ابي حنيفة قال ليست بسنة موكدة۔ (عمدة القاری ج ۹ ص ۱۱۰ و حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۸۲۱)

یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف عقیدہ کو بدعت قرار دینے کی نسبت خالص افتراء ہے۔ وہ اسے سنت موكدہ نہیں مانتے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ہمام کی طرف اس بدعت کی نسبت افتراء ہے۔ (مالا بد منہ ص ۱۶۳)

جواب نمبر ۷:

علامہ محمد انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام طحاوی کی النسخ والمنسوخ سے مجھ پر حقیقت ظاہر ہوئی کہ امام ابو حنیفہ عقیدہ کو نہیں بلکہ اسم عقیدہ کو مکروہ جانتے ہیں۔ (فیض الباری ج ۳ ص ۱۰۰)

جواب نمبر ۸:

باقی رہا مسئلہ اسم عقیدہ کے مکروہ ہونے کا تو حدیث میں ہے کہ سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن العقيدة فقال لا يحب الله العقوق كانه كره الاسم وقال من ولد له ولد فاحب ان ينسك عنه فلينسك عن الغلام شائين وعن الجارية شاة (البراق ج ۲ ص ۳۶ - نسائی ج ۲ ص ۱۶۷) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ عقوق کو پسند نہیں فرماتا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیدہ کو مکروہ

فرمایا اور فرمایا جس کے ہاں بچہ پیدا ہو وہ اگر پسند کرے تو بچہ کی طرف سے دو اور بچی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے، مولوی محمد جو ناگزہی نے بھی مسند احمد کے حوالہ سے اپنے فتاویٰ نبوی ص ۸۹ میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

جواب نمبر ۹:

مذکورہ روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عقیقہ کو لازم قرار نہیں دیا گیا بلکہ اختیار دیا گیا ہے کہ چاہو تو کر لو چاہو تو نہ کرو۔ اسی لیے یہ روایت نقل کرنے کے بعد علامہ کا سانی فرماتے ہیں کہ وہذا نسخی کون العقیقۃ سنہ (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۶۹) یعنی یہ حدیث عقیقہ کے سنت ہونے کی نفی کرتی ہے، اسی لیے فقہائے احناف کے نزدیک یہ مستحب ہے۔

جواب نمبر ۱۰:

باقی رہا آپ کا یہ کہنا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ سے مراد حرام ہے تو یہ بھی نرا دھوکہ ہے، مقدمہ فتاویٰ عالمگیری ص ۱۰۵ میں ہے کہ کراہت جہاں مطلق ہے تو مراد کراہت تحریمی ہے ورنہ تنزیہی اور کبھی قرینہ کی دلالت نہ یہی مراد لیتے ہیں جیسا کہ علامہ نسفی اور صاحب بحر الرائق نے اسے نقل کیا ہے گویا اس میں قرینہ کو بھی دخل ہے لیکن آپ کے تمام تر قرائن کا عمل دخل توفیقہ حنفی کی عداوت کے لیے ہے اس کی حمایت میں تو آپ حقائق و شواہد سے انحراف و انکار میں کوئی شرم و عار محسوس نہیں کرتے۔

یوں گزر جاتے ہیں دانستہ بچا کر نظریں

بے دفائی میری الفت کا صلہ ہو جیسے

اعتراض نمبر ۳:

آپ کا تیسرا اعتراض یہ ہے ”ہدایہ اولین ص ۱۵۶ میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ نماز استسقاء کی جماعت مسنون نہیں، اگر لوگ اکیلے اکیلے پڑھیں تو جائز ہے فقہ حنفیہ کا یہ مسئلہ بھی احادیث صحیحہ و صریحہ کے سخت خلاف ہے۔

جواب نمبر ۱:

یہ اعتراض بھی آپ کے دو غلطے پن کی بھرپور غمازی کرتا ہے، خدا را اب تو ظاہر و باطن کا فرق متادیتجیے۔

جواب نمبر ۲:

عبارت نقل کرنے میں بھی آپ نے حسب عادت و روایت صریح غیر مقلدانہ بددیانتی کی ہے، پوری عبارت اس طرح ہے قال ابو حنیفہ رحمہ اللہ لیس فی الاستسقاء صلاة مسنونة فی جماعة فان صلی الناس وحدا جاز و انما الاستسقاء الداعاء والاستغفار لقوله تعالیٰ فقلت استغفروا ربکم انه کان غفارا الایة و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استسقی ولم ترو عنه الصلاة وقال یصلی الامام رکعتین لما روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی فیہ رکعتین کصلاة العید رواہ ابن عباس رضی اللہ عنہما قلنا فعلہ مرة وتركہ اخری فلم یکن سنة۔ (ہدایہ اولین ج ۱ ص ۱۵۶) یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جماعت استسقاء مسنون نہیں، اکیلے اکیلے (نوافل کی صورت میں) جائز ہے، کیونکہ طلب بارش دعا و استغفار ہے، جیسا کہ فرمان الہی ہے فقلت استغفروا ربکم انه کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا۔ (النوح: ۱۰) نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اپنے رب کے حضور استغفار کرو، وہ بخشے والا ہے، تمہارے لیے آسمان سے بارش اتارے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان اوقات میں جماعت استسقاء پڑھاتے نہیں دیکھا گیا، صاحبین کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو رکعتیں نماز عید کی طرح مروی ہیں، اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نماز پڑھنا اور ترک کرنا دونوں ثابت ہیں لہذا اسے سنت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

علامہ عبدالرحمن دمشقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اتفقوا علی ان الاستسقاء مسنون واختلفوا هل لیس له صلاة ام لا فقال مالک والشافعی واحمد وصاحب ابی

حنيفة ثسن جماعة وقال ابو حنيفة لا تسن الصلاة بل يخرج الامام ويدعو
 فان صلى الناس وحدها جاز (رحمة الامة ص ۸۳) یعنی استسقاء تو بالاتفاق
 مستون ہے، البتہ اس کی باجماعت نماز کے بارے میں اختلاف ہے، امام مالک، امام
 شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم کے نزدیک جماعت مستون ہے۔ امام
 ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک جماعت مستون نہیں، بلکہ امام لوگوں کو ساتھ لے کر شہر سے باہر
 نکلے اور دعا کرے لوگ اگر اپنی اپنی نماز (نوافل کی صورت میں) پڑھیں تو درست ہے۔

جواب نمبر ۳:

مولانا سید امیر علی فرماتے ہیں کہ مصنف (ہدایہ) کی عبارت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ نفی
 مقید ہے، یعنی ایسی جماعت نہیں جو سنت ہو ہاں ایسی جماعت ہو سکتی ہے جو سنت نہ ہو جائز
 ہو (عین الہدایہ ج ۱ ص ۶۸۴)

جواب نمبر ۴:

بخاری ج ۱ ص ۱۳۸، مسلم ج ۱ ص ۳۹۳ وغیرہ میں روایت ہے کہ حضور ﷺ سے طلب
 بارش کی درخواست کی گئی، تو آپ ﷺ نے منبر پر خطبہ میں دعا فرمائی اور بارش شروع ہو گئی،
 امام صاحب کا استدلال یہی روایت ہے کہ استسقاء کے لیے جماعت شرط و ضروری نہیں۔

جواب نمبر ۵:

بخاری ج ۱ ص ۱۳۷ وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے توسل سے بارش
 کے لیے دعا مانگی۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ جماعت ضروری نہیں، استسقاء کے لیے دیگر
 شری ذرائع بھی موجود ہیں۔

جواب نمبر ۶:

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۷۴ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ استسقاء کے لیے نکلے اور

سوائے استغفار کے کچھ نہ کیا یعنی نہ نماز پڑھی اور نہ خطبہ دیا، جماعت استسقاء اگر مسنون ہوتی تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کبھی ترک نہ کرتے۔

جواب نمبر ۷:

علامہ عینی نے ابن ابی شیبہ سے بسند صحیح نقل کیا ہے کہ مغیرہ بن عبد اللہ نماز استسقاء پڑھنے لگا تو امام ابراہیم نخعی یہ کہہ کر واپس لوٹ آئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استسقاء کے لیے استغفار سے زائد کچھ نہیں کیا۔ (عین الہدایہ ج ۱ ص ۶۸۴)

جواب نمبر ۸:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ استسقاء کی حقیقت تو استغفار ہی ہے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۸۸)

جواب نمبر ۹:

مدارک و کشاف میں ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ سے قحط کی شکایت کی گئی تو آپ نے استغفار کا حکم دیا۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۸۶۸)

جواب نمبر ۱۰:

علامہ نووی الشافعی رحمہ اللہ نے استسقاء کے تین طریقے بیان کیے ہیں: ① دعا بغیر نماز کے۔ ② خطبہ اور فرض نمازوں کے بعد دعا یہ طریقہ پہلے سے افضل ہے۔ ③ جماعت استسقاء یہ پہلے دونوں طریقوں سے افضل ہے۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۲۹۲) قطع نظر اس سے کہ افضلیت کس طریقہ کو حاصل ہے۔ یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ جماعت استسقاء سنت موکدہ نہیں۔

جواب نمبر ۱۱:

مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم فرماتے ہیں کہ جب بارش نہ ہو، قحط کے آثار ظاہر ہونے لگیں

تو بارش کے لیے دعا کرنا اور کثرت سے استغفار کرنا مسنون ہے، آنحضرت ﷺ عام معمول کے مطابق بارش کے لیے دعا فرماتے، کبھی جمعہ کے خطبہ میں، کبھی باہر کھلے میدان میں باجماعت نماز ادا فرماتے، خطبہ دیتے اور دعا کرتے۔ (رسول اکرم ﷺ کی نماز ص ۱۲۳) مولانا سلفی مرحوم بھی استغفار کو ہی مسنون قرار دے رہے ہیں۔

جواب نمبر ۱۲:

مولانا سلفی مرحوم نے جماعت استسقاء کے بھی دو طریقے بیان کیے ہیں۔ ① نماز عید کی طرح بارہ تکبیرات سے دو رکعت۔ ② نماز جمعہ کی طرح قرأت بالجہر کے ساتھ دو رکعت (رسول اکرم ﷺ کی نماز ص ۱۲۳)

علامہ عبدالرحمن الدمشقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ واختلف من رای ان لها صلوة فی صفتها، فقال الشافعی واحمد مثل صلوة العبد و یجهر بالقراءة وقال مالک صفتها رکعتان کسائر الصلاة و یجهر بالقراءة (رحمة الامة ص ۸۳) یعنی جماعت استسقاء کو مسنون قرار دینے والوں میں بھی اس کے طریقہ میں اختلاف واقع ہو گیا ہے، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک وہ نماز عید کی طرح ہے اور امام مالک کے نزدیک نماز جمعہ کی طرح۔

محترم! ان میں سے مسنون طریقہ کون سا ہے؟ اور پھر خطبہ کے بارے میں بھی ان ائمہ میں اختلاف ہے، امام مالک و امام شافعی کے نزدیک خطبہ مسنون ہے اور امام احمد کے نزدیک صرف دعا و استغفار ہے۔

جواب نمبر ۱۳:

امام صاحب کے علاوہ باقی فقہاء احناف جماعت استسقاء کے مسنون ہونے کے قائل ہیں۔ (کبیری ص ۴۲۹، درمختار ج ۱ ص ۱۱۸) اختلاف فقط اتنا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک یہ جماعت مسنون نہیں، باقی فقہاء کے نزدیک مسنون ہے۔ یہی مفتی بہ قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

جواب نمبر ۱۴:

شرح نقایہ ج ۱ ص ۱۰۶، کبیری ص ۴۲ میں ہے امام صاحب کے نزدیک نماز استسقاء مستحب ہے، یعنی ناجائز و حرام نہیں۔

جواب نمبر ۱۵:

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بعض متعصب لوگ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جماعت استسقاء بدعت ہے حالانکہ ابو حنیفہ نے ہرگز اسے بدعت نہیں کہا، سنت ہونے سے انکار ضرور کیا ہے، جب ان کے نزدیک سنت نہیں تو احتمال ہے کہ شاید مستحب و جائز ہو اور منافع میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل سنت نہیں ہو جاتا جب تک کہ اس پر موافقت ثابت نہ ہو جائے۔ (عین الہدایہ ج ۱ ص ۶۸۴)

اعتراض نمبر ۴:

چوتھا اعتراض آپ کا یہ ہے کہ درمختار میں ہے کہ مدینہ منورہ احناف کے نزدیک حرم نہیں یہ مسئلہ بھی احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔

جواب نمبر ۱:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر احادیث صحیحہ کی صریح خلاف ورزی کا یہ الزام بھی آپ کے دو غلطی کی عکاسی کرتا ہے۔

جواب نمبر ۲:

علامہ عبدالرحمن الدمشقی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وقتل حید حرم المدینہ حرام و کذا قطع شجرہ و هل یضمن؟ للشافعی قولان، الجدید الراجع منہما لایضمن وهو مذهب ابی حنیفہ والقدید المختار انه یضمن بسلب القاتل والقاطع وهو مذهب مالک و احمد۔ (رحمة الامة ص ۱۴۰) یعنی حرم مدینہ میں

شکار اور قطع شجر کے بارے میں اختلاف ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے ایک قول کے مطابق (جو راجح بھی ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے موافق بھی) اس پر ضمان نہیں ہے، اور دوسرے قول کے مطابق (جو امام مالک و امام احمد کے موافق ہے) اس پر ضمان ہے، علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی فرماتے ہیں کہ اتفق الشافعی ومالك واحمد رحمہم علیہم بحرم الصيد حرم المدينة واصطياده وقطع شجرة وقال ابو حنيفة لا يحرم شيء من ذلك۔ (وفاء الوفاء باخبار دار المصطفى ج ۱ ص ۱۰۵)

یعنی امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم متفق ہیں کہ حرم مدینہ میں شکار اور قطع شجر حرام ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک حرام نہیں ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں مختلف مسلک ہیں، پہلا مسلک امام ابو حنیفہ، امام سفیان ثوری اور امام عبداللہ بن مبارک رحمہم وغیرہ کے نزدیک مدینہ منورہ مکہ مکرمہ کی طرح حرام نہیں، اس بارے میں فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے تعظیمی ہے امر حکمی نہیں، اسی لیے وہاں شکار اور قطع شجر جائز ہے جیسا کہ رد المحتار ج ۲ ص ۲۷۸ میں ہے کہ حرم مدینہ میں شکار اور قطع شجر کی حرمت کے لیے دلیل قطعی چاہیے جو یہاں موجود نہیں دوسرا مسلک، امام زہری، امام شافعی، امام مالک، امام احمد اور امام اسحاق رحمہم وغیرہ فرماتے ہیں کہ حرم مدینہ منورہ حرم مکہ کی طرح ہے، جہاں نہ شکار درست ہے اور نہ قطع شجر البتہ اگر کسی نے شکار کر لیا یا درخت کاٹ لیا تو اس پر صرف استغفار ہے، ضمان کوئی نہیں۔ (اعلاء السنن ج ۱ ص ۴۸۴) علامہ سمہودی فرماتے ہیں کہ وقد اختلف القائلون بالتحريم في حرم المدينة بالنسبة الى الضمان بالجزاء فعن احمد روايتان وللشافعي ايضا قولان الجديد منهما عدم الضمان وهو قول مالك۔ (وفاء الوفاء ج ۱ ص ۱۰۸) یعنی مدینہ منورہ کو مکہ مکرمہ کی طرح حرم قرار دینے والوں میں بھی قطع شجر اور شکار کے ضمان و جزاء میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ امام احمد و امام شافعی سے دو اقوال منقول ہیں، قول جدید عدم ضمان کا ہے اور یہی قول امام مالک کا بھی ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ:

امام مالک، امام شافعی اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ حرم مدینہ میں شکار اور قطع شجر بغیر
ضمان کے حرام ہے۔ (اشفة اللمعات ج ۲ ص ۳۸۸)

تیسرا مسلک امام محمد بن ابی ذئب کے نزدیک حرم مدینہ میں شکار اور قطع شجر سے ضمان لازم
آئے گا، اس اختلاف سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خالص ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔

جواب نمبر ۳:

علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ

آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ مدینہ کو میں نے حرام کیا اس سے حرمت تعظیمی مراد ہے،
دلیل اس کی یہ ہے کہ حدیث مسلم میں آپ نے فرمایا کہ مدینہ کے درختوں کے پتے نہ
جھاڑے جائیں سوائے جانوروں کے کھلانے کے لیے حالانکہ حرم مکہ کے درختوں کے پتے
کسی صورت بھی جھاڑنے جائز نہیں، باقی رہا شکار مدینہ کا تو اگرچہ چند صحابہ نے اس کو حرام
کہا ہے، لیکن جمہور صحابہ نے اسے حرام نہیں کہا، اور شکار مدینہ کی حرمت پر کوئی قابل اعتماد
حدیث بھی ثابت نہیں۔ (مرقات بحوالہ فتح المبین ص ۱۶۵)

جواب نمبر ۴:

آپ کو شکوہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حرم مدینہ کے درخت کاٹنے کو حرام قرار نہیں دیتے،
لیکن آپ کے اکابر تو روضہ رسول ﷺ کو منہدم کرنے کو واجب قرار دیتے ہیں جیسا کہ نواب
نور الحسن خان فرماتے ہیں کہ ”مسلمانوں پر واجب ہے کہ پیغمبر و غیر پیغمبر میں تفریق کیے بغیر
سب کی قبریں زمین کے برابر کر دیں۔ (عرف المجاہد ص ۶۰) نعوذ باللہ من ذلک۔

محترم! حرم مدینہ کے درخت کاٹنا زیادہ سنگین جرم ہے یا روضہ اقدس کا انہدام؟ قطع شجر کے جواز کا
فتویٰ قابل گرفت ہے یا انہدام روضہ رسول ﷺ کے وجوب کا فتویٰ؟ فاعتبروا اولی الابصار۔

جواب نمبر ۵:

محترم! آپ حرم مدینہ کا ذکر لیے بیٹھے ہیں۔ آپ کے نواب صدیق حسن خان تو فرماتے

کے اگر حرم مکہ میں شکار کیا یا درخت کا ٹاٹو سوائے گناہ کے کوئی جزا نہیں۔

(الروضة النندیہ ج ۳ ص ۱۶۸)

اعتراض نمبر ۵:

آپ کا پانچواں اعتراض یہ ہے کہ ہدایہ میں ج ۱ ص ۱۴۸ میں ہے کہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں، یہ مسئلہ بھی قرآن و حدیث کے صریح خلاف ہے۔

جواب نمبر ۱:

احناف کا یہ موقف محض قیاسات و قرائن پر مبنی نہیں بلکہ ایسے حقائق و شواہد پر مبنی ہے جس پر خلفائے راشدین کا مسلسل عمل موجود ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع و كان بعد الامصار البصرة والكوفة والمدينة والبحرين۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۶۸، نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۳۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۱، سنن الکبری ج ۳ ص ۷۹، محلی بن حزم ج ۵ ص ۵۳) یعنی جمعہ اور عید، بصرہ، کوفہ، مدینہ اور بحرین جیسے بڑے شہر میں ہی جائز ہے، اس اثر کو حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۱۲۲، فتح الباری ج ۲ ص ۳۸، عمدۃ القاری ج ۳ ص ۶۳ اور فتاویٰ علمائے حدیث ج ۴ ص ۱۴۱ میں صحیح تسلیم کیا گیا ہے، علامہ انور کاشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۳۳۱)

جواب نمبر ۲:

کبیری ص ۵۴۹ میں ہے کہ علی بن ابی طالب، حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، ابراہیم نخعی، مجاہد، محمد بن سیرین اور سفیان ثوری رحمہم السلام کے نزدیک چھوٹی بستیوں میں جمعہ درست نہیں، خدا معلوم پھر آپ کے نزدیک مجرم تنہا احناف ہی کیوں ہیں؟

جواب نمبر ۳:

مہد نبوی رضی اللہ عنہ میں سنہ ۹ ہجری تک صرف تین مقامات میں جمعے ہوتے تھے۔ ① مدینہ

منورہ، ④ مکہ مکرمہ، ⑤ جوائی۔

جواب نمبر ۴:

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چھتیس ہزار چھوٹے بڑے شہر فتح کیے، لیکن جمعہ صرف نو سو مقامات پر جاری فرمایا۔ (ازالۃ الخفاف ج ۲ ص ۶۵)

جواب نمبر ۵:

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ آپ کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور ان کے مجتہدین رضی اللہ عنہم جمعہ عون البلدان ولا یواخذون اهل البدو شہروں میں جمعہ قائم کرتے تھے اور گاؤں والوں سے تعرض نہ کرتے تھے اور نہ ان کے عہد میں دیہات کے اندر جمعہ قائم کیا جاتا تھا اس کے بعد قرن بعد قرن لوگ یہ بات سمجھ گئے کہ جمعہ کے لیے جماعت اور شہریت شرط ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۵۳۳)

جواب نمبر ۶:

مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم عورت، بیمار، مسافر، غلام، معذور بچوں کو جمعہ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ (رسول اکرم ﷺ کی نماز ص ۱۱) حالانکہ طہرانی فی الاوسط میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اہل بادیہ (یعنی گاؤں والوں) کو بھی جمعہ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

جواب نمبر ۷:

مولانا سلفی مرحوم فرماتے ہیں کہ جمعہ کی شرائط ہیں گاؤں یا شہر کا تذکرہ بے فائدہ ہے، جہاں مناسب اجتماع ہو سکے، کام کا خطیب مل سکے، جمعہ ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، گاؤں یا شہر کی بجائے خطیب کی صلاحیت پر بحث ہوتی تو معقول بات سمجھی جاتی۔

(رسول اکرم ﷺ کی نماز ص ۱۱۸)

مناسب اجتماع اور خطیب کی شرائط کون سی نص صریح سے ثابت ہیں؟ پھر مناسب اجتماع کی تعریف کیا ہوگی؟ صلاحیت خطیب کی شرعی شرائط کیا ہوں گی؟ صرف یہی کہ وہ امام اعظم

کے خلاف تہربازی کا غیر مقلدانہ کورس مکمل کر چکا ہو؟

سوال نمبر ۶:

جنا اعتراض آپ کا یہ ہے کہ شامی ج ۲ ص ۶۸۳ میں ہے کہ مرد انتہائے مغرب میں اور
مرتب انتہائے مشرق میں ہو، دونوں کے درمیان سال بھر کی مسافت کا فاصلہ ہو ان کا نکاح
مباح ہے، نکاح کے چھ ماہ بعد عورت بچہ جنے تو یہ بچہ ثابت النسب ہوگا۔

جواب نمبر ۱:

مسئلہ آخر کون سے حکم قرآنی اور کس فرمان نبوی ﷺ کے خلاف ہے؟ آپ نے اس کی
احت ضروری نہیں سمجھی۔

جواب نمبر ۲:

محترم! ذرا غور کر کے جواب دیجیے اور مفتیان جامعہ اثریہ سے مشورہ کر لینے میں کوئی حرج
نہیں کہ مذکورہ صورت میں باپ اگر بچہ کے نسب سے انکار نہیں کرتا تو کسی تیسرے شخص کے
نکاح سے کون سا شرعی جواز ہے کہ وہ اس سے انکار کرے، کیونکہ نسب تو مرد کے اقرار سے ہی
ثابت ہوگا، فقہانے یہ کہاں لکھا ہے کہ مرد کے انکار کے باوجود بھی بچہ کا نسب ثابت رہے گا؟

جواب نمبر ۳:

یہ رہا یہ مسئلہ کہ کیا ایسا ممکن بھی ہے؟ تو اس سے انکار صرف منکر کرامات کے ذہن میں
ہو سکتا ہے کیونکہ فقہانے صراحت کی ہے کہ کرامتا خاوند کا بیوی کے پاس یا بیوی کا خاوند
کے پاس پہنچ جانا ممکن ہے، اور کرامتا مہینوں و سالوں کا سفر لمحوں میں طے کر لینے کا ثبوت
قرآن پاک میں موجود ہے، سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا نے کہا ان اتیک بہ قبل
رسد الیک طرفک (النحل: ۴۰) میں پلک جھپکنے کی دیر میں تخت بلقیس لے آؤں
انچہ وہ لے آیا اس سے ثابت ہوا کہ کرامتا ایسا ممکن ہے۔

جواب نمبر ۴:

آپ کے معروف بزرگ مولوی عنایت اللہ اثری اسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

وہ بچہ اس لیے صحیح النسب ہے کہ بطور کرامت، استخدا ام الجن سے دونوں (میاں بیوی) کا ملاپ ممکن ہے، کہ وہ اس کے پاس گئی ہوگی یا وہ اس کے پاس آیا ہوگا۔ (عیون زمزم ص ۱۹)

جواب نمبر ۵:

آپ کے محسن بزرگ مولوی محمد جونا گڑھی حدیث الولد للفراش ولعابرا الحجر پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

بچہ صاحب فراش کو (یعنی خاوند) ملے گا۔ کیونکہ فراش کے عمل کا موجب یہی ہے پس لازمی ہے کہ آپ کے اس حکم اور فتویٰ کو یونہی تسلیم کر لیا جائے۔ (فتاویٰ نبوی ص ۶) سرور اہل حدیث مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ طلاق کے بعد عدت میں کسی غیر سے وطی کی تو بچہ خاوند کا ہوگا۔ الولد للفراش (فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص ۱۰۷) صلائے عام ہے فضلاءِ مدینہ یونیورسٹی کے لیے طلاق کے بعد بھی بچہ ثابت النسب ہوگا۔

جواب نمبر ۶:

خاوند اگر بیوی پر زنا کی تہمت لگا کر بچہ کے نسب سے انکار کرے تو اس کے لیے ایمان کا حکم قرآنی موجود ہے۔ مشکوٰۃ باب اللعان میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ایک جھگڑا میں لعان کے بعد بچہ ماں کے حوالہ کر دیا۔

اعتراض نمبر ۷:

آپ کا ساتواں اعتراض یہ ہے کہ ہدایہ اخیرین ص ۴۸ میں ہے گندم، جو، شہد اور مکئی سے بنائی گئی شراب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حلال ہے۔

راض نمبر ۸:

آپ کا آٹھواں اعتراض یہ ہے کہ ہدایہ اخیرین ص ۴۸۱ میں ہے عصیر انگور کو جب پکایا جائے یہاں تک کہ اس کا دو تہائی ختم ہو جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے ایسی (انگوری شراب) امام ابوحنیفہ اور قاضی ابو یوسف کے نزدیک حلال ہے۔ اور امام محمد، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک حرام ہے۔ یہ اختلاف اس لیے ہے کہ جب (شراب) پینے والے کا علاوہ طاقت حاصل کرنے کا ہو۔ الخ۔

نوٹ:

بریکٹ میں آپ نے شراب اور انگوری شراب کا الفاظ کا اضافہ کر کے صرف خبث باطن کا نہیں بھرپور جہالت کا بھی ثبوت دیا ہے۔

جواب نمبر ۱:

مولانا سید امیر علی بیضی فرماتے ہیں کہ شراب چار قسم پر ہے۔ ① خمروہ شیرہ انگور جو جوش لا کر تندی اور سختی لائے اور جھاگ چھوڑے۔ ② طلاء وہ شیرہ انگور جو پک کر دو تہائی سے کم اڑ جائے۔ ③ سکر نقیج التمر، جب کہ جوش کھا کر سختی لائے۔ ④ نقیج الذبیب، جب کہ جوش کھا کر سختی لائے۔ (عین الہدایہ ج ۴ ص ۳۳۸)

جواب نمبر ۲:

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق کتاب الاشریہ میں صحیح مسلم کے حوالہ سے یہ روایت منقول ہے کہ ”آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خمر ان دھنوں درختوں سے ہے اور اشارہ انگور درخت کی طرف کیا“ گویا تحریم ان دونوں کے ساتھ خاص کی گئی، ان کے علاوہ باقی چیزوں کے لیے نہیذ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (عین الہدایہ ج ۴ ص ۳۸۸) علامہ عبدالرحمن الدمشقی فرماتے ہیں کہ واما نبیذ الحنطة والشعیر الذرة والعسل والازر فانه حلال

عندہ نقیعاً و مطبوخاً و انما یحرم للمسکر منه و یحد فیه۔ (رحمۃ الامام ص ۳۷۴) یعنی خبثہ ہر چیز کی امام صاحب کے نزدیک حلال ہے۔ وہ پانی میں بھیگوئی ہو یا پکی ہوئی، البتہ اگر اس میں نشہ آجائے تو حرام ہے اور پینے والے پر حد ہے۔

جواب نمبر ۳:

کتب فقہ میں ان کے لیے الگ الگ باب ہیں حتیٰ کہ صاحب ہدایہ نے بھی پہلے خمر کے احکامات بیان فرمائے ہیں کہ اس کی حرمت قطعی ہے، اس لیے پینے والے پر حد ہے، عین خمر حرام ہے اور علت نشہ سے معلول نہیں، نجاست غلیظہ ہے، اس کو حلال جاننے والا کافر ہے وغیرہ۔ ان کے بیان کرنے کے بعد صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ہذا ہوالکلام فی الخمر یعنی یہ خمر بیان تھا جو ختم ہوا اس کے بعد وہ دوسری چیزوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ علامہ عبدالرحمن الدمشقی فرماتے ہیں کہ اجمع الائمۃ علی تحریم الخمر و نجاستھا و ان شرب کثیرھا و قلیلھا موجب للحد و ان من استحلھا حکم بکفر و اتفقوا علی ان عصیر العنب اذا اشتد و قذف زیدہ فہو خمر، و اختلفوا فیہ اذا مضی علیہ ثلاثۃ ایام و لم یشتد و لم یسکر فقال احمد اذا مضی علی العصیر ثلاثۃ ایام صار خمر او حرم شربہ و ان لم یشتد و لم یسکر، وقال ابو حنیفہ و مالک و الشافعی لا بصیر خمر او حتی یشتد و یسکر یقذف زیدہ (رحمۃ الامۃ ص ۳۷۳)

یعنی خمر کے حرام و نجس ہونے پر سب ائمہ کا اجماع ہے، تھوڑی یا زیادہ پینے والے پر حد واجب ہو جاتی ہے۔ اس کو حلال سمجھنے والا کافر ہو جاتا ہے، اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ انگور کا شیرہ جب سختی لے آئے اور جھاگ چھوڑے تو وہ خمر ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اگر اس پر تین دن گزر جائیں، نہ وہ سختی لائے اور نہ نشہ تو اس کا کیا حکم ہے امام احمد کے نزدیک وہ خمر بھی خمر ہے اور اس کا پینا حرام ہے، جب کہ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک نہ وہ خمر ہے اور نہ اس کا پینا حرام ہے۔

ابراہیم نخعی بھی اسی لیے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے ساری دنیا بھی دے دی جائے تو میں حرمتِ نبیہ کا فتویٰ نہ دوں گا۔ کیونکہ بعض صحابہ کا نبیہ پینا ثابت ہے اس سے نعوذ باللہ تعالیٰ ان کو فسق کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ اور اگر مجھے ساری دنیا مل جائے تو میں نبیہ نہیں پیوں گا کیونکہ اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ (معراج الدرایہ بحوالہ فتح المسبین ص ۲۲۱)

جناب والا! ابوحنیفہ کے کمال فراست کا بھی جائزہ لیجیے اور اپنے کمال جہالت کا بھی، رد المحتار ج ۵ ص ۲۵۳ میں ہے قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نثر ارادہ کر کے نبیہ پیے گا تو قلیل و کثیر دونوں حرام ہو جائیں گے۔

اعتراض نمبر ۹:

آپ کا نواں اعتراض یہ ہے کہ قاضی خان ج ۳ ص ۳۶۸ میں ہے کہ اگر کوئی آدمی محرماتِ ابدیہ جیسے بیٹی، بہن، ماں، پھوپھی اور خالہ سے نکاح کرے اور اس سے جماع کرے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر حد نہیں۔

جواب نمبر ۱:

محترم! آپ کا فرض تھا کہ اعتراض کرنے کے بعد اس کی حد نص صریح کے حوالہ سے نقل کرتے، لیکن آپ نے حد نقل نہیں کی۔

جواب نمبر ۲:

طحاوی ج ۲ ص ۷۳ میں ہے سوتیلی ماں سے نکاح کی وجہ سے مرتد ہو گیا، کیونکہ اس نے حرام کو حلال سمجھا، لہذا اس پر ارتداد کی سزا نافذ ہوگی اور یہ صرف عقیدہ نکاح ہی سے نافذ ہو جائے گی، اس کے لیے مباشرت شرط نہیں اور اگر اس نے یہ نکاح حرام سمجھ کر کیا تو مباشرت و وطی کی صورت میں حد نافذ ہوگی، اسی طرح محرم سے بلا نکاح وطی کی تو بھی حد نافذ ہوگی یہی امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کا مذہب ہے۔

محترم! ذرا غور فرمائیے کہ مسئلہ کی تین صورتیں ہیں اول محرمات میں سے کسی کے ساتھ

کناح کیا، اگر حلال اور جائز سمجھ کر کیا تو کافر و مرتد ہو گیا، لہذا اس پر ارتداد کی شرعی سزا نافذ ہو گی اور اگر حرام و ناجائز سمجھ کر کیا تو اس کے لیے شرعاً کوئی حد اور سزا مقرر نہیں ہے، دوم نکاح کے بعد اگر اس نے وطی و مباشرت بھی کر لی تو یہ زنا ہے۔ لہذا اس پر زنا کی حد جاری ہوگی، سوم بغیر نکاح کے اگر کسی نے محرمات میں سے کسی کے ساتھ زنا کر لیا تو اس پر بھی زنا کی حد جاری ہوگی۔

جواب نمبر ۳:

باقی رہا مسئلہ یہ کہ آنحضرت ﷺ نے ایسے شخص کے لیے قتل کی سزا کا حکم دیا ہے تو اس کے بارے میں قاضی شوکانی فرماتے ہیں کہ اس نے فعل حرام کو حلال سمجھا جو کفر کے لوازمات میں سے ہے، اس لیے اسے قتل کیا گیا۔ (نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۲۲) گویا یہ قتل کی سزا حد نہیں بلکہ ارتداد کی سزا تھی۔ امام حافظ ابن الہمام الحنفی ہیندہ فرماتے ہیں کہ یہ قتل کی سزا بطور سیاست و تعزیر تھی۔ (فتح القدیر ص ۱۳۸) اس سے صاف ظاہر ہے کہ اختلاف قتل کی سزا میں نہیں ہے، جس میں ہے کہ یہ قتل کی سزا حد ہے یا تعزیر؟ در مختار ج ۳ ص ۹۷ میں ہے اسے تعزیراً قتل کیا جائے گا۔ عالمگیری ج ۲ ص ۱۳۸ میں ہے اسے عبرت ناک سزا دی جائے گی، طحاوی ج ۲ ص ۹۷ میں ہے یہ زنا سے بڑا گناہ ہے ولکن یجب فیہ التعزیر والعقوبة البلیغة اس پر تعزیراً سخت ترین سزا واجب ہے۔ حافظ ابن ہمام ہیندہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کہا اس بنی وغیرہ سے نکاح جائز ہے وہ کافر، مرتد اور واجب القتل ہے۔

(فتح القدیر ج ۵ ص ۴۲، طحاوی ج ۲ ص ۹۶)

جواب نمبر ۴:

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے ایما امرأۃ نکحت نفسها بغیر اذن ولیہا فنکاحہا باطل باطل باطل (مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی) جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر خود بخود نکاح کر لیا، اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا: لا

نکاح الی ہولی (ابن ماجہ ص ۱۳۶) ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے، بلکہ مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ولا تزوج المرأۃ نفسها فان الزانیۃ ہی التي تزوج نفسها (ایضاً ص ۱۳۶) عورت خود بخود (بغیر اذن ولی کے) نکاح نہ کرے بے شک خود بخود نکاح کرنے والی زانیہ ہے۔ ان فرامین نبوت کی روشنی میں آپ سے میرا سوال یہ ہے کہ بغیر اذن ولی کے نکاح کرنے والی عورت جسے حضور ﷺ زانیہ قرار دے رہے ہیں اس کی شرعی حد کیا ہے؟ حدیث صحیح سے اس کا ثبوت چاہیے۔ ہاتوا برہانکم ان کنتم صادقین۔

جواب نمبر ۵:

آپ کے نامور بزرگ نواب نور الحسن خان بیسید فرماتے ہیں کہ زنا کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔ (عرف الجادی ص ۱۱۳) سردار اہل حدیث مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں کہ وادی کے ساتھ پوتے کا نکاح جائز ہے اس کی حرمت منصوص نہیں۔

(اخبار اہل حدیث رمضان ۱۳۸۸ھ بحوالہ معین الفقہ ص ۹۵)

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیاں غالب

تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

محترم! ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے تو نہ اس نکاح کو جائز قرار دیا، نہ اس کی حرمت منصوصہ سے انکار کیا اور نہ اس کی سزا سے انکار کیا، صرف اس سزا کا نام حد کی بجائے تعزیر رکھ دیا تو آپ نے آسمان سزا پر اٹھا لیا، لیکن یہاں تو سب کچھ قرآن و حدیث کے نام پر بھورہا ہے، اس کے بارے میں بھی کچھ وضاحت فرمادیجیے۔

اعتراض نمبر ۱۰:

آپ کا دسواں اعتراض یہ ہے کہ حاشیہ طحاوی ص ۹۰ میں ہے کہ بے شک خنزیر کی جلد دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔

جواب نمبر ۱:

علامہ عبدالرحمن الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جلود المیتۃ کلھا تطہر بالدباغ الا جلد الخنزیر عند ابی حنیفہ و اظهر الروایتین عن مالک انھا لا تطہر لکنھا ینعمل فی الاشیاء الیابسة و فی الماء من بین سائر المائعات و عند الشافعی تطہر الجلود کلھا بالدباغ الا جلد الکلب و الخنزیر و ما تولد منهما او من احدهما و عن احمد روایتان اشهرهما لا تطہر و لا یباح الانتفاع بها فی شیء کلیم المیتۃ و حکى عن الزهرى انه قال ینتفع بجلود المیتات کلھا من غیر دباغ (رحمہ الامۃ ۹) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خنزیر کے علاوہ ہر مردار کا چمڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ امام مالک کی ظاہر روایت کے مطابق کسی مردار کا چمڑا دباغت سے پاک نہیں ہوتا، لیکن اس کو خشک و تر چیزوں کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک کتے، خنزیر اور ان کی نسل کے سوا باقی ہر مردار کا چمڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ امام احمد کی مشہور روایت کے مطابق کسی مردار کا چمڑا نہ تو دباغت سے پاک ہوتا ہے اور نہ اس سے فائدہ حاصل کرنا درست ہے اور امام زہری کے نزدیک دباغت کے بغیر ہی ہر مردار کے چمڑے سے فائدہ اٹھانا درست ہے۔ امام بخاری بھی ہر مردار کے چمڑے کو قبل از دباغت پاک اور جائز الاستعمال قرار دیتے ہیں۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۹۶، فتح الباری ج ۴ ص ۱۲۸) اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک خالص اجتہادی مسئلہ ہے۔

جواب نمبر ۲:

مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایما اھاب دبع لشد طہر جس چمڑہ کو بھی دباغت دی جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ آپ کے معروف غیر متکذب بزرگ مولانا شمس الحق عظیم آبادی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس شخص کے لیے دلیل ہے جو یہ کہتا ہے کہ دباغت ہر حیوان مردہ کے چمڑہ کو

پاک کرنے والی ہے، جیسے ایسا کا عموم اس کا فائدہ دیتا ہے، اسی طرح لفظ احباب اپنے مجموعہ کے لحاظ سے حلال اور حرام ہر چہرہ کو شامل ہے۔ (عون المعبود ج ۴ ص ۱۱۳)

محترم قاضی ابو یوسف کی بجائے حدیث رسول ﷺ کی طرف توجہ دیجیے، خدا تعالیٰ آپ کو سمجھ و عطا فرمائے آمین۔

جواب نمبر ۳:

یہی مذہب قاضی شوکانی کا نیل الاوطار ج ۱ ص ۶۲ میں اور حافظ بن قسیم کا زاد المعاد ج ۲ ص ۱۴۳ اور اعلام الموقعین ص ۲۸ میں منقول ہے۔

جواب نمبر ۴:

ذرا اپنے گھر کی بھی خبر لے لیجیے، ابن حزم فرماتے ہیں خنزیر کی کھال پر نماز جائز ہے۔ (مکلی ج ۱ ص ۱۱۸) نواب صدیق حسن خان فرماتے ہیں کہ خنزیر کے ناپاک ہونے پر آیت سے استدلال جائز نہیں۔ (بدور الابلہ ص ۱۵)

نواب نور الحسن خان فرماتے ہیں خنزیر کا خون پاک ہے۔ (عرف الجادی ص ۱۰) نواب وحید الزمان خان فرماتے ہیں کہ جس چہرہ کو دباغت دی جائے پاک ہو جاتا ہے۔ بعض اصحاب نے خنزیر اور آدمی کو مستثنیٰ کیا ہے۔ حالانکہ صحیح یہ ہے کہ یہ بھی مستثنیٰ نہیں۔ (نزل الابرار ج ۱ ص ۲۹) خدا معلوم آپ کے یہ سارے نواب آپ کے خلاف کیوں یک زبان ہیں؟ مہلوی عنایت اللہ اثری فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام وادی مقدس میں اللہ پاک سے ہم کلام ہوئے تو آپ کی جوتی اتر وادی گئی کیونکہ وہ مردہ گدھے کے غیر مدبوغ چہرہ سے تیار شدہ تھی۔ (حصول تیسیر البیان ص ۶۹)

اعتراض نمبر ۱۱:

آپ کا گیارہواں اعتراض یہ ہے کہ ہذا یہ اولین ص ۲۴ میں ہے کہ جو چیز دباغت سے پاک ہو جاتی ہے وہ ذبح سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس کا گوشت بھی پاک ہو جاتا ہے۔

جواب نمبر ۱:

آپ نے عبارت نقل کرنے میں دجل و تلحیس اور بدویانہ سے کام لیا ہے۔ عبارت کے درمیان سے وضاحتی جملہ ہنضم کر گئے ہیں، عبارت میں یہ وضاحتی جملہ صاف موجود ہے۔
 لانه يعمل عمل الدباغ في ازالة الرطوبات النجسة اس لیے کہ دباغت کا عمل رطوبات نجسہ زائل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر مینید فرماتے ہیں کہ ان الدباغ لا يزيد في التطهير على الذكاة (فتح الباری ج ۹ ص ۵۲۱) یعنی دباغت طہارت کے عمل میں ذبح سے زیادہ فائدہ نہیں دیتی، بلکہ نسائی میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ذكاة الميتة دباغها۔ مردار کو ذبح کرنا اس کو دباغت دینا ہے اور دوسری روایت میں ہے دباغها ذکاتها دباغت اس کی اس کو ذبح کرنا ہے، اور طہارت میں اصل ذبح ہے، دباغت اس کے قائم مقام ہے، کیا اس کے بعد بھی اعتراض کی کوئی گنجائش باقی ہے؟

جواب نمبر ۲:

علامہ عبدالرحمن الدمشقی مینید فرماتے ہیں کہ والذکاة لا تعمل شيئاً فيما لا يوكل عند الشافعي واحمد واذا ذكيت صارت مية وعند مالك تعمل الا في الخنزير واذا ذكي عنده سبع او كلب فجلبه ظاهر يجوز بيعه والوضوء فيه وان لم يدبغ وكذا عند ابي حنيفة۔ (رحمة الامة ص ۹) امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک حرام جانور کو ذبح کرنے کا عمل کچھ فائدہ نہیں دیتا، امام مالک کے نزدیک شکریر کے علاوہ باقی کسی بھی جانور کو ذبح کرنے سے جلد یعنی چمڑا اس کا بغیر دباغت کے پاک ہو جاتا ہے، اس کو بیچنا بھی جائز ہے۔ اور اس میں وضو بھی درست ہے۔ اور یہی درست و مسلک امام ابوحنیفہ مینید کا ہے۔

جواب نمبر ۳:

باقی رہا مسئلہ اس کے گوشت کے پاک ہونے کا تو مفتی بہ قول کے مطابق وہ گوشت پاک نہیں ہوتا مراقی الفلاح ص ۹۷ میں ہے فلا یطہر علی اصح ما یفتی بہ مفتی بہ اور زیادہ صحیح قول کے مطابق حرام جانوروں کا گوشت ذبح سے پاک نہیں ہوتا۔ علامہ عبدالحی لکھنوی حاشیہ ہدایہ ص ۲۵ میں اور حافظ ابن ہمام فتح القدیر ص ۳۹ میں فرماتے ہیں فسال کثیر من المشائض انه یطہر جلدہ لا لحمہ وهو الاصح واختارہ الشارحون کصاحب العنایۃ وصاحب النہایۃ وغیرہما یعنی اکثر مشائخ حنفیہ کے نزدیک ذبح سے چمڑا تو پاک ہو جاتا ہے گوشت نہیں، اسی کو صاحب عنایہ اور صاحب نہایہ وغیرہ اکثر شارحین نے اختیار کیا ہے کبیری ص ۱۴۴ میں ہے الصصحیح ان اللحم لا یطہر بالذکاة صحیح یہی ہے کہ ذبح سے گوشت پاک نہیں ہوتا، درمختار میں ہے لا یطہر لحمہ علی قول الا کثر ان کان غیر ماکول هذا اصح ما یفتی بہ صحیح اور مفتی بہ قول کے مطابق گوشت پاک نہیں ہوتا۔

اعتراض نمبر ۱۲:

آپ کا بار ہواں اعتراض یہ ہے کہ شرح وقایہ ج ۲ ص ۳۴ میں ہے (حق مہر) میں شراب اور تنزیہ کا دینا صحیح (جائز) ہے۔

جواب نمبر ۱:

لعنة الله على الكاذبين شاید ائمہ محدثین نے کذاب وضاع الحدیث اور جلا من الدجابلہ جیسی اصطلاحات آپ جیسے فضلاء مدینہ یونیورسٹی کے لیے وضع کی ہیں؟ غیر مقلدیت کا یہی تو کمال ہے کہ اسے جھوٹ بولتے ہوئے ذرہ برابر شرم اور عار محسوس نہیں ہوتی۔

محترم! آپ کے اس وجہ سے تو یقیناً مرزا قادیانی بھی کانپ اٹھا ہوگا۔ آئیے ذرا اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے اور اپنے فریب ترجمہ و مفہوم کا جائزہ لیجیے۔ اصل عبارت یہ ہے **وصح النکاح بلا ذکر مهر ومع نفیہ و بنخمر و خنزیر۔** (شرح وقایہ ج ۲ ص ۳۱) یعنی نکاح صحیح ہے حق مہر کا ذکر کیے بغیر یا اس کی نفی کر کے یا شراب اور خنزیر کے ساتھ حق مہر کر کے۔

محترم! اپنی عربی دانی کا جائزہ لیجیے آخر آپ کہاں کہاں مدینہ یونیورسٹی کا نام اپنی جہالتوں سے روشن کریں گے؟

جناب والا! عبارت کا مطلب یہ نہیں کہ شراب اور خنزیر حق مہر میں دینا صحیح ہے بلکہ اس کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ حق مہر میں شراب و خنزیر اگر مقرر کیا جائے تو نکاح صحیح ہے، باقی رہی آپ کی یہ الجھن کہ ان کے حق مہر مقرر کرنے سے نکاح کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ تو محترم حق مہر نکاح کے لیے شرط نہیں ہے، اگر آپ نے اسی عبارت کے حاشیہ پر غور فرمایا ہوتا تو ساری الجھن دور ہو جاتی، حاشیہ میں یہ عبارت موجود ہے کہ **فدل ذالک علی جوازہ بدون ذکرہ لتعینہ و هو يشمل عدم الذکر مطلقاً و نفیہ و لما صح النکاح فی باتین الصورتین صح فی صورة ما اذا ذکر فی المهر مالا قيمة له كالخمر والخنزیر ونحوهما ما هو لیس بمتقوم شرعاً** (حاشیہ ج ۲ ص ۳۱) یعنی آیت ”لا جناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم تمسوهن او تفرضا لهن فربضة“ (البقرة: ۲۳۶) اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حق مہر کی تعیین اور اس کی نفی کے بغیر بھی نکاح صحیح اور درست ہے، جب اس سے نکاح درست ہے تو ایسی صورت میں بھی نکاح درست ہوگا جب حق مہر میں ایسی چیز ذکر کر دی جائے جس کی کوئی قیمت نہیں ہے، جیسے شراب اور خنزیر وغیرہ۔

محترم! غور فرمائیے کہ شراب اور خنزیر کو حق مہر کی حیثیت سے قبول نہیں کیا جا رہا بلکہ اس کے ذکر کو عدم ذکر اور بلا قیمت چیز کی حیثیت سے گوارا کیا جا رہا ہے۔

اعتراض نمبر ۱۳:

آپ کا تیر ہواں اعتراض یہ ہے کہ شرح فقہ اکبر ص ۸۵ میں ہے، شیخین اور دونوں دامادوں رحمہم کو گالی دینا بلکہ خانہء راشدین کو قتل کرنے سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

جواب نمبر ۱:

یہاں بھی آپ نے عبارت نقل کرنے میں غیر مقلدانہ بددیانتی کا ثبوت دیا ہے، حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ اس مقام پر یہ بحث فرما رہے ہیں کہ سب شیخین و حشمتین رحمہم کو اگر کوئی شخص حرام و ناجائز سمجھ کر کرتا ہے تو وہ کافر و دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا نعم لو استحل السب او القتل فهو کافر لا محالة ہاں اگر حلال اور جائز سمجھ کر سب اور قتل کرتا ہے تو وہ بلا شک و شبہ کافر ہے۔ محترم آپ نے یہ عبارت کیوں نقل نہیں کی؟ کیا آپ مدینہ یونیورسٹی سے صرف فریب و فراڈ کی ڈگریاں لے کر آئے ہیں؟ اور آگے شرح عقائد کے حوالہ سے یہ صراحت بھی موجود ہے کہ سب الصحابة الطعن فیہم ان کان مما یخالف الادلۃ القطعیۃ فکفر الخ صحابہ کرام رحمہم پر ایسا سب و طعن بھی کفر ہے جو ادلہ قطعیہ کے خلاف ہو، یہ عبارت نقل کرنے کی بھی آپ نے زحمت نہیں اٹھائی۔

جواب نمبر ۲:

علامہ ملا علی قاری دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ وقد صرح بعض علمائنا بانہ یقتل من سب الشیخین رحمہم (مرقاۃ ج ۱ ص ۲۷۳) یعنی بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ حضرات شیخین (حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق) رحمہم پر سب کرنے والا قتل کیا جائے گا، علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ کل کافر تاب فترتہ فی الدنیا والاخرۃ ۱۔ جماعة الکافر یسب النبی ﷺ وسب الشیخین رحمہم او احدهما، وقال سب الشیخین رحمہم ولعنہما کفر (تمہ مظاہر حق ص ۸۲ و مرقاۃ ج ۱ ص ۲۷۳) ہر کافر کی توبہ قبول کی جائے گی، لیکن نبی ﷺ اور شیخین رحمہم پر سب کرنے والے کی توبہ قبول نہ ہو

سے، شیخین رحمہ اللہ پر سب اور ان پر لعن کفر ہے، در مختار ج ۳ ص ۳۳۶ میں بحر الرائق اور جوہرۃ
النیرۃ کے حوالہ سے منقول ہے کہ جس نے شیخین رحمہ اللہ پر سب کیا وہ کافر ہو گیا، اس کی توبہ بھی
قبول نہ ہوگی، شیخ ابواللیث فرماتے ہیں کہ اسی پر اہل سنت کا فتویٰ ہے۔ مولانا عبدالعزیز پر
باردی لکھنی بیسید فرماتے ہیں کہ فقہائے احناف کی اکثریت کا قول ہے کہ شیخین رحمہ اللہ پر سب
کرنے والا حد میں قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ اور بعض نے کہا ارتداد میں
قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ (نبراس ص ۵۵۰) حضرت مجدد الف ثانی
لکھنی بیسید فرماتے ہیں کہ وشک نیست کہ شیخین رحمہ اللہ از اکابر صحابہ اند بلکہ
افضل ایشان پس تکفیر بلکہ تنقیصون ایشان موجب کفر و زندقہ
و ضلالت باشد کما لا یخفی (رد روافض ص ۱۳) یعنی شیخین رحمہ اللہ کی توبہ بن و تنقیص
کرنے والا بھی کافر، زندیق اور گمراہ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۲۶۸ اور فتاویٰ بزازیہ
ص ۳۱۹ میں ہے اذا کان بسب الشیخین و بلعنہا العیاذ باللہ فہو کافر۔

جواب نمبر ۳:

اب آئیے اپنے گھر کی خبر بھی لے لیجیے، آپ کے شیخ اہل میاں نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ
فرماتے ہیں کہ شیخ اگر فقط سب شیخین رحمہ اللہ کرتا ہے تو اگرچہ سب شیخین رحمہ اللہ کرنے والا
کافر نہیں مگر فاسق ضرور ہے، اور فاسق سے بھی نکاح نہ کرنا چاہیے۔

(فتاویٰ نذیریہ ج ۲ ص ۲۸۵ بحوالہ سیاحۃ الجنان ص ۲۲)

یہ بھی نیا ستم ہے حنا تو لگائیں غیر

اور اس کی داد چاہیں وہ مجھ کو دکھا کے ہاتھ

اعتراض نمبر ۱۴:

آپ کا چودہواں اعتراض یہ ہے کہ ہدایہ اولین ص ۳۹۶ میں ہے کہ جو شخص عورت سے
مکروہ جگہ میں یا کسی سے قوم لوط والا فعل کرے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر حد
نہیں۔ اور اس کو سزا دی جائے گی۔

جواب نمبر ۱:

علامہ عبدالرحمن الدمشقی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **واتفقوا علی تحریم اللواط وانما من الفواحش العظام وهل یوجب الحد؟ قال مالک والشافعی واحمد رحمۃ اللہ علیہ یوجب الحد** وقال ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یعذر فی اول مرة فان تكرر منه قتل (رحمۃ الامہ ص ۳۵۸) یعنی لواطت کی حرمت اور اسے بہت بڑا فحش کام قرار دینے میں سب ائمہ متفق ہیں البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس کے مرتکب پر حد جاری ہوگی یا نہیں؟ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر حد جاری ہوگی اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلی اس کو تعزیر کی سزا دی جائے گی اگر بار نہ آئے تو پھر اسے قتل کر دیا جائے گا، تعزیر کی وضاحت کرتے ہوئے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **یسودع فی السجن** (ہدایہ اولین ص ۴۹۶) یعنی اسے قید میں رکھا جائے گا، حافظ ابن ہمام اس کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسے تعزیر یا قید میں رکھا جائے گا یا تو وہ عی تو بہ کرے یا قید خانہ میں ہی مر جائے اور اگر اس فعل بد کو عادت بنا لے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ (فتح القدیر ج ۴ ص ۱۵۰) گویا دو ہی سزائیں ہیں جس دوام یا قتل۔

جواب نمبر ۲:

صاحبین یعنی قاضی ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اس پر حد ہی نافذ ہوگی، یعنی محسن (شادی شدہ) ہے تو رجم کیا جائے گا، غیر شادی شدہ ہے کوڑے لگیں گے۔ (ہدایہ ص ۴۹۶)

جواب نمبر ۳:

اپنے گھر کی بھی خبر لے لیجیے۔ آپ کے سرخیل اہل حدیث نواب صدیق حسن خان بھی روضہ الندیہ ص ۳۵۸ میں فرماتے ہیں **لا حد علیہ لواطت کے مرتکب پر حد نہیں ہے۔**

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

اعتراض نمبر ۱۵:

آپ کا پندرہواں اعتراض یہ ہے کہ فتاویٰ قاضی خان ج ۳ ص ۲۶۸ میں ہے کہ اگر کسی نے عورت کو کرائے پر زنا کے لیے حاصل کیا اور پھر اس سے زنا کیا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر حد نہیں بلکہ تعزیر ہے۔

جواب نمبر ۱:

اصل عبارت اس طرح ولا حد بالزنا بالمستاجرة له ای للزنا والحق وجوب الحد كالمستاجرة للخدمة (درمختار ج ۳ ص ۱۵۷) یعنی حق یہ ہے کہ اس عورت سے زنا کرنے پر حد جاری ہوگی جس کو زنا کے لیے اجرت پر حاصل کیا گیا ہے۔

مسئلہ کی وضاحت:

قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے فما استمتعتم به منهن فأتوهن اجورهن (البقرة) یعنی اپنی منکوحہ بیویوں کو ان کی اجرتیں (یعنی حق مہر دے دو) ایک آدمی نے ایک عورت کو اجرت پر زنا کے لیے حاصل کیا چونکہ اس اجرت سے حق مہر کا شبہ پیدا ہوتا ہے اس لیے شبہ کی بناء پر حد ساقط ہو جائے گی جیسا کہ عالمگیری ج ۲ ص ۱۳۹ میں اس کی وضاحت ہے۔ موطا امام مالک ص ۱۹۶ میں ہے کہ شبہ کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ کرنے والے پر حد جاری نہ کی۔ باقی رہا مسئلہ کہ اجرت سے حق مہر کا شبہ تو پیدا ہو گیا، لیکن نکاح کیسے ثابت ہو گا؟ تو محترم امام مالک کے نزدیک نکاح کے لیے گواہ شرط نہیں ہیں۔ (رحمۃ اللامۃ ص ۲۶۸) اور آپ کے نواب نور الحسن خان بھی فرماتے ہیں کہ نکاح میں گواہوں کی شرط قرار دینے والی حدیث ضعیف اور ناقابل استدلال ہے۔ (عرف الجادی ص ۱۰۷) تو گویا نکاح نامحکم شبہ پیدا ہو گیا، اس کے برعکس ایک عورت کام کاج کے لیے اجرت پر حاصل کی گئی اور قیمت پر حاصل کرنے والے نے اس سے زنا کیا چونکہ یہاں حق مہر اور نکاح کا شبہ موجود

نہیں، تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی اس پر حد جاری ہوگی (قاضی خان ج ۴ ص ۵۰۵)۔
 شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ امام شافعی کے نزدیک جس وطی کو کسی مستند کی عالم نے
 حلال قرار دیا ہو، اس وطی پر حد نہیں اگرچہ وطی کرنے والا اس وطی کو حرام سمجھتا ہو۔ (مسوئ
 ج ۲ ص ۱۴۴) پھر اس کی مثالیں بیان فرماتے ہیں کہ مثلاً کسی عورت نے بغیر ولی کی اجازت
 کے نکاح کر لیا، امام شافعی نے نزدیک وہ نکاح درست اور جائز نہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے
 نزدیک درست اور جائز ہے لہذا اس وطی پر امام شافعی کے نزدیک حرام ہونے کے باوجود حد
 جاری نہ ہوگی۔

یا مثلاً امام مالک کے نزدیک نکاح کے لیے گواہ شرط نہیں اب بغیر گواہوں کے نکاح کے
 بعد جو وطی ہوگی امام شافعی فرماتے ہیں اس وطی پر حد نہیں ہوگی تو گویا یہ حد ساقط ہونا محض شر
 کی بنا پر ہے۔

جواب نمبر ۲:

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے لیے سزا ہی کوئی نہیں، حد اگر شبہ کی بنا پر ساقط ہوئی ہے تو
 تعزیر باقی ہے، اس میں تعزیر کی سزا کیا ہے فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۹ میں ہے کہ اس
 عبرت ناک سزادی جائے اور پھر قید کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ سچی توبہ کر لیں۔

جواب نمبر ۳:

یہ تو تھمی امام ابو حنیفہ کے مسلک پر بحث لیکن ان کا یہ مسلک فقہ حنفی کا مفتی بہ موقف فقہی
 نہیں ہے، صاحبین حد کے قائل ہیں اور فقہ حنفی کا مفتی بہ قول یہی ہے کہ حد جاری و نافذ ہوگی۔

جواب نمبر ۴:

رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۷ میں ای کما هو قولہا یعنی امام ابو حنیفہ کا ایک قول
 صاحبین کے موافق حد کا بھی ہے گویا رجوع ثابت ہو گیا۔

جواب نمبر ۵:

آپ کے نواب وحید الزمان خان لکھتے ہیں کہ اندھے نے اپنی بیوی کو بلایا کوئی اور عورت اس کے پاس چلی گئی اور اندھے نے اس سے وطنی و مہاشرت کی تو اس عورت پر بھی حد نہیں۔
(نیل الابرار ج ۲ ص ۲۹۹)

اعتراض نمبر ۱۶:

آپ نے فقہ حنفی کی معروف کتاب رد المختار علی در المختار ج ۱ ص ۱۵۴ کے حوالہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر کسی کو نکسیر پھوٹ پڑے تو وہ سورہ فاتحہ کو خون کے ساتھ اپنی پیشانی اور ناک پر لکھ لے شفا کی خاطر تو جائز ہے اور اسی طرح پیشاب کے ساتھ بھی سورہ فاتحہ کو لکھ سکتا ہے اگر اس میں شفا سمجھے یعنی (بول) پیشاب کے ساتھ سورہ فاتحہ کو لکھ کر شفا حاصل کرنے میں کوئی حرج (گناہ) والی بات نہیں ہے۔

جواب نمبر ۱:

یہ قول صرف شیخ محمد بن احمد بن ابوبکر الاسکاف (المتوفی ۳۳۳ھ) کا ہے جو تمام تر علمی و منزلت کے باوجود فقہائے احناف میں غیر معروف ہیں، معروف فقہاء کے مقابلہ میں غیر علمی قدر و منزلت کے باوجود فقہائے احناف میں غیر معروف ہیں، معروف فقہاء کے مقابلہ میں غیر معروف فقہاء کا قول قابل ترجیح نہیں ہوتا، اور پھر جب غیر معروف فقیہ اپنے قول میں متغرد بھی ہو تو اس میں کمزوری کا پہلو اور بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔

جواب نمبر ۲:

یہ طراری حالت پر موقوف ہے جیسا کہ شامی میں موجود ہے کہ یجوز ان علم فیہ شفاء ولم یعلم دواء اخر یعنی یہ اس وقت جائز ہے جب اس میں شفا کا یقینی علم ہو اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا علاج معلوم نہ ہو۔

جواب نمبر ۳:

یہ غیر مفتی بہ قول ہے جس پر آج تک کبھی بھی فتویٰ نہیں دیا گیا۔

جواب نمبر ۴:

یہ قول درمختار کے باب تدای بالحرام میں مذکور ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حرام یا مکروہ ہے۔

جواب نمبر ۵:

تدای بالحرام کے بارے میں درمختار میں ہے کہ *اختلف فی التدای بالمحرم وظاهر المذنب المنع* یعنی حرام چیزوں کے ساتھ علاج کرنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے امام اعظم کے مذہب میں حرام و ممنوع ہے۔

جواب نمبر ۶:

عالمگیری اردو میں قال المشرجم کے بعد لکھا ہے کہ شیخ ابوالکارم نے نقل کیا ہے کہ ائمہ کی ایک جماعت نے اس کو مکروہ جانا ہے اور حاشیہ میں بصراحت مذکور ہے کہ یہی اصح ہے۔

جواب نمبر ۷:

آپ نے حوالہ نقل کرنے میں بھی غیر مقلدانہ خیانت و بددیانتی کی ہے اور عبارت کا اصل جملہ چھوڑ دیا ہے پوری عبارت اس طرح ہے *لور عفف فکتب الفاتحة بالدم علی جہتہ وانفہ جاز للاستشفاء وبالبول ایضاً ان علم فیہ شفاء لا یاس بہ لکن لم ینقل* یعنی خون اور پیشاب کے ساتھ فاتحہ لکھنا جائز ہے بشرطیکہ یقینی طور پر اس میں شفا معلوم ہو جائے، لیکن اس سے شفا حاصل ہونا منقول و ثابت نہیں، گویا جب اس سے شفا کا حاصل ہونا منقول و ثابت نہیں تو اس کا لکھنا بھی جائز نہیں لیکن آپ نے آخری جملہ ہضم کر کے بہت بڑا مغالطہ دیا ہے۔ آخر یہ قرآن و حدیث کی خدمت کا کون سا انداز ہے۔

جواب نمبر ۸:

آپ کے نزدیک تو خون اور پیشاب دونوں پاک ہیں۔ آپ کو تو شکایت ہونی ہی نہیں چاہیے۔ نواب وحید الزمان خان نزل الابرار ج ۱ ص ۴۹ میں لکھتے ہیں کہ ہر حلال و حرام جانور کا پیشاب پاک ہے سوائے خنزیر کے اور لغات الحدیث میں فرماتے ہیں کہ خون بھی پاک ہے۔

اعتراض نمبر ۷:

آپ نے تدویری ص ۴۵ کے حوالہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر نمازی تشہد میں جان بوجھ کر ہوا خارج کر دے تو نماز بلاشبہ مکمل ہو جائے گا۔

جواب نمبر ۱:

نماز کے آخر میں سلام کے حکم کے بارہ میں ائمہ کا اختلاف ہے، نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۱۹۵ میں ہے کہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک سلام فرض ہے اس کے بغیر نماز درست نہیں، امام ابوحنیفہ، امام سفیان ثوری اور امام اوزاعی وغیرہ کے نزدیک یہ سنت ہے اگر اس کو ترک بھی کر دیا جائے تو نماز ہو جاتی ہے۔

جواب نمبر ۲:

شامی ج ۱ ص ۱۴۵ وغیرہ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ لفظ سلام کہنا واجب ہے اگر کسی اور طریقہ سے نماز سے نکلے گا تو گناہ گار ہوگا۔

جواب نمبر ۳:

مسند ج ۱ ذیل احادیث میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے ایسے شخص کی نماز کو مکمل قرار دیا ہے۔
 ۱۔ اور ج ۱ ص ۹۱ میں ہے عن عبد اللہ بن عمرو ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قضی
 ۲۔ الصلاۃ وقعد فاحدث قبل ان یتکلم فقد تمت صلاته ومن کان خلفه
 ۳۔ من الم الصلاۃ یعنی جس شخص نے آخری قعدہ پڑھ لیا اور پھر جان بوجھ کر ہوا خارج کر

دی، اس کی نماز پوری ہوگئی اور اس کے پیچھے پڑھنے والوں کی نماز بھی پوری ہوگئی اور طحاوی ج ۱ ص ۱۸۹ میں اسی روایت میں فلا یعود فیہا کے الفاظ بھی ہیں۔ یعنی اسے نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۱۷ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نماز میں تشہد سے فارغ ہوتے تو ہماری طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے مسیٰ احداثا بعد ما یفرغ من التشہد فقد تمت صلاتہ ان مذکور روایات واحادیث کی روشنی میں دیانت داری کے ساتھ فیصلہ کیجیے کہ آپ کا اعتراض فقہ پر ہے یا حدیث پر؟

جواب نمبر ۴:

آپ نے فقہ کا مذکورہ قول نقل کرنے سے قبل جو یہ فرمایا ہے کہ نماز اسلام کا اہم رکن ہے، فقہ حنفی میں اس کا بھی مذاق اڑایا گیا ہے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ مذکورہ احادیث کی روشنی میں ایک منکر حدیث آپ سے یہ سوال کر دے کہ نماز اسلام کا اہم رکن ہے، حدیث میں اس کا بھی مذاق اڑایا گیا ہے تو آپ کے پاس اس کا جواب کیا ہوگا؟

جواب نمبر ۵:

آپ کے مسلک کے محسن اعظم اور مترجم صحاح ستہ نواب وحید الزمان خان کنز العمال ص ۲۳ میں لکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے نماز پڑھائی اور سناام کے بعد اعلان کیا کہ میں نے نماز بے وضو پڑھائی ہے تو نماز ہوگئی لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

اعتراض نمبر ۱۸:

آپ نے نماوی عالمگیری اور بہشتی زیور کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر کسی عضو انگلی پر نجاست غلیظ لگ جائے تو اس کو زبان سے تین بار چاٹ لے تو وہ عضو پاک ہو جائے گا۔

جواب نمبر ۱۹:

بہشتی زیور ج ۱ ص ۵۷ اور ہدایہ ج ۱ ص ۱۸ میں مذکور ہے کہ پاک پانی میں تھوڑی یا زیادہ

نجاست گر جائے تو اس سے وضو اور فسک کچھ بھی درست نہیں، یعنی جب نجاست والے پانی سے وضو غسل کرنا ہی درست نہیں تو نجاست چاٹنا کیونکہ جائز ہوگا؟

جواب نمبر ۲:

در مختار ج ۱ ص ۲۰۷ کے حوالہ سے بہشتی گو برص ۵ میں لکھا ہے کہ وہ پانی کہ جس کا رنگ، بو اور ذائقہ کسی نجاست کی وجہ سے بدل گیا وہ جانوروں کو پلانا بھی درست نہیں، جب نجاست والا پانی جانوروں کو پلانا بھی جائز نہیں تو نجاست خود چاٹنا کیسے صحیح ہوگا؟

جواب نمبر ۳:

آپ نے حوالہ نقل کرنے میں خیانت و بددیانتی سے کام لیا ہے، آپ نے بہشتی زیور سے جو عبارت نقل کی ہے اس کے متصل بعد ہی یہ جملہ موجود ہے کہ ”مگر چاٹنا منع ہے“ آپ نے غیر مقلدانہ فنکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف غلط فہمیاں اور فقہ حنفی کے خائف نفرت پیدا کرنے کے لیے ادھورا حوالہ نقل کیا، اور اصل جملہ ہضم کر گئے، اور پھر اس میں بھی غلیظہ کا لفظ اپنی طرف سے اضافہ کر دیا۔

جواب نمبر ۴:

آپ کی فقہ محمدیہ ج ۱ ص ۵۶ میں ایک قول منی کے کھانے کا بھی لکھا ہے، اس اعتبار سے تو نجاست خور آپ خود ہوئے، ظاہر بات ہے فقہ محمدیہ کا فتویٰ تو آپ مسترد بھی نہیں کر سکتے۔

المتراض نمبر ۱۹:

سوال نمبر ۱: کتے اور گدھے کا گوشت فروخت کرنا۔

جواب:

جس طرح احادیث کی کتابوں میں بعض احادیث صحیح، بعض منسوخ اور بعض ضعیف و

متروک ہوتی ہیں۔ اسی طرح کتب فقہ اور اس کے شروح اور فتاویٰ میں بھی بعض اقوال مفتی بہا اور معمول بہا ہوتے ہیں۔ مذہب حنفی اسی سے عبارت ہے۔ اسی طرح بعض غیر مفتی بہا مرجوح اور شاذ اقوال ہوتے ہیں۔ لہذا مرجوح اور غیر مفتی بہا اقوال کو بہانہ بنا کر مذہب حنفی پر اعتراضات کرنا یہ منکرین حدیث کا شیوہ ہے۔ مسلمان کا نہیں کیونکہ منکرین حدیث بھی ضعیف اور موضوع احادیث کو بہانہ بنا کر ذخیرہ احادیث سے انکار کرتے ہیں اور اسلام پر کئی قسم کے اعتراضات کرتے ہیں۔ اصل مسئلہ اسی طرح ہے کہ کتے اور گدھے کو شرعی طریقہ سے ذبح کر کے اس کا گوشت فروخت کیا جائے تو کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟ اس میں فقہائے احناف کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض جواز کے قائل ہیں۔ اکثر محققین احناف عدم جواز کے قائل ہیں۔

جو جائز سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ذبح کرنے کے بعد اس کے گوشت سے نجاست زائل ہوتی ہے اور جن کے نزدیک فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ذبح کرنے سے گوشت سے نجاست زائل نہیں ہوتی یہی قول مفتی بہ اور رائج ہے۔ غیر مقلدین قول اول پر اعتراض کرتے ہیں۔

غیر مقلدین کی خیانت:

غیر مقلدین فتاویٰ عالمگیری سے آدھی عبارت نقل کرتے ہیں اور اس مسئلہ میں عالمگیری میں جو اختلاف بیان کیا ہے اس سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر دیتے ہیں۔ عالمگیری میں مسئلہ مذکورہ کے بعد لکھا ہے۔

”وہذا فصل اختلف المشائخ فیہ بناہ علی اختلافہم فی طہارۃ هذا

اللحم بعد الذبح“ (فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۱۱۵)

”یہ فصل ہے اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے اختلاف کی بنا ذبح ہونے کے بعد اس

گوشت کی طہارت میں اختلاف پر ہے۔“

اسی طرح علامہ ابن نجیم معری لکھتے ہیں:

”فالظاهر منيها ان هذا الحكم على القول بطهارة عينه“

(البحر الرائق ج ۱ ص ۱۰۳)

”ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم (بیع کا جواز اور عدم جواز) متفرع ہے اس کی ذات کے ظاہر ہونے پر۔“
یعنی جو ذبح کرنے کے بعد بھی گوشت کو نجس کہتے ہیں تو ان کے نزدیک اس کا بیع ناجائز ہے اور جو کہتے ہیں کہ ذبح کرنے کے بعد گوشت سے نجاست زائل ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک اس کا بیع جائز ہے۔ اگرچہ عالمگیری وغیرہ میں لکھا ہے کہ ”مذکورہ گوشت کے جواز بیع کا ثبوت رولۃ صحیحہ میں ہے۔“ (فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۱۱۵) لیکن فتویٰ نجاست اور عدم جواز بیع پر ہے جیسے امام بخاری ہیبتیہ نے صحیح بخاری میں دو روایتیں ران کی ستر کے متعلق نقل کیں ہیں۔ انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ران ستر میں داخل نہیں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ران ستر میں داخل ہے دونوں روایات صحیح ہیں لیکن انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے متعلق امام بخاری ہیبتیہ لکھتے ہیں: ”وحدیث انس اسند“ (بخاری ج ۱ ص ۵۳) انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو زیادہ صحیح کہہ کر معلوم ہوا کہ امام بخاری ہیبتیہ کا رجحان بھی اس طرف ہے کہ ران ستر میں داخل نہیں ہے لہذا ان کے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے کہ ران ستر میں داخل نہیں۔

حنفی مذہب کا مفتی بہ قول

احناف کا مفتی بہ مذہب یہ ہے کہ ذبح کرنے کے بعد کتے اور گدھے کے گوشت سے نجاست زائل نہیں ہوتی تو ان کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں چنانچہ صاحب بحر الرائق لکھتے ہیں۔

”... وصح في الاسرار والكفاية والتبيين نجاسة۔“

(البحر الرائق ج ۱ ص ۱۰۶)

صاحب اسرار صاحب کفایہ اور صاحب تبیین نے (مذکورہ گوشت) کے نجاست کو صحیح قرار دیا ہے۔

”... وفي المعراج انه قول محققين من اصحابنا۔“

(البحر الرائق ج ۱ ص ۱۰۶)

(کتاب) معراج میں ہے کہ (مذکورہ گوشت کی نجاست) محققین احناف کا قول ہے۔

۳..... وفي الخلاصة وهو القول المختار واختاره قاضي خان في التبيين

انه قول اكثر المشائخ۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۰۶)

خلاصہ میں ہے کہ (مذکورہ گوشت کی نجاست) قول مختار ہے اور اسی کو قاضی خان نے اختیار کیا ہے تبیین میں ہے کہ یہ اکثر مشائخ کا قول ہے۔

صاحب بحر نے خود بھی نجاست والے قول کے متعلق فرمایا۔

۴..... وهو الصحيح (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۰۶) "یہ صحیح قول ہے۔"

صاحب در مختار لکھتے ہیں:

۵..... لا يطهر لحمه هذا صح ما يفتي به۔

اس کا گوشت پاک نہیں ہوتا یہ اصح قول ہے جس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

مولانا عبدالحی حسنی لکھتے ہیں:

۶..... قال كثير من المشائخ انه يطهر جلده لا لحمه وهو الاصح

(حاشیہ ہدایہ ج ۱ ص ۲۳)

بہت سے مشائخ نے کہا ہے کہ (ذبح کرنے کے بعد) اس کا چمڑا پاک ہو جاتا ہے گوشت پاک نہیں ہوتا اور یہی سب سے صحیح قول ہے۔

علامہ ابن ہمام ہندیہ لکھتے ہیں:

۷..... قال كثير من المشائخ انه يطهر جلده لا لحمه وهو الاصح

واختاره الشارحون (فتح القدیر ج ۱ ص ۸۴)

بہت سے مشائخ نے کہا ہے کہ (ذبح کرنے کے بعد) اس کا چمڑا پاک ہو جاتا ہے گوشت پاک نہیں ہوتا اور یہی سب سے صحیح قول ہے تبیین میں نے اختیار کیا ہے۔

۸..... علامہ شرنوبالی لکھتے ہیں: وتطهر الذكوة الشرعية جلد غير الماكول دون

لحمه على اصح ما يفتي به۔

شرعی ذبح غیر ماکول اللحم کے چمڑے کو پاک کرتا ہے گوشت کو پاک نہیں کرتا اصح قول کے مطابق جس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔
صاحب خلاصہ لکھتے ہیں:

۹..... وهو المختار و به اخذ الفقيه ذكره صدر الشهيد في صيد الفتاوى
(مخلاصه الفتاوى ص ۴۳)

یہی قول مختار ہے فقہاء نے اس کو لیا ہے۔
صاحب مراقی الفلاح لکھتے ہیں:

۱۰..... دون لحمه فلا يطهر على اصح ما يفتى به۔ (مراقی الفلاح)
اصح مفتی بہ مذہب میں ذبح کرنے سے حرام گوشت پاک نہیں ہوتا۔

۱۱..... صاحب کبیری لکھتے ہیں: الصحيح ان اللحم لا يطهر بالذكاة

(کبیری ص ۱۴۴)

صحیح یہ ہے کہ حرام جانوروں کا گوشت ذبح کرنے سے پاک نہیں ہوتا۔
ملاطی القاری حنفی قائلین بالطہارۃ کے اسماء ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

۱۲..... وقال كثير من المشايخ يطهره جلده بها ولا يطهر لحمه كما لا
يطهر بالدباغ قال شارح الكنز وهو الصحيح واختياره صاحب الغاية
والنهاية۔ (شرح النقاۃ ج ۱ ص ۲۰)

بہت سے مشائخ نے کہا ہے کہ ذبح کرنے سے چمڑا پاک ہوتا ہے گوشت پاک نہیں ہوتا
جیسا کہ دباغت سے پاک نہیں ہوتا شارح کنز نے کہا ہے کہ یہی صحیح ہے اسے صاحب غایہ
اور صاحب نہایہ نے اختیار کیا ہے۔

ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ مذہب حنفی میں اصح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ ذبح کرنے
سے حرام جانوروں کا گوشت پاک نہیں ہوتا تو اس کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں لیکن یاد رہے
کہ غیر متقلدین کے علماء کہتے ہیں کہ شرعی ذبح کے بعد گوشت پاک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ غیر

مقلد مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں:

۱..... ما يطهر بالذباغة يطهر بالذكاة الا لحم الخنزير فانه رجس

(نزل الابراج ص ۳۰)

جو ذباغت سے پاک ہو جاتا ہے ذبح سے بھی پاک ہو جاتا ہے خنزیر کے گوشت کے سوا کہ وہ رجس ہے۔

۲..... غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان نے کتے کے گوشت، ہڈی، خون، بال اور پسینے کو نجس نہیں کہا۔ (بدور الابلہ ص ۱۶)

۳..... صدیق حسن خان کا بیٹا غیر مقلد نور الحسن لکھتے ہیں کہ کتے اور خنزیر کے نجس ہونے کا دعویٰ شراب اور دم مسقوح کے پلید ہونے کا دعویٰ اور مرے ہوئے جانور کے ناپاک ہونے کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ (عرف الجادی)

حضرت مولانا صاحب نے مرجوح قول کے بھی بہت سے دلائل بیان کیے ہیں اگر مذکورہ گوشت کو پاک بھی تسلیم کیا جائے تو بھی الحمد للہ فقہاء کا یہ قول بھی مبنی بر دلائل ہے۔ یعنی مذبح حرام جانوروں کے گوشت کا جواز مسکوت عنہ ہے اور مسکوت عنہ وہ ہوتا جس سے بحث کرنا یا اسے حرام کہنا صحیح نہیں ہے پھر مذکورہ گوشت کے مسکوت عنہ ہونے پر قرآن اور حدیث سے سات دلائل پیش کیے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ مذکورہ گوشت کے فروخت کرنے کی حرمت چونکہ کسی آیت اور حدیث سے صراحۃً ثابت نہیں اس لیے احل اللہ البیع کے عموم سے اس کا جواز ثابت ہے۔

۲۔ ما انکم الرسول فیخذوہ و ما نھاکم عنہ فانتھوا کی روشنی میں جن امور سے سکوت اختیار فرمایا ہے وہ اپنی اباحت اصلہ پر باقی ہیں۔

۳۔ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث ہے "ان اعظم المسلمین جرما من سال عن شیء لم یحرم علی الناس فحرم من اجل مسالته" اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ جس چیز کی حرمت نہ ہو اس کو حرام قرار دینا تو درکنار سوال کرنا حرام ہو جانے کا

جب بننا بھی سب سے بڑا جرم ہے۔

۴۔ ارشاد نبوی ہے "ان الله فرخص فرائض فلا تضيعوها وحرم حرمان فلا تنهكوها وحد حدود فلا تعتدوها وسكت عن اشياء من غير نسيان فلا تبسحوا عنها" سنن دارقطنی ج ۳ ص ۱۸۳-۱۸۴ والبیہقی ج ۱۰ ص ۱۲۰ والطبرانی فی الکبیر ج ۲۲ ص ۲۲۰ وغیرہا) معلوم ہوا مذکورہ بیج کی اباحت اصلیہ پر اکتفا نہ کرنا اور اسے حرام ثابت کرنے کی کوشش کرنا ممنوع ہے۔

۵۔ حدیث شریف میں ہے "ان الله عز وجل احل حلالا وحرم حراما فما احل فهو حلال وما حرم فهو حرام وما سكت عنه فهو عفو و فی رواية فهو عافية فاقبلوا من الله عافية فان الله لم يكن نسيا ثم تلا هذه الآية وما كان ربك نسيا"

۶۔ فرمان ہے "ان تسالوا عنها حين ينزل القرآن تبدلکم عفا الله عنها" آیت کے آخری حصہ کی تفسیر سابقہ حدیث نے کی تو اس حصہ سے بھی اس کی اباحت ثابت ہوئی۔
۷۔ "زکاتہا دباغہا" اور "دباغہا زکاتہا" کے ارشاد گرامی سے بھی اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ یہ جوابات بنا برتسلیم تھے جب کہ اکابر محققین حنفی کا اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے جس کے بیان کی ضرورت نہیں۔ (انتہی بلفظہ تحریر ص ۱)

جلوئے بھی مناظر بھی، محبت بھی مگر کیا

آنکھوں پہ حجابات، زبانوں پہ یں تالے

اب جناب نورستانی ان دلائل کے جواب سے عاجز ہو کر کہنے لگا ہم نے ثابت کر دیا کہ مسکوت عنہ نہیں بلکہ نص سے مذبوح کتے اور گدھے کا گوشت فروخت کرنا حرام ثابت کیا۔
بہر ایہ سب کچھ تاریک کبوت تھے جو ایک ہوا سے اڑ گئے (المبہنی للناس ص ۷) ملاحظہ فرمائیے جناب کا جھوٹ کہ نص سے مذبوح کتے اور گدھے کا گوشت فروخت کرنا حرام ہے ثابت کیا۔
جناب کا ۲۴ صفحات پر مشتمل کتابچہ میں اللہ کے فضل سے اس دلیل کا نام و نشان بھی نہیں

ہے جس میں مذبوح کتے اور گدھے کا گوشت فروخت کرنے کی ممانعت ہو۔ نورستانی نے سارے اکابر و اصاغر جمع ہو کر اپنے مدعی پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتا۔

نورستانی کے دلائل کا تحقیقی جائزہ

نورستانی نے جن روایات سے مذبوح کتے اور گدھے کے گوشت کو فروخت کرنا حرام ثابت کیا ہے (ہرم خویش) ان کا مشاہدہ بھی کیجیے کہ واقعی وہ دلائل ان کے مدعی کے مطابق ہے یا صرف اپنے حمایتی اور اپنے مریدین کو خوش کرنے کے لیے یہ ناکام کوشش کیا ہے۔

۱۔ ابو ثعلبہ خثنی فرماتے ہیں کہ بے شک رسول ﷺ نے درندوں میں سے ہر داڑ والے گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری)

۲۔ رسول ﷺ نے ایک آواز دینے والے کو حکم دیا تو اس نے لوگوں میں مناوی کرائی کہ اللہ اور اللہ کے رسول تمہیں گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرماتے ہیں۔ (بخاری)

۳۔ رسول ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ہلاک کرے ان پر چربی حرام کر دی گئی تو انہوں نے پگال کر فروخت کیا پھر اس کے پیسے کو کھایا۔ (بخاری و مسلم)

۴۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جس ذات نے اس (شراب) کے پینے کو حرام قرار دیا ہے اس ذات نے اس کے فروخت کرنے کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ (مسلم) (المبہنی للفاعل ۳-۵)

مشہور ہے لن یصلح العطار ما افسده الدهر، بظاہر تو قوم نے ان کے ان علمی جوابات سے خبردار ہو کر خراج تحسین ادا کیا ہوگا بھوکے کو باسی روٹی مل جائے تو خوشی مناتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے قوم کو اندھیرے میں رکھا ہے کیوں جناب! ان چار

روایت میں سے کسی ایک روایت میں بھی ذبح کا لفظ ہے؟ حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم نے تو مذبوح کتے اور گدھے کا گوشت فروخت کرنے کی حرمت پر دلیل مانگی تھی،

جناب نورستانی صاحب نے غیر مذبوح حرام جانوروں کا گوشت اور شراب کی فروخت کے حرام ہونے پر دلائل پیش کیے۔

جناب من: آپ نے حرام جانوروں کی حرمت پر دلائل پیش کیے اگر جانور حلال بھی ہو لیکن شرعی ذبح کے بغیر مر جائے احناف وغیرہم تو ان کی حرمت کے بھی قائل ہیں چہ جائیکہ حرام جانور البتہ بات شرعی طریقہ پر ذبح کرنے میں ہے کہ ذبح کرنے سے عند البعض حرام جانور کی نجاست زائل ہوتی جیسا کہ مراہوا حلال جانور کا کھانا حرام ہے لیکن ان کے چمڑے کو اگر دباغت دی جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے اور ان کا فروخت کرنا بھی جائز ہے چنانچہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک برتن سے وضو کا ارادہ کیا کسی نے کہا کہ یہ برتن مرے ہوئے جانور کے چمڑے سے بنا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اس چمڑے کی دباغت اس کے نجاست کو زائل کر دیتی ہے۔ (مسند احمد، ابن خزیمہ، حاکم، بیہقی، قال الحافظ واسنادہ صحیح) تلخیص الجبر ۱۹۰/۲ بہر حال یہ غیر مفتی بہ اور مرجوع بھی دلائل سے مبرہن ہے لیکن دیگر دلائل کی بنا پر محققین احناف نجاست اور حرمت والے قول کو رائج اور مفتی بہ قرار دیتے ہیں کما مر۔

چاروں اماموں میں سے صرف ایک امام کے قول پر عمل

نورستانی نے اپنی تصانیف میں صفحہ صفحہ پر تقلید کے خلاف بکواس کیا ہے حقیقۃً الاحادۃ پر تقلید کے قائلین کو مشرکین کی فہرست میں شامل کیا ہے اور ۱۸ پر کفار کے ساتھ تشبیہ دی ہے حالانکہ اس مقلدین کی کتابوں کے محتاج ہیں کاسہ گدائی لیے ہوئے کبھی شافعیوں کے در پر کھڑے ہیں کبھی مالکیوں سے بھیک مانگ رہے ہیں، کبھی حنابلہ کی کاسہ لیسے ہو رہے ہیں، خود بے اصول فرقہ ہے نہ اصول حدیث اور اسماء الرجال میں ان کی کوئی کتاب ہے نہ تفسیر و تاریخ میں پھر اہل تقلید کے خلاف دن رات لگے ہوئے ہیں۔ الہمینی للفاعل۱۰ پر لکھتے ہیں۔ کیا چاروں مذاہب کو حق مان کر ایک پر عمل باقی تینوں کے مذاہب پر عمل نہ کرنا بلکہ ان سے برسرِ پیکار رہنا ائمہ کی دیانت و امانت پر طعنہ زنی نہیں؟ نورستانی صاحب کے بڑے بھائی شکرین حدیث بھی اہل سنت پر اعتراض کر کے کہتے ہیں کہ سارے انبیاء علیہم السلام کو حق مان کر ایک نبی کے دین پر عمل باقی انبیاء علیہم السلام کے دین پر عمل نہ کرنا انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر طعنہ زنی

نہیں؟ العیاذ باللہ۔ جناب! الحمد للہ ہم ائمہ اربعہ کو حق مانتے ہیں اور اجتہادی مسائل میں صرف ایک امام کی تقلید کرتے ہیں جسے تقلید شخصی کہتے ہیں جس کا وجوب عوام کے لیے یا جواز اہل علم کے لیے قرآن و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے ایک امام کی بات پر عمل کرنا دوسرے کی بات پر عمل نہ کرنا ائمہ مجتہدین کی دیانت و امانت پر طعنہ زنی نہیں ہے ورنہ پھر تو اہل مدینہ پر بھی یہی اعتراض کرو گے جب کہ انہوں نے امام ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے انکار کر کے امام زید بن ثابت کے قول کو لیا۔ لا تاخذ یقولک و نزع قول زید (بخاری ج ۱ ص ۲۳۷) یعنی ہم زید بن ثابت کے قول کے مقابلہ میں آپ کا قول نہیں لیتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”لو ان الناس سلكوا وادیا وشعبا وسلك عمر وادیا وشعبا سلكت وادی عمر وشعبه لو قنت عمر قنت عبد الله“ (مصنف ابن ابی شیبہ)

اگر تمام لوگ ایک وادی اور گھاٹی میں چلنے لگیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی اور وادی اور گھاٹی میں چلیں تو میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وادی اور گھاٹی میں جاؤں گا اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ قنوت (صبح کی نماز میں) پڑھتے تو عبداللہ (یعنی میں) بھی پڑھتا۔

دیکھیے جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دیگر ائمہ کے اقوال کے ترک کر کے صرف ایک امام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی تقلید و اتباع کو اپنے گلے کا ہار سمجھی اسی طرح حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

”روی ابن سعد باسناد صحیح عن ابن عباس قال اذا حدثنا ثقة بفتیاء عن علی لم نتجاوزها“ (فتح الباری ج ۷ ص ۹۲، طبع قاہرہ)

”علامہ ابن سعد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب کوئی ثقہ آدمی ہم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بیان کرے تو ہم اس سے ذرا بھی تجاوز نہیں کریں گے۔

علامہ شاطبی لکھتے ہیں:

”وعین الانصاف تری ان الجميع ائمة فضلاء فمن كان متبعاً لمذهب

مجتہد لکونہ لم يبلغ درجة الاجتهاد فلا يضروه مخالفة غير امامة لاهامة

(الاعتصام ص ۵۰۷)

”عین انصاف یہ ہے کہ تو سب کو ائمہ صاحب فضیلت سمجھے پس جو درجہ اجتہاد کو نہ پہنچنے کی وجہ سے کسی ایک مجتہد کے مذہب کی تقلید کرے تو اس کا اپنے امام کے علاوہ غیر امام کی مخالفت معتبر نہیں ہے۔“

علامہ شاطبی کے قول سے یہ بات واضح ہوئی کہ ایک امام کے قول پر عمل کرنا بشرطیکہ سب کو حق جان لے تو یہ معتبر نہیں لیکن ہمارا مہربان بغض و عناد اور تعصب کے گھوڑے پر سوار ہو کر مکرین حدیث کی طرح قسم قسم کے اعتراضات کرتے ہیں۔

نورستانی کی اصول حدیث سے لاعلمی

حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم نے لکھا تھا ”یہ بھی یاد رہے کہ ترک تقلید کے یہ مدعی حضرات خود بھی جامد مقلد ہیں یہ جو کسی کو مرفوع کو موقوف کسی کو معاصر کسی کو غیر معاصر وغیرہ تک باور کیا جا رہا ہے تو یہ تقلید اور محض تقلید کی بنیاد پر ان احکام میں ان کے پاس نصونس نہیں۔“ (تحریر ۲) اس کے جواب میں نورستانی صاحب لکھتے ہیں: ”(یہ) نہ تقلید ہے نہ تقلید کی بات بلکہ یہ اخبار اور حکم لگانا ہے۔“ (المبہنی للفاعل ۱۰) یہ بات بھی جناب نے اصول حدیث سے لاعلمی کی وجہ سے کی ہے کسی حدیث کو مرفوع یا موقوف صحیح یا ضعیف کہنا یا کسی راوی کو ثقہ غیر ثقہ کہنا اس کا تعلق اجتہاد سے ہے اور تقلید ہوتا ہی مسائل اجتہاد یہ میں چنانچہ علامہ ہی تذکرۃ الحفاظ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں: ”هذه تذكرة باسماء معدلي حملة لعلم البنوي ومن يرجع الى اجتهادهم في التوثيق والتضعيف والتصحيح والتزيف“ (دیباچہ تذکرۃ الحفاظ)

اسی طرح ایک جگہ لکھتے ہیں: ”فانا لا ندعي العصمة من السهو والخطاء في الاجتهاد في غير الانبياء“ (مقدمة ميزان الاعتدال)

ایک اور جگہ رقم طراز ہیں: ”یحییٰ بن معین وقد سألہ عن الرجال عباس بن
الداودی، وعثمان الدارمی، وابو حاتم، وطائفة واحباب کل واحد منهم
بحسب اجتهاده ومن ثم اختلفت اراؤه وعباراته فی بعض الرجال كما
اختلفت اجتهادات الفقهاء المجتهدين وصارت لهم فی المسئلة اقوال“
(ذکر من يعتمد قوله فی الجرح والتعديل ۱۷۲)

علامہ منذری لکھتے ہیں: ”واختلاف هؤلاء (ای المتکلمین فی الرجال)
کما اختلاف الفقهاء کل ذالک بقتضیه الاجتهاد (رسالة فی الجرح والتعديل
۴۷) ائمہ حدیث کی ان عبارات سے دو پہر کی طرح یہ بات واضح ہوئی کہ تصحیح و تضعیف اور
توثیق و تعدیل وغیر ذالک اجتہادی مسائل ہیں اور ان میں اختلاف فقہاء کے اختلاف کی
طرح ہے لہذا کسی کے اجتہاد کو مان کر روایت کو مرفوع یا موقوف کہنا یا روای کو ثقہ غیر ثقہ کہنا
محض تقلید نہیں تو اور کیا ہے خصوصاً علل الحدیث میں تو عالم کے پاس حجت ہی نہیں ہوتی۔
(تذیب الراوی ج ۱ ص ۲۵۳) اور بقول نورستانی بے حجت بات تسلیم کرنے کا نام ہی تقلید
ہے۔ (حقیقۃ الاحادیث ۸)

اعتراض نمبر ۲۰:

سوال نمبر ۳: مرد اور عورت کی نماز میں فرق:

اشتہار میں دوسرا سوال یہ تھا کہ خنثی مرد ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے ہیں اور عورتیں سینے پر
ہاتھ باندھتی ہیں یہ فرق قرآن و حدیث سے ثابت کرے اسی طرح غیر مقلد صادق یا لکولی
لکھتے ہیں: ”عورتوں اور مردوں کی نماز کے طریقہ میں کوئی فرق نہیں صحیح بخاری کی مشہور
حدیث ہے ”صلوا کما راہتمونی اصلی“ پڑھو نماز (اے میری امت) جس طرح
دیکھتے ہو تم کہ میں نماز پڑھتا ہوں۔ یاد رکھیں کہ تکبیر تحریمہ سے شروع کر کے السلام علیکم
ورحمۃ اللہ کہنے تک عورتوں اور مردوں کے لیے ایک ہی شکل کی نماز ہے۔ (سبیل)

رسول ﷺ (صلواتہ الرسول) یہی بات غیر مقلد یونس قریشی نے دستورالمتقی میں لکھی ہے؟

جواب:

قرآن و سنت میں بعض مسائل صراحۃً مذکور ہیں لیکن بعض ایسے مسائل ہیں جن کی صراحت قرآن و سنت میں نہیں ہے لیکن اشتراک علت کی بنا پر اصل (منصوص) مسئلہ سے دوسرے مسئلہ کو حکم متعدی ہو جاتا ہے جیسا کہ حاکمہ سے صحبت کرنے کی ممانعت صراحۃً مذکور ہے "فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ" اللہ تعالیٰ نے اس کی علت اذی بتائی ہے۔ "فَلَوْلَا اذی" تو حیض اور نفاس میں علت مشترک ہونے کی بنا پر نفاس والی عورت سے بھی صحبت ممنوع ہے اور اشتراک علت کی وجہ سے نفاس کے دیگر مسائل بھی حیض پر قیاس ہے اسی طرح قرآن و سنت میں ایسی منصوصات موجود ہیں جس میں عورت کو ستر کی پابندی کی گئی ہے چاہے ان کا تعلق نماز سے ہو یا خارج از نماز۔ جیسا کہ عورت بغیر محرم کے حج کے لیے نہیں جاسکتی، عورت مردوں کی امامت نہیں کرا سکتی، اذان نہیں دے سکتی۔ ننگی سر نماز نہیں پڑھ سکتی، ان کی نماز کے لیے فضیلت کی جگہ گھر ہے نہ کہ مسجد وغیرہ عورت کے ستر کو خاص اہمیت دی گئی ہے اب اشتراک علت کی بنا پر جو کہ ستر ہے نماز کے دیگر مسائل بھی ان منصوصات پر قیاس کیے گئے جن میں عورت کے ستر کو خاص اہمیت دی گئی ہے صرف قیاس ہی نہیں بلکہ ان کے شواہد مرفوع اور موقوف روایات یا اجماع بکثرت پائے جاتے ہیں اشتہار میں لکھنا کہ "فقہ حنفی کے ہزاروں مسائل قرآن و سنت کے خلاف ہیں" یہ ان کا نرا منصب اور دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ مرد اور عورت کی نماز میں فرق صرف فقہ حنفی کا مسئلہ نہیں۔ بلکہ خود غیر مقلدین شافعی، حنبلی اور مالکی بھی اکثر مسائل میں مرد اور عورت کی نماز میں فرق کے قائل ہیں کماسیاتی۔ غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا پڑھو نماز جس میں فرق نہ دیکھتے ہو کہ میں نماز پڑھتا ہوں۔ (بخاری) اس روایت سے معلوم ہوا کہ مرد اور عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں کیونکہ یہ خطاب عام ہے مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ غیر مقلدین حضرات کا خود بھی اس عموم پر عمل نہیں۔ عورت کے بعض مسائل اس عموم سے مستثنیٰ کرتے ہیں جیسے عورتوں کا پہلی صف میں کھڑا نہ ہونا، بغیر دوپٹے کے یعنی ننگے سر نماز نہ ہونا، نماز جمعہ کا ان پر فرض نہ ہونا، ان کے لیے تصنیق اور مرد کے لیے تسبیح کرنا وغیرہ اسی طرح ہم بھی دلائل کی بنیاد پر عورت کے بعض مسائل اس خطاب عام سے مستثنیٰ کرتے ہیں یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ عام سے کوئی تخصیص کسی شرعی دلیل کی بنا پر کی جائے تو عام عام نہیں رہتا بلکہ مخصوص البعض ہو جاتا ہے اور عام مخصوص البعض کا حکم یہ ہے کہ اس کی تخصیص دلائل اربعہ سے ہو سکتی ہے۔ ملاحظہ ہو کتب اصول فقہ اسی طرح علامہ قاضی شوکانی غیر مقلد لکھتے ہیں: ”اس سے معلوم ہوا کہ عموم کی تخصیص قیاس سے بھی صحیح ہے۔“ (نیل الاوطار ۸/۳) امام ابن رقیق العید لکھتے ہیں ”جب تخصیص کی وجہ ظاہر ہو تو بلا اختلاف اہل اہدے قیاس اور رائے سے بھی عموم کی تخصیص جائز ہے“ (بحوالہ فیض الباری ۲/۱۳۷) علامہ جزائری لکھتے ہیں ”تمام علمائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عموم کی تخصیص دلالت عقلی اور قیاس سے بھی جائز ہے۔ (توجیہ النظر ۹۷) لہذا ”صلوا کما رایتمونی اصلی“ کے عموم سے بعض مسائل دیگر روایات یا اجماع اور قیاس سے مستثنیٰ کرتے ہیں۔

مرد اور عورت کے درمیان ہاتھ اٹھانے میں فرق:

مرد تکبیر میں دونوں ہاتھ کانوں کی لو تک اٹھائے۔

”عن انس قال قال النبی ﷺ اذا فتح الصلاة کبر ثم رفع بیدیه حتی یحاذی بابہامہ اذنیہ“ (دار فطنی ۱/۳۰۰) رواہ کلہم ثقات کذا فی نصب الراية ۱/۳۱۱) ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ انگوٹھوں کو کانوں کے برابر کرتے۔“

عورت تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے کیونکہ کندھوں تک اٹھانے میں اس کے لیے بہت ستر ہے اس قیاس کے مرفوع اور موقوف روایات بطور شواہد ملاحظہ فرمائیں۔

مشورۃ بنی ظہر نے وائل بن حجر کو فرمایا:

ایسا وائل بن حجر اذا صلیت فاجعل یدیک هذا اذ نیک والمرأة تجعل یدیها هذا یدیها۔ (طبرانی کبیر ۲۲/۲۰) اے وائل! جب تو نماز پڑھ تو تو اپنے ہاتھ دونوں تک اٹھاؤ اور عورت اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتی کے برابر اٹھائے۔

علامہ بیہقی لکھتے ہیں: ”رواہ الطبرانی من طریق عیسیٰ بن بنت عبد الجبار عن عمتہا ام یحییٰ بنت عبد الجبار وعلم اعر فیہا وبقیۃ رجالہ“ (مجمع الزوائد)

۲۔ حدثنا ابو بکر نا اسماعیل بن عیاش بن عبد ربہ بن زینون قال رایت الدرداء ترفع کفہا حذو منکیہا حین تفتح الصلاة

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲۳۹/۱)

حضرت عبد ربہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ام الدرداء (صحابیہ) کو دیکھا نماز شروع کرتے وقت وہ اپنے ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتی تھی۔

۳۔ عن حماد انه یقول فی المرأة اذا افتحت الصلاة ترفع یدیہا الی الذیاء۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۳۹/۱)

حضرت حماد کہتے ہیں کہ جب عورت نماز شروع کرتی ہے تو وہ اپنے ہاتھ چھاتی تک اٹھائے۔

۴۔ عن الزہری قال ترفع یدیہا حذو منکیہا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۳۹/۱)

ام زہری کہتے ہیں کہ عورت ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھائے۔

۵۔ عن ابن جریج قال قلت العطاء تشیر المرأة بیدہا بالتکبیر کالرجل قال لا ترفع یدیہا کالرجل و اشار فخفض یدیہ جدا و جمعہا جدا و قال ان المرأة مینۃ لیست للرجل وان ترکت ذالک فلا حرج۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲۳۹/۱)

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے کہا کیا عورت بھی تکبیر کے وقت اپنے

ہاتھ اسی طرح اٹھائے جس طرح مرد اٹھاتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ وہ اسی طرح اپنے ہاتھ اٹھائے اور پھر انہوں نے اپنے ہاتھوں کو پست کیا اور اکٹھا کیا اور بتلایا کہ اس طرح عورت ہاتھ اٹھائے اور پھر فرمایا کہ عورت کے لیے نماز میں ایسی ہیئت ہے جو مرد کے لیے نہیں اور اگر یہ چھوڑ دے تو کوئی حرج نہیں۔
اسی طرح تمام علما کا اتفاق بھی اس قیاس کی تائید کرتا ہے۔

مرد اور عورت کے درمیان ہاتھ باندھنے میں فرق:

نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟ اس میں علما کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک تحت الصدر ہاتھ باندھنا اولیٰ ہے بعض تحت السرة ہاتھ باندھنے کو افضل کہتے ہیں انہو مجتہدین سے مختلف طریقے سے ثابت ہیں امام ترمذی لکھتے ہیں صحابہ وغیرہ کے نزدیک یہ سارے طریقے جائز تھے۔ (ترمذی) حنفیہ کے نزدیک مرد کے لیے تحت السرة ہاتھ باندھنا اولیٰ ہے کیونکہ یہ ابلغ فی التعظیم ہے اور نسبتاً اس کے حدیث اقرب الی الصحیح ہے۔

عن وائل رایت النبی ﷺ یضع یمینہ علی شمالہ تحت السرة۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۳۹/۱) حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر زیر ناف رکھا۔

عورت سینے پر ہاتھ باندھے کیونکہ یہ ان کے لیے استر طریقہ ہے اور یہ قیاس سنداً جماعاً ہے یعنی اس بات پر اجماع ہے کہ عورت سینے پر ہاتھ باندھے جیسے کہ مولانا عبدالحی حنفی لکھتے ہیں۔
واما فی حق النساء فانفقوا علی ان الحسنۃ لهن وضع الیدین علی الصدر (السعیۃ ۱۵۶/۲) بہر حال علماء کا اتفاق ہے کہ عورتوں کے حق میں سنت یہ ہے کہ وہ ہاتھ نماز میں سینے پر رکھے۔

حضرت مولانا صاحب نے لکھا تھا ”زیر ناف ہاتھ رکھنے پر دال حدیث نسبتاً چونکہ اقرب الی الصحیح تھی۔ (تحریر ۵) جواب میں نورستانی صاحب لکھتے ہیں ”اقرب الی الصحیح نہیں بلکہ اقرب الی الضعف ہے کیونکہ امام نووی فرماتے ہیں کہ ضعیف متفق علی تضعیف ثمرنا

مسلم ۱/۱۷۳ (المعنی للثعلبی ۱۴) جناب نورستانی صاحب نے یہاں بھی خیانت کو شریعت
 میں سمجھ کر پی لی نووی نے جس حدیث کو ضعیف کہا ہے وہ حضرت علی کی حدیث ہے چنانچہ
 لکھتے ہیں ”واما حدیث علی انه قال السنة وضع الاکف علی الاکف تحت
 السرة ضعیف متفق علی تضعیفه“ (شرح مسلم ۱/۱۷۳) یعنی جس روایت کو
 نووی نے ضعیف کہا ہے وہ علی کی روایت ہے حالانکہ حضرت مولانا صاحب نے لکھا تھا زیر
 کف ہاتھ رکھنے پر دال حدیث نسبتاً چونکہ اقرب الی الصحیح تھی۔ کیوں جناب والا زیر ناف
 ہاتھ رکھنے پر صرف ایک یہی دال ہے؟ اگر نورستانی ضد و عناد کے گھوڑے سے اتر کر اور
 کسب کی عینک اتارے تو انہیں وائل بن حجر کی مذکورہ صحیح حدیث بھی نظر آ جائے گی لیکن کیا
 کریں کہ انہیں خیانت و بددیانتی کی گھٹی پلائی گئی ہے۔

مرد اور عورت کے درمیان رکوع اور سجدہ میں فرق:

مرد رکوع میں دونوں بازوؤں کو اپنے پہلوؤں سے دور رکھے۔

عن ابی حمید قال ان رسول اللہ ﷺ رکع فوضع یدیه علی رکتیه کانه
 یس علیہا وترید بہ فنخاهما عن جنیہ۔ (ترمذی ۱/۶۵ وقال حدیث حسن)
 حضرت ابو حمید سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے رکوع کیا تو اپنے ہاتھ دونوں گھٹنوں پر
 طرح رکھے گویا آپ ان کو پکڑے ہوئے ہیں اور آپ نے دونوں بازوؤں کو ٹانگہ اور
 اپنے پہلوؤں سے دور رکھا۔

مرد سجدہ میں بھی دونوں بازوؤں کو اپنے پہلو سے دور رکھے۔

عن عمرو بن الحارث ان رسول اللہ ﷺ کان اذا سجد فرج یدیه عن
 حتی انی لاری بیاض ابطیه۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۹۴)

حضرت عمرو بن الحارث کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب سجدہ کرتے تھے تو اپنے بازوؤں کو
 سے دور ہٹا کر رکھتے تھے یہاں تک کہ آپ کے بغل مبارک کی سفیدی نظر آتی تھی۔

عورت رکوع اور سجدہ جم کر کرے یعنی رکوع میں بازو اپنے پہلوؤں سے دور نہ کرے اسی طرح سجدہ بھی خوب سمٹ کر کرے کیونکہ اس صورت میں عورت کے لیے بہت ستر ہے اور اس قیاس کے شواہد بھی موجود ہیں۔

عن زید بن ابی حبیب ان النبی ﷺ مر علی امرئین فصلیان فقال اذا سجدتما فضا بعض اللحم الی الارض فان المرأة فی ذلك لیست کالرجل۔
(ابوداؤد سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۲۳، بل السلام ج ۱ ص ۴۲۵ تلخیص الحسین ج ۱ ص ۲۳۲)

حضرت زید بن ابی حبیب سے مروی ہے کہ حضور ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھی رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو کیونکہ عورت اس میں مرد کی طرح نہیں ہے۔

عن ابن عمر مرفوعا اذا جلست المرأة فی الصلاة وضعت فخذها علی فخذها الاخری فاذا سجدت الصقت بطنها فی فخذیها کاستر ما یکون لہا وان الله تعالیٰ ینظر ایہا الخ۔ (سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۲۲، کنز العمال ج ۷ ص ۵۴۹)
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب عورت نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے چپکالے اس طرح کہ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ پردہ ہو جائے۔

نورستانی کی بدحواسی:

سنن الکبریٰ کی یہی روایت اور حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں ضعف تھی تو حضرت مولانا صاحب نے لکھا یہ حدیثیں بقول امام بیہقی قابل احتجاج نہ بھی ہوں قابل اشہاد و ضرور ہیں۔ (تحریر ۶) تو اس کے جواب میں نورستانی لکھتے ہیں استشہاد احتجاج و استدلال کے فرع ہے کیونکہ استشہاد کہتے ہیں ”طلب ما بدل علی استحقاق الدلیل للاستدلال والاحتجاج“ (المبنی للمفاعل ۱۷) جناب نورستانی صاحب کا مقصد

ہے کہ جب یہ حدیثیں قابل استدلال نہیں تو اسے استشہاد میں یہ کیسے پیش کی جا سکتی ہیں کیونکہ استشہاد استدلال و احتجاج کا فرع ہے جب اس روایت کا قابل استدلال ہونا باطل ہو تو قابل استشہاد ہونا خود بخود باطل ٹھہرا جناب نورستانی کے اندھے مقلد جب اپنے مقتدی پیرومرشد کے یہ شگونے دیکھتے ہیں تو خوش ہو کر ان کے دل مطمئن ہو جاتے ہیں لیکن دنیا میں عقل و بصیرت والے بھی رہتے ہیں جو حق و باطل اور رطب و یابس میں امتیاز کر سکتے ہیں جناب استدلال و احتجاج علیحدہ چیز ہے استشہاد علیحدہ چیز ہے۔ استشہاد میں وہ روایت بھی پیش کی جا سکتی ہے جس کی راوی سے احتجاج نہ کیا جاسکتا ہو (تدریب الراوی ج ۱ ص ۲۳۵، التقلید والايضاح ۱۰۸) لیکن استدلال و احتجاج میں یہ نہیں ہو سکتا اور ہمارے مہربان نے استشہاد کی جو تعریف ذکر کی ہے۔ ”طلب ما يدل على استحقاق الدليل للاستدلال والاحتجاج“ تو لفظ ”الدليل“ میں الف و لام عہدی ہے یعنی اس سے وہ دلیل مراد ہے جس کے قابل استدلال ہونے کے لیے استشہاد دوسری دلیل جو پہلی کی تائید کے لیے پیش کی گئی ہے استشہاد کہتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ نورستانی کو لفظ ”الاستدلال والاحتجاج“ کو طلب کے ساتھ متعلق کیا ہے اس لیے وہ غلط فہمی میں پڑا ہے حالانکہ ان کا تعلق لفظ استحقاق کے ساتھ ہے کہ اگر ان کو طلب کے ساتھ متعلق کیا جائے تو معنی غلط بنتی ہے کما لا خفی علی البصیر۔

حدثنا ابو بکر قال حدثنا ابو الاحوص عن ابی اسحاق عن الحارث عن علی قال اذا سجدت المرأة فلتحتفر ولتضم فخذیها۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۷۹، بیہقی ج ۱ ص ۲۲۲، مسند الامام زید ۹۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب عورت سجدہ کرے تو خوب سمٹ کر کرے اور اپنی دونوں رانوں کو ملائے رکھے۔

حدثنا ابو بکر قال نا ابو عبد الرحمن المقرئ عن سعید بن ایوب عن الزید بن حبیب عن بکیر بن عبد اللہ بن الاشجع عن ابن عباس ان سئل عن

صلاة المرأة فقال تجتمع وتحفر۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۷۰)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عورت کی نماز کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ وہ
اکٹھی ہو کر اور خوب سمٹ کر نماز پڑھے۔

عن ابراهيم قال اذا سجدت المرأة فلتزق بطنها بفخذيهما ولا ترفع
عجيزتها ولا تجافي كما يجافي الرجل (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۷۰)
حضرت ابراہیم نخعی نے کہا جب عورت سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنی رانوں کے ساتھ ملا
لے اور اپنے سرینوں کو اوپر نہ اٹھائے اور بازوؤں کو اپنے پہلوؤں سے دور نہ کرے جس
طرح مرد کرتے ہیں۔

عن الحسن قال المرأة تضهم في السجود (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۷۰)
حضرت حسن بصری نے کہا کہ عورت بالکل سمٹ سکر کر سجدہ کرے۔
اسی طرح مجاہد پیڑی سے بھی منقول ہے کہ مرد کے لیے مکروہ ہے کہ وہ اپنے پیٹ کو اپنی
رانوں کے ساتھ ملائے جیسا کہ عورت ملاتی ہے۔ (مصنف ج ۱ ص ۲۷۰)

مذکور فرق کا ثبوت حضرات شافعیہ سے:

امام شافعی خود مرد اور عورت کی نماز میں فرق ذکر کر کے کہتے ہیں۔

"وقد ادب الله تعالى النساء بالاستار وادبهن بذلك رسول الله وادب للمراة
في السجود ان تضمم بعضها الى بعض وتلصق بطنها بفخذيهما وتسجد
كاستر ما يكون لها وهكذا احب لها في الركوع والجلوس وجميع الصلاة
ان تكون فيها كاستر ما يكون لها۔ (كتاب الام للشافعی ج ۱ ص ۱۱۵)

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو یہ ادب سکھلایا ہے کہ پردہ کریں اور یہی ادب اللہ کے رسول ﷺ
نے بھی عورتوں کو سکھلایا ہے لہذا عورتوں کے لیے سجدہ میں پسندیدہ یہ ہے کہ وہ اپنے اعضاء
کو ملا کر رکھیں اور پیٹ کو رانوں سے چپکالیں اور اس طرح سجدہ کریں کہ ان کے لیے زیادہ

سے زیادہ پردہ ہو جائے اسی طرح ان کے لیے پسندیدہ ہے رکوع میں بھی اور جلسہ میں بھی بلکہ تمام نماز ہی میں کہ وہ اس طرح نماز پڑھیں کہ جس سے ان کے لیے زیادہ سے زیادہ پردہ ہو جائے۔

امام نووی الشافعی نے امام شافعی کا یہی مذہب مجموع شرح المہذب میں ذکر کیا ہے علامہ قرطبی نے بھی شوافع کا یہی مذہب ذکر کیا ہے۔ (تفسیر قرطبی طبع بیروت ج ۱ ص ۲۳۶)

حضرات حنابلہ سے:

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے مرد اور عورت کی نماز میں فرق بیان کیا ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۱ ص ۵۶۲) علامہ عبدالرحمن نے حنابلہ کا یہی مذہب نقل کیا ہے۔ (کتاب الفقہ علی المذہب الاربعہ ج ۱ ص ۲۲۵)

حضرات مالکیہ سے:

ابونزید قیردانی المالکی نے ”الرسالۃ“ میں اس فرق کی صراحت فرمائی ہے۔

گھر کی شہادت:

غیر مقلدین کے اکابر نے بھی اس فرق کی صراحت فرمائی ہے غیر مقلد عالم امیر نیمانی نے سبل السلام ج ۱ ص ۳۲۵ پر یہ فرق ذکر کیا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے اسی طرح غیر مقلد عالم عبد الجبار غزنوی مرد اور عورت کی نماز میں فرق احادیث اور مذاہب اربعہ کی روشنی میں بیان کر کے لکھتے ہیں: غرض کہ عورتوں کا انضمام و انخفاض نماز میں احادیث و تعامل جمہور اہل علم از مذاہب اربعہ وغیرہم سے ثابت ہیں اس کا منکر کتب حدیث و تعامل اہل علم سے بے خبر ہے۔ (فتاویٰ غزنویہ فتاویٰ علماء حدیث ج ۳ ص ۱۴۹)

فرمائیے جناب! مرد اور عورت کی نماز میں فرق کے صرف حنفیہ قائل ہیں یا مذاہب اربعہ اسلئے اور غیر مقلدین بھی؟ اشتہار میں یہ لکھنا کہ فقہ حنفی کے ہزاروں مسائل قرآن و سنت

کے خلاف ہیں تو اس بات پر غیر مقلدین کو صرف ضد و عناد اور تعصب نے مجبور کیا ہے۔

مرد اور عورت کے درمیان جلوس میں فرق:

عورت مرد کی طرح نہیں بلکہ خوب سمٹ کر بیٹھیں۔

عن ابن عمر انه سئل كيف كان النساء يصلين على عهد رسول الله ﷺ قال كن يتربعن ثم امرن ان يحتفرن۔ (جامع المسانيد ج ۱ ص ۴۰۰) هذا اسناد صحيح اعلاء السنن ج ۳ ص ۲۰

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عورتیں کیسی نماز پڑھتی تھیں آپ نے فرمایا چہار زانو بیٹھ کر پھر انہیں حکم دیا گیا کہ وہ خوب سمٹ کر بیٹھا کریں۔

نماز میں کوئی بات پیش آئے تو مرد تسبیح کہے گا اور عورت ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی پشت مارے گی:

عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال الشیخ للرجال والتصفیق للنساء

(بخاری ج ۱ ص ۱۶۰، مسلم ج ۱ ص ۱۸۰)

حضور ﷺ نے فرمایا ہے تسبیح مردوں کے لیے ہے اور تصفیق عورتوں کے لیے ہے۔

اعتراض نمبر ۲۱:

سوال نمبر ۳/ امامت کے شرائط:

اشتہار میں تیسرا سوال یہ کیا ہے کہ حنفی مذہب میں امامت کے شرائط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس کی بیوی خوب صورت ہو اس کو امام بناؤ اگر اس میں برابر ہو جس کا سر بڑا ہو اور عضو چھوٹا ہو تو اس کو امام بناؤ۔ (در مختار)

جواب:

غیر مقلدین خیانت جیسے جرم عظیم کو گناہ ہی نہیں سمجھتے درمختار میں بیوی کا خوبصورت ہونا
اعضاء کا چھوٹا ہونا امامت کے شرائط میں سے نہیں بلکہ احقیقیت امام کے لیے صفات بیان
کیے ہیں شرط تو وہ ہوتا ہے جس کے فوت ہو جانے سے مشروط بھی فوت ہو جائے حالانکہ اگر
امام میں یہ صفات نہ بھی ہوں تو نماز میں کوئی خلل نہیں آتا صرف بہتری کے لیے ان صفات
کا ذکر کیا ہے احادیث میں امامت کے لیے جو صفات بیان کی گئیں ہیں اگر ان صفات میں
مساوی ہوں تو فقہائے کرام نے احقیقیت امامت کے لیے چند صفات بیان کیے ہیں ان
صفات میں سے غیر مقلدین نے اشتہار مذکور میں دو صفت نقل کر کے اعتراض کیا ہے کہ
انہیں قرآن و سنت سے ثابت کریں ہم نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ غیر مقلدین کا یہ انداز
غلط ہے کیونکہ اہل سنت والجماعت کے چار دلائل ہیں، لہذا فقہائے کرام نے احادیث کو
تقریر رکھتے ہوئے قیاس کر کے مذکورہ صفات ذکر کیے یہ صفات قیاس ہی سے نہیں بلکہ
احادیث سے بھی ثابت ہیں جیسا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

”ان سرکم ان تقبل صلاحکم فلیومکم خیارکم فانہم وفدکم فیما بینکم
وبین ربکم“

(طبرانی کبیر ج ۲۰ ص ۳۲۸، دار فطنی، مستدرک حاکم، مرقاۃ ج ۳ ص ۱۹۶)
اگر تمہیں اچھا لگتا ہے کہ تمہاری نماز قبول ہو تو چاہیے کہ تمہاری امامت وہ لوگ کریں جو تم
میں سے بہتر ہوں کیونکہ امام تمہارے نمائندے ہوتے ہیں تمہارے اور خدا کے درمیان۔

ایسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت محمد ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

”اجعلوا ائمتکم خیارکم فانہم وفدکم فیما بینکم و بین ربکم“

(سنن الکبریٰ ج ۳ ص ۹۰)

اپنے امام اپنے سے بہترین لوگوں کو بناؤ کیونکہ امام تمہارے نمائندے ہوتے ہیں

تمہارے اور تمہارے خدا کے درمیان۔

قارئین کرام! اس بات سے انکار نہیں کہ حضرات محدثین کرام نے ان دونوں روایتوں کی صحت میں کلام کیا ہے لیکن یہ بات بھی قابل انکار نہیں کہ محدثین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ ضعیف حدیث فضائل میں قابل حجت ہے۔ (شرح النقاہ ج ۱ ص ۹، مستدرک ج ۱ ص ۳۹۰، فتح المغیث ۱۲۰، فتاویٰ لابن تیمیہ ج ۱ ص ۳۹، فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۲۶۵) ان احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام اسے بنایا جائے جو سب سے بہتر ہواب بہترین کون ہے؟

احقیقیت امامت کے لیے پہلی صفت:

حضور ﷺ فرماتے ہیں ”خیار کم خیار کم لנساء ہم“ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۸۹) تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنی بیویوں کے حق میں بہترین ہو۔ شریعت مطہرہ میں تو کالے گورے خوبصورت اور بد صورت کا تو کوئی امتیاز نہیں ہے لیکن دل غیر اختیاری طور پر خوبصورت بیوی کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی تجربہ شدہ بات ہے کہ جس کی بیوی خوبصورت ہو عام طور پر وہ اپنی بیوی کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ بھی فرماتے ہیں کہ مومن بندہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بعد جو سب سے بہتر چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے وہ نیک بخت بیوی ہے۔ ”ان امرها اطاعة وان نظر اليها سرۃ“

(مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۶۸)

اگر اس کو کوئی حکم دیتا ہے تو وہ اس کی تعمیل کرتی ہے جب وہ (شوہر) اس کی طرف دیکھتا ہے تو وہ اس کا دل خوش کرتی ہے۔ ملا علی قاری اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”ای جعلته مسرورا بحسن صورتها وسیرتها“ (مرقاۃ ج ۶ ص ۲۷۴) یعنی اگر شوہر اس عورت کو دیکھے تو یہ عورت اپنے صورت و سیرت کے حسن سے اسے خوش کرتی ہے۔ اسی طرح جس آدمی کی بیوی خوبصورت ہو وہ عموماً بد نظری، بے حیائی اور فحش کاموں سے محفوظ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیوی کو شوہر کے لیے لباس ٹھہرائی اور آنحضرت ﷺ نے

رایا کہ نکاح کرنا نظر کو بہت چھپاتا ہے اور شرم گاہ کو بہت محفوظ رکھتا ہے۔ (بخاری و مسلم و
 سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۶۷) یعنی جو شادی شدہ ہو تو ان کا اجنبی عورت کی طرف نظر مائل نہیں ہوتی
 اور حرام کاری سے بچتا ہے مشفق انسانیت پیغمبر ﷺ اسلام نے بے حیائی اور حرام کاری سے
 روکنے کا ذریعہ نکاح ٹھہرایا ہے اب آپ خود سوچئے کہ جس کی بیوی خوبصورت ہو تو کیا وہ
 بطریق اولیٰ حرام کاری سے نہیں رکے گا۔ فقہاء کی ان ساری باتوں پر نظر تھی اس لیے کہا کہ
 اگر کسی کی بیوی خوبصورت ہو تو اسے امام بنایا جائے گا۔ اور یہ بات کہ امام کی بیوی کیسے معلوم
 کی جائے تو ہمسایہ اور رشتہ دار لوگوں کو اپنی عورتوں کے ذریعے معلوم ہو جاتا ہے جیسا کہ کوئی
 آدمی نکاح کرتا ہے تو لڑکی کی حالت اپنی عورتوں سے معلوم کرتا ہے۔

حقیقت امامت کے لیے دوسری صفت:

یعنی یہ بات کہ امام اسے بنایا جائے جس کا سر بڑا ہو دوسرے اعضاء چھوٹے ہوں اس کا
 مطلب یہ ہے کہ سر کا بڑا ہونا دوسرے اعضاء کا مناسب ہونا کمال عقل کی دلیل ہے اور یہ
 بات بھی تجربہ سے ثابت ہے کہ جس کا سر بڑا ہو دوسرے اعضاء چھوٹے ہوں تو وہ نہایت سمجھ
 دار ہوتا ہے اور چھوٹے سر والا کم عقل والا ہوتا ہے اور اس بات سے بھی کسی کو انکار نہیں کہ
 نقل مند کم عقل والے سے بہتر ہوتا ہے اور حدیث میں بھی بہتر شخص کو امام بنانے کی ترغیب
 دی گئی ہے قارئین کرام غور فرمائیے کہ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث کے مخالف ہے یا موافق؟

فقہائے احناف پر عظیم بہتان:

شیر سر حد تاج غیر مقلدین جناب نورستانی صاحب لکھتے ہیں کہ "الا صغر عضو" یعنی
 نہ کسی عضو چھوٹا ہو سے مراد آلہ تناسل کا چھوٹا ہو جانا ہے یعنی امام اسے بنایا جائے جس کا سر
 بڑا ہو آلہ تناسل چھوٹا ہو دلیل یہ پیش کی ہے کہ لفظ "عضو" واحد ہے اور سارے بدن میں
 نہ عضو صرف آلہ تناسل ہی ہے۔ (المبہنی للفاعل ۱۹) کفار کی یہی کوشش ہے کہ مسلمانوں کو
 جسے بدنام کیا جائے باطل فرقہ قادیانی، پرویزی وغیرہ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ

اہل اسلام کی کتابوں میں لفظی اور معنوی تحریف کریں غلط مطلب بیان کریں، مکی اور زیادتی کریں ان کے آلہ کار غیر مقلدین کی بھی یہی کوشش ہے کہ فقہائے احناف کی کتابوں سے مرجوح اور مرجوح عند اقوال اچھا اچھا کر لوگوں میں منت تقسیم کریں ان کی عبارات پر غلط ترجمہ کر کے اہل باطل کی خوشی اور مسلمانوں کو اپنے دین سے بدظن کریں۔ پتہ نہیں نورستانی اور ان کے ہموا "عضو" سے آلہ تناسل کیوں مراد لیتے ہیں۔ بے حیاباش و ہرچہ خواہی کن۔ جناب من! آپ کا یہ مطلب جو آپ نے سمجھا ہے شاید آپ کی جماعت والے قبول کر لیں باوجود غیر مقلد ہونے کے آپ کی عقیدت کی وجہ سے آپ کی تقلید کریں یا اور کوئی عقل مند دشمن ان سے یہی مراد لے جو آپ نے لیا ہے مگر ہم تو کہتے ہیں کہ زہر آلود لقمہ ہے جو ناواقف لوگوں کو کھلایا گیا ہے۔

”عضو“ سے آلہ تناسل مراد لینا محض بہتان ہے:

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی حنفی نے خود اس بات کی تردید کی ہے کہ عضو سے مراد آلہ تناسل ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”وفی حاشیة ابن السعود ونقل عن بعضهم فی هذا المقام مالا یلیق ان یذکر فضلا عن ان یکتب وکانہ یشیر الی ما قبل ان المراد بالعضو الذکر“

(رد المحتار ج ۱ ص ۴۱۲)

ابو السعود کے حاشیہ میں اس مقام میں بعض سے ایسی بات منقول ہے جو ای قابل نہیں کہ اسے ذکر کیا جائے چہ جائے کہ لکھا جائے گویا اس طرف اشارہ ہے جو کہا گیا ہے کہ مراد عضو سے آلہ تناسل ہے۔

اور منحة الخالق ج ۱ ص ۳۴۸ پر بھی اس بات کی تردید کی ہے کہ عضو سے مراد آلہ تناسل ہے۔ غور فرما لیجیے کہ فقہائے احناف یہ کہے کہ عضو سے آلہ تناسل نہیں بلکہ بدن کے

میرا مراد ہیں لیکن ہمارا مہربان اس بات پر ڈھٹ کر کھڑا ہے کہ مراد عضو سے آلہ تناسل
 کی سن چہ گویم و طب نور سن چہ گوید والی بات ہے۔ دانش مندوں کا مقولہ ہے ”کسل لسان
 شر شیح بما فیہ“ ثانیاً بدن میں واحد عضو ناک بھی ہے شیر مرد کو صرف آلہ تناسل کیوں
 کھڑا یا مشہور ہے کسی بھوکے سے کسی نے پوچھا کہ دو اور دو کتنے ہو گئے کہا چار روٹیاں۔ ثالثاً
 انسان کے جسم میں جو ایک سے زائد اعضاء ہیں کبھی کبھار بطور جنس واحد کا صیغہ بولا جاتا ہے
 لیکن مراد واحد نہ ہو جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے ”من رای منکم منکراً فلیغیرہ
 بسدہ“ یہاں پر واحد کا صیغہ ہے لیکن مراد صرف ایک نہیں بلکہ دونوں ہاتھ مراد ہیں بقول
 درستانی لفظ واحد کا صیغہ ہے تو دونوں ہاتھوں سے برائی کا روکنا حدیث کے خلاف ہوگا
 ہی طرح حضور ﷺ فرماتے ہیں ”المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ“
 کسی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں یہاں بھی لفظ واحد ہے لیکن
 درستانی کے نزدیک یہ معنی بنتا ہے کہ جس کے ایک ہاتھ سے مسلمان محفوظ نہ ہوں تو وہ
 مسلمان نہیں ہے لیکن اگر دونوں ہاتھ کے ضرر سے محفوظ نہ ہوں تو مسلمان ہے۔ حضور ﷺ
 فرمایا ہے ”جعلت قرۃ عینی لمی الصلاۃ“ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے اب
 مطلب کے نزدیک یہ مطلب ہوگا کہ نماز میں حضور ﷺ کی صرف ایک آنکھ کی ٹھنڈک ہوگی
 اور اس کی نہیں یہی مطلب جناب نے ”اصغر عضو“ سے لیا ہے کہ لفظ عضو واحد کا صیغہ ہے اور
 جس میں واحد آلہ تناسل ہے تف ہو ایسی اہل حدیث پر لیکن یہ بات یا تو جان بوجھ کر کہہ رہا
 ہے یا ان میں جہالت بطریق اکمل پائی جاتی ہے۔ رابعاً غیر متقلدین کے مابہ ناز عالم علامہ
 محمد کرمان احناف کا مذہب بیان کر کے لکھتے ہیں۔

وقال الاحناف..... ثم الاکبر راسا والاصغر قدما

(نزل الا برار ج ۲ ص ۹۶)

مذہب کہتے ہیں..... پھر امام اسے بنایا جانے جس کا سر بڑا ہو قدم چھوٹے ہوں۔

مذہب سے وہ مراد نہیں جو ان حضرات نے سمجھا ہے بلکہ قدم وغیرہ مراد ہیں۔ خامساً

بدن کے ایسے اندام کو کہتے ہیں جس میں ہڈی ہو اور آلہ تناسل میں تو ہڈی نہیں ہوتی۔ چنانچہ صاحب قاموس لکھتے ہیں۔

①..... والعضو بالضم والكسر كل لحم وافر بعظمه۔

(القاموس ج ۱ ص ۱۷۲۰)

عضو ضمہ اور کسرہ کے ساتھ ہر وہ گوشت جو ہڈی سے ملا ہوا ہو۔

②..... وقيل هو كل عظم وافر لحمة وجمعها أعضاء۔

(لسان العرب ج ۵ ص ۶۸)

کہا گیا ہے کہ (عضو) ہر اس ہڈی کو کہتے ہیں جس سے گوشت ملا ہوا ہو اس کا جمع اعضاء ہے۔

③..... كل عظم وافر من الجسم بلحمه۔ (المنجد عربی ۵۱۲)

جسم کی ہر وہ ہڈی جس سے گوشت ملا ہوا ہو۔

④..... ولا يسمى القلب والكبد عضوا الا لنحو تغليب ذكره ابن حجر

فی شرح العباب۔ (ہامش قاموس ج ۱ ص ۱۷۲۰)

دل اور جگر کو عضو نہیں کہا جاتا یہ (کیونکہ اس میں ہڈی نہیں ہوتی) مگر تغلیباً حافظ ابن حجر نے اسے شرح عباب میں ذکر کیا ہے۔

⑤..... ہر گوشت جو ہڈی میں جڑا ہوا ہو (مفتاح القرآن ۵۳۶) معلوم ہوا کہ ان

حضرات کا عضو سے آلہ تناسل مراد لینا فقہائے احناف پر عظیم بہتان ہے اور یہ ”توجب القول بما لا يرضى به قائله“ اور مدعی ست گواہ چست والی بات ہے۔

اعتراض نمبر ۲۲:

سوال نمبر ۴/ زبان کے ساتھ نیت کرنا:

اشتہار میں چوتھا سوال یہ تھا کہ زبان سے نیت کرنا فرض ہے، واجب سنت ہے یا مستحب؟ قرآن وحدیث سے ثابت کریں؟

جواب:

نیت کہتے ہیں دل کے ارادے کو نورستانی نے بھی احناف کی کتابوں سے نیت کا یہی معنی بیان کیا ہے اب اگر دل کے ارادے کو بچتہ کرنے کے واسطے اس پر تلفظ کیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ہمارے نزدیک نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت بلکہ اسے مستحسن کہا گیا ہے یعنی نیت پر تلفظ کرنا کوئی شرعی عمل نہیں کہ اس کا ثبوت آنحضرت ﷺ سے ہو یا صحابہ و تابعین سے بلکہ بعض فقہاء نے دفعہ وسوسہ کے لیے اسے پسند کیا ہے۔ یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ اگر عوام کو تلفظ سے روکا جائے تو دل کے ارادے کا فقہ ان بھی ان سے ہو جاتا ہے جس کا ضرر تلفظ سے زیادہ ہے لہذا جو بات آسان ہو کم ضرر والا ہو تو اسے اختیار کرنی چاہیے مشکل اور ضرر والی بات چھوڑنی چاہیے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔

”وما خیر بین امرین الا اختار ایسرهما ما لم یکن مائما“ (ترمذی ۵۹۶)

جب حضور ﷺ کو دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تھا تو آپ وہ بات اختیار کرتے تھے جس میں آسانی ہوتی تھی جب تک وہ گناہ کی بات نہ ہو۔

”واذا ابتلیتم ببلیتین فاختروا اھونھما“

جب تم دو مصیبتوں میں مبتلا ہو تو ان میں سے آسان ترین کو اختیار کر لینا چاہیے۔

اور یہ مسئلہ صرف حنفیہ کا نہیں بلکہ حضرات مالکیہ بھی دفعہ وسوسہ کے لیے تلفظ کو مندوب کہتے ہیں۔ (الفقہ علی المذہب الاربعہ ج ۱ ص ۱۹۵)

زبانی نیت کیا بلا ہے:

شیرمرحد لکھتے ہیں کہ تلفظ جب فرض واجب اور سنت نہیں تو یہ کیا بلا ہے۔ (المبہنی للفاعل ۲۱)

غیر مقلدین حضرات جب پکے پکے مساجد بناتے ہیں حالانکہ مسجد نبوی تو کچی تھی اب یہ پکے مساجد بنانا نہ فرض نہ واجب ہے نہ سنت تو یہ کیا بلا ہے؟ تو ضرور یہی کہیں گے کہ پکے مساجد انسانی کو ہم عبادت نہیں سمجھتے بلکہ عمارت کی تقویت اور مضبوطی کے لیے ایسا کرتے ہیں تو ہم

بھی کہتے ہیں کہ نیت پر زبان سے تلفظ کرنا صرف دل کے ارادے کی تقویت اور مضبوطی کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ ہاں اگر اس کو ضروری سمجھا جائے یا اس کے ساتھ جبر کیا جائے تو بے شک دریب یہ بدعت بن جاتی ہے بعض فقہاء نے اسی وجہ سے اسے بدعت کہا ہے۔

نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں:

ربانورستانی کا یہ اعتراض کہ مولانا محمد امین صاحب نے زبان سے الفاظ کہنے کو زبانی نیت کہا اور زبان سے الفاظ بولنے کو تلفظ یا کلام یا قول کہتے ہیں زبانی نیت نہیں بلکہ نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں۔ (المعنی لفاعل ۲۱) یہ بھی جناب کی جہالت ہے کیونکہ نیت پر تلفظ کو زبانی نیت کہنا اسی وجہ سے نہیں کہ نیت دو قسم کی ہے زبانی اور قلبی بلکہ عرفاً یہ اصطلاح مشہور ہی ایسی ہے کیونکہ اس سے قوادنی درجہ کا طالب علم بھی واقف ہے کہ نیت کا محل دل ہے اور تلفظ کا محل زبان چونکہ زبان دل کی ترجمان ہے ”انما جعل اللسان علی الفؤاد دلیلاً“ اور اپنے دل کا اظہار اکثر زبان ہی سے ہوتا ہے۔ اس لیے اگر زبان پر نیت کے تلفظ کو زبانی نیت سے تعبیر کیا جائے یا محض ارادے کو قلبی نیت کہا جائے تو اس میں کیا حرج ہے لیکن کیا کرے ضد تعصب اور جہالت کے ان لاعلاج مریضوں کا کہ کسی دوا سے بھی ان کی تسلی و شفای نہیں ہوتی۔

اعتراض نمبر ۲۳:

مدت رضاعت:

مدت رضاعت قرآن میں دو سال مقرر کی گئی ہے۔ (البقرہ) لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک مدت اڑھائی سال ہے۔ (ہدایہ ج ۲ ص ۳۵۰)

حافظ صاحب نے اس ایک سطر میں پانچ بددیانتیاں کی ہیں جن کی مثال ہمیں پاوری فائدر کے لٹریچر میں بھی نہیں ملی۔

حافظ جی کو فقہ نہیں آتی، حق تعالیٰ کا قانون ہے کہ بندہ جس نعمت کی ناشکری کرے وہ نعمت خدا اس سے چھین لیتا ہے۔ لاندہب غیر متقلدین نے فقہ کے خلاف زبان طعن و راز کی خدا نے یہ نعمت ان سے چھین لی۔ حافظ صاحب تو کیا۔ ان کے بڑے بڑے علماء اس سے محروم ہیں ان کے بڑے بڑے مدارس میں ہدایہ پڑھانے کے لیے خنثی مدرسین رکھتے ہیں۔

نفس مسئلہ:

صاحب ہدایہ نے یہاں دو قسم کی عورتوں کا ذکر فرمایا ہے اور دو قسم کی مدت بیان کر کے دونوں قسموں کو قرآن و حدیث سے ثابت کیا ہے۔

..... وہ عورت جو خاوند کے نکاح میں ہے اور بغیر اجرت لیے بچے کو دودھ پلا رہی ہے اس بچے کی مدت رضاعت اڑھائی سال بیان کی ہے اور دلیل میں قرآن پاک کی آیت پیش فرمائی "وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا" (الاحقاف) اٹھانا بچے کو اور دودھ چھڑانا اس کا تیس ماہ (اڑھائی سال) میں۔ اس آیت میں حمل کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ پیٹ میں اٹھانا یا گود میں اٹھانا اگر یہاں پیٹ میں اٹھانا مراد ہو تو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت بھی اڑھائی سال اور دودھ چھڑانے کی زیادہ سے زیادہ مدت بھی اڑھائی سال ہوئی۔ اگر کوئی شخص یہاں حمل کا معنی پیٹ میں اٹھانے کا لے اور اڑھائی سال دونوں کی مجموعی مدت قرار دے تو وہ بتائے کہ جو بچہ چھ ماہ ماں کے پیٹ میں رہا وہ تو دو سال دودھ پیئے گا، جو ۹ ماہ پیٹ میں رہا وہ پونے دو سال جو ڈیڑھ سال ماں کے پیٹ میں رہا وہ ایک سال دودھ پیئے اور جو دو سال ماں کے پیٹ میں رہا وہ چھ ماہ دودھ پیئے اور بعض کے نزدیک تو حمل چار سال تک بھی رہ سکتا ہے تو ایسے بچے پر تو ایک قطرہ دودھ بھی حرام ہو گا۔ اس لیے آسان مطلب یہ ہے کہ حمل میں گود میں اٹھانا مراد لیا جائے تو آیت کا معنی ہو گا اور گود میں اٹھانا اور دودھ چھڑانا اس کا تیس ماہ یعنی اڑھائی سال میں (تفسیر احکام القرآن ج ۱ ص ۳۹۱ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ)

۲..... دوسری وہ عورت ہے جس کو خاوند نے طلاق دے دی ہے اور وہ اب بچے کو اجرت پر دودھ پلا رہی ہے اس میں مرد، عورت اور بچے تینوں کے حقوق کو مد نظر رکھ کر دو سال مدت رضاعت کی اجرت لینے کا حق دیا ہے۔ اور اس پر صاحب ہدایہ سورۃ البقرہ والی آیت اور حدیث ”لا رضاع بعد الحولین“ پیش فرما رہے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کا ذکر فرماتے ہوئے جن کو طلاق مل چکی ہے اور وہ اجرت پر دودھ پلا رہی ہیں فرماتے ہیں ”ولو الدات برضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتیم الرضاعة وعلی المولود له رزقھن وکسوتھن بالمعروف“ (البقرۃ) اور اجرت پر دودھ پلانے والی مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں پورے دو سال اس خاوند کے لیے جو اجرت والی مدت رضاعت کو پورا کرنا چاہے۔ اور والد پر ضروری ہے کہ ان دو سالوں میں اس عورت کو نان و نفقہ دے رواج کے موافق۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پھر دو سال کے بعد اگر ”فان ارادا فصالا“ اگر وہ دونوں دودھ چھڑانے کا ارادہ کریں ”عن تراض منھما وتشاور“ باہمی رضامندی اور مشورہ سے تو ”فلا جناح علیھما“ ان پر کوئی گناہ نہیں۔ ”فان ارادہ فصالا عن تراض فان ذکر بحرف انعاء بالتراضی ولو کان الرضاع بعدہ حراما یعلق بہ لانه لا اثر للتراضی فی ازالة المحرم شرعا“ عنایہ علی الہدایہ ص ۳۵۰ حاشیہ نمبر ۱۳) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آیت ”فان ارادا فصالا“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں قبل الحولین اور بعد الحولین۔ (تفسیر ابن جریر بسند حسن ج ۲ ص ۳۰۲) یعنی دو سال سے پہلے چھڑانا چاہیں یا دو سال کے بعد اور حضرت عطاء بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں اگر چاہے تو دو سال سے زیادہ پلائے۔ (تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۳۰۲)

اب دیکھیے حافظ صاحب نے دو بددیانتیاں تو قرآن کے ساتھ کیں اڑھائی سال والی آیت کا سرے سے انکار کر دیا دو سال والی آیت میں ایک بددیانتی تو یہ کہ یہ نہ بتایا وہ مطلقہ عورتوں کے بارے میں ہے جو اجرت پر دودھ پلائیں، دوسری بددیانتی یہ کہ اس کے

حد آیت ”فسان ارادا فصلا“ کی طرف اشارہ تک بھی نہیں کیا اور تین بددیانتیاں ہدایہ کے ساتھ کیں۔ صاحب ہدایہ نے اڑھائی سال کی ودولیس بیان کی تھیں ایک قرآنی اور ایک عقلی دونوں میں سے کسی کا نام تک نہ لیا اور دو سال والی آیت کا مطلب جو صاحب ہدایہ نے بیان کیا تھا اس کا ذکر تک نہ کیا۔

ان چھ کے علاوہ ساتویں بددیانتی یہ کی کہ ان کے مذہب میں داڑھی والے بوڑھے کو بھی پستان نوشی کی اجازت ہے۔ (عرف الجادی، نزل الا برار) جو قرآن کی دونوں آیتوں کے خلاف ہے یہاں حافظ صاحب ایسے خاموش ہوئے کہ ان پر گونگے شیطان ہونے کا یقین ہونے لگا ورنہ وہ چیخ اٹھتے کہ کیا قیامت آگئی ہے کہ حدیث حدیث کا نام لے کر قرآن پاک کی کھلم کھلا مخالفت کی جا رہی ہے اور آٹھویں بددیانتی یہ کی کہ حنفی مذہب کے مفتی بہ قول کی وضاحت نہ کی۔ احناف کو کسی بات پر ضد نہیں ہے امام صاحب اڑھائی سال کے قائل ہیں اور صاحبین دو سال کے اس لیے احناف ان میں تطبیق اس طرح دیتے ہیں دودھ پلانے میں دو سال کی مدت پر اتفاق ہے کہ دودھ حلال ہے چھ ماہ میں اختلاف ہے جہاں حرام حلال میں تعارض ہو تو اسے چھوڑ دینا چاہیے تو دودھ پلانے میں فتویٰ دو سال پر مناسب ہے تاکہ مشکوک دودھ جو خلاف فتویٰ ہے اس سے پرہیز ہو جائے دوسری طرف اگر کسی بچے نے عورت کا دودھ دو سال کے بعد اڑھائی سال کے اندر پی لیا تو وہ اس کی رضائی ماں بنے گی یا نہ اڑھائی سال والے فتویٰ پر ماں بنے گی اور دو سال والے قول پر ماں نہیں بنے گی اب اس عورت اور اس کی بیٹیوں سے نکاح جائز ناجائز ہونے کا سوال اٹھے گا تو احتیاط اسی میں ہے کہ اڑھائی سال والے قول پر فتویٰ دے کر حرمت مان لی جائے ایسا نہ ہو کہ ساری عمر حرام میں مبتلا رہے اور یہ بات بھی حدیث کے عین موافق ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: حلال حرام ہے اور حرام واضح ہے اور ان کے دو کے درمیان کچھ متشابہات ہیں ان سے بچو۔ اب جو کہ حافظ صاحب نے فقہ کے ایک مسئلہ کو قرآن کے خلاف ثابت کرنے کے لیے آٹھ بددیانتیاں کیں۔ جس کی مثال ماسٹر رام چندر کے ہاں بھی نہیں ملتی اور یہ بات تو صاف سمجھ

میں آگئی کہ حافظ صاحب کو نہ قرآن آتا ہے اور نہ فقہ آتی ہے وہ جاہل مرکب ہیں۔

اعتراض نمبر ۲۴:

مشرک کا حرم پاک میں داخلہ:

سورہ توبہ میں ہے کہ مشرک حرم پاک کے قریب نہ پھٹکیں اور ہدایہ میں ہے کہ اہل ذمہ کے داخلہ میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ہم تو پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ حافظ صاحب کو نہ قرآن آتا ہے اور نہ ہی فقہ آتی ہے۔ قرآن پاک میں دو آیات ہیں۔

①.....اولئك ما كان لهم ان يدخلوها الا خائفين لهم في الدنيا خزي ولهم في الآخرة عذاب عظيم" (البقرة: ۱۲)

ان کو نہیں چاہیے تھا کہ ان مساجد میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے ان کے لیے دنیا میں رسوائی (جزیہ دینے کی) اور آخرت میں عذاب ہے بڑا۔

علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے اسی آیت سے ثابت کیا ہے کہ اہل ذمہ کا مسجد میں داخل ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں جب کہ وہ مغلوب و مقہور ہوں۔

②.....آنحضرت ﷺ نے ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے اعلان کروایا جو خدا کی طرف سے تھا۔ "يا ايها الذين آمنوا انما المشركون نجس فلا يقربوا

المسجد الحرام بعد عامهم هذا وان خفتهم عيلة فسوف يغنيكم الله" (التوبة: ۱۸)

اے ایمان والو! مشرک (اعتقاداً) نرے مشرک ہیں (اور چونکہ اعتقادی ناپاکوں کی کوئی عبارت قبول نہیں اس لیے وہ حج کے لیے) مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکیں اس سال کے بعد (سال کا لفظ اس لیے فرمایا کہ حج کے لیے آنا سال کے بعد ہی ہوتا ہے) اور اگر تمہیں

اے مسلمانو! مفلسی کا اندیشہ ہو (کیونکہ حج کے موقع پر کا فر تا جبر بھی سامان لاتے اور اسی تجارت سے روزی کا سامان بنتا) تو اس کی پرواہ نہ کرو کہ اگر وہ حج کے لیے نہ آئیں گے تو

تجارت ختم ہو جائے گی جو اقتصادیات کی جان ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں غنی فرما دیں گے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت سنائی تو حج کے اتنے بڑے مجمع میں یہی اعلان فرمایا ”الا لا یصح بعد عامنا هذا مشرک“ (روح المعانی ج ۱۰ ص ۷۷) کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے نہ آئے۔

معلوم ہوا کہ اس آیت کا مقصد حج عمرہ سے مشرکین کو روکنا ہے۔ آیت کا یہی مطلب صراحۃً ہدایہ میں مذکور ہے فرماتے ہیں والآیۃ محمولة علی الحضور استیلاء واستعلاء او طائفین عرۃ کما کانت عاداتہم فی الجاہلیۃ“ (ہدایہ ج ۲ ص ۷۲) یعنی اس آیت سورہ التوبہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ غلبہ و بلندی کے ساتھ اترتے ہوئے حرم میں داخل نہ ہوں یا حج کے لیے ننگے طواف کرتے ہوئے داخل نہ ہوں۔ جیسا کہ جاہلیت میں ان کی عادت تھی۔ دیکھیے احناف نے اس آیت کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کا وہی مطلب بیان کیا جو آیت کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے اور جس کا اعلان حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نزول آیت کے وقت مجمع حج میں فرمایا تھا۔

رسول اقدس ﷺ کا طرز عمل :

اس آیت سورہ توبہ کے نازل ہونے کے بعد وفد ثقیف حاضر ہوا اور آنحضرت ﷺ نے انہیں مسجد میں ٹھہرایا۔ (ابوداؤد، کتاب الخراج، باب: خبر الطائف ج ۲ ص ۷۲) طبرانی میں ہے کہ ”فضرب لہم قبة فی المسجد“ ان کے لیے مسجد میں قبہ لگایا گیا۔

(نصب الراية ج ۳ ص ۲۷۰)

اور مراسل ابی داؤد میں حضرت امام حسن بصری سے روایت ہے کہ جب اس وفد کو حضور ﷺ نے مسجد میں ٹھہرایا تو آپ ﷺ سے کہا گیا آپ ان کو مسجد میں اتار رہے ہیں حالانکہ وہ مشرک ہیں تو آپ نے فرمایا زمین نجس نہیں ہوتی ہے بے شک ابن آدم نجس ہوتا ہے۔ (نصب الراية ج ۳ ص ۲۷۰)

اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ مشرک کی نجاست دخول مسجد سے مانع نہیں ہے۔

آیت کی تفسیر نبی اقدس ﷺ سے:

حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس سال کے بعد کوئی مشرک مسجد حرام کے قریب نہ جائے ہاں مگر کوئی غلام یا لونڈی جو کسی حاجت کے لیے جائیں۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۸۹)

صحابی سے تفسیر:

حضرت جابر بن عبد اللہ صحابی فرماتے ہیں بے شک مشرک نجس ہیں وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ جائیں مگر کوئی غلام یا اہل ذمہ میں سے۔ (تفسیر ابن جریر ج ۱۰ ص ۷۶)

تابعی سے تفسیر:

حضرت قتادہ تابعی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں اس سال کے بعد کوئی مشرک مسجد حرام کے پاس نہ جائے مگر کوئی مشرک جو کسی مسلمان کا غلام ہو یا جزیہ دینے والا ذمی ہو۔ (تفسیر ابن جریر ج ۱۰ ص ۷۶)

دورِ فاروقی میں نصرانی کا حرم میں داخلہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک عیسائی بغرض تجارت آیا تو اس سے عشر لیا گیا وہ دوبارہ آیا تو پھر اس سے عشر کا مطالبہ کیا گیا اس نے عشر دینے سے انکار کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا جو اس وقت مکہ مکرمہ حرم پاک میں تھے اور خطبہ میں فرما رہے تھے "ان الله جعل البيت مشابة للناس" اس عیسائی نے کہا: امیر المؤمنین! زیاد بن حدیر مجھ سے بار بار عشر مانگتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عشر سال میں تیرے مال پر صرف ایک دفعہ ہے۔ (کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۱۶۲)

اب اگر امام صاحب نے فرمادیا کہ "لا باس بان يدخل اهل الذمة المسجد"

الحرام“ (ہدایہ ج ۳ ص ۴۷۲) تو یہ قرآن کی آیت ”یدخلوها خائفین“ کے موافق ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کے فعل کے موافق ہے، اللہ کے نبی ﷺ کے صحابی رضی اللہ عنہ، تابعی فرماتے ہیں کہ یہ داخلہ آیت توبہ کے خلاف نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مجمع عام میں نصرانی حرم پاک میں داخل ہوا کسی ایک شخص نے بھی اٹھ کر آیت ”انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام“ پڑھ کر نہ سنائی۔ معلوم ہو گیا کہ ان سب صحابہ و تابعین کے نزدیک بھی کسی ذمی کا وقتی طور پر مسجد حرام میں داخلہ کسی آیت یا حدیث کے خلاف نہ تھا۔

الغرض حافظ صاحب نے اس اعتراض میں کئی بدویاں کیں۔

۱..... آیت ”یدخلوها خائفین“ کا انکار کرنا پڑا۔

۲..... التوبہ کی آدھی آیت کا ترجمہ کیا جاتی چھوڑ دیا تا کہ سیاق و سباق کا پتہ نہ چلے۔

۳..... سورہ توبہ کی آیت کی تفسیر میں ذمی کو داخل کر کے نبی پاک ﷺ، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کی مخالفت کی۔

۴..... اس آیت کے ساتھ حضرت ثعلی رضی اللہ عنہ نے جو اعلان فرمایا تھا اس کو چھپایا۔

۵..... صاحب ہدایہ نے مسئلہ کی دلیل میں وفد ثقیف والی حدیث بیان کی تھی اس کا نام تک نہ لیا۔

۶..... صاحب ہدایہ نے آیت التوبہ کا جو صحیح محل بیان فرمایا تھا اس کا ذکر تک نہ کیا۔

ڈیڑھ سطر میں ۶ بدعنوانیاں ہیں جن میں نہ قرآن کو معاف کیا، نہ صاحب قرآن کو، نہ فقہ کو۔ اس کی مثال قادیانی لٹریچر میں ملنی بھی محال ہے۔ حافظ صاحب فقہ کے بغض میں وہ بے ایمانیاں کرتے ہیں کہ قادیانی ریکارڈ بھی تو ڈرڈالا۔ ”قل موتوا بغيضکم“

اعتراض نمبر ۲۵:

کافر کو عبادت کے لیے مکان کرایہ پر دینا:

قال ومن اجر بيتا لیتخذ فيه بیت نار او کنیسة ادبیه ادبیاع فيه الخمر

بالسواد فلا بأس به وقالوا ينبغي ان يكره بشيء من ذلك لانه اعانة على المعصية وله ان الاجارة ترد على منفقة البيت ولهذا يحب عجز والتسليم والا معصية فيه وانما المعصية بفعل المستاجر وهو مختار فيه فقطع نسبه عنه وانما قيده بالسواد لانهم لا يمكنون من اتخاذ البيع والكنائس واظهار بيع الخمر والخنازير في الامصار نطهور شعائر الاسلام فيها قالوا هذا في سواد الكوفة لان غالب اهلها اهل الذمة فاما في سوادنا فاعلام الاسلام ظاهرة فيها فلا يمكن فيها ايضا وهو الاصح۔ (ہدایہ ج ۳ ص ۴۷۰)

صاحب ہدایہ نے تین صورتیں مسئلہ کی ذکر فرمائی ہیں۔

①..... ایک مسلمان کا مکان کسی شہر میں ہے جہاں شعائر اسلام یعنی جمعہ، جماعت عید، اقامت حدود جاری ہیں وہاں کسی مسلمان کو وہ مکان ایسے لوگوں کو کرائے پر دینے کی اجازت نہیں۔ اس لیے نہیں کہ یہ ان کے ساتھ تعاون ہے بلکہ اس لیے اس میں شعائر اسلام کا استخفاف ہے۔

②..... کسی مسلمان کا مکان ایسے گاؤں میں ہے جس میں مسلمان بھی آباد ہیں اور جمعہ، جماعت وغیرہ شعائر اسلام ادا ہوتے ہیں۔ وہاں بھی مکان ان کو کرائے پر دینا جائز نہیں کیونکہ شعائر اسلام ظاہر ہیں۔

③..... کسی مسلمان کا مکان ایسے گاؤں میں ہے جہاں غالب اکثریت اہل ذمہ کی ہے اور شعائر اسلام کا ظہور نہیں جمعہ یا جماعت بھی نہیں ہوتی ایسے گاؤں میں جہاں غالب اکثریت اہل ذمہ کی ہے اور شعائر اسلام کا ظہور نہیں۔ ایسے گاؤں میں وہ پہلے ہی غالب ہیں اس لیے ان کو کرائے پر مکان دینے میں نہ تو شعائر اسلام کا استخفاف ہے اور نہ ہی تعاون ہے پس کوئی وجہ حرمت کی نہیں۔

عدم تعاون کی دلیل صاحب ہدایہ نے یہ ذکر کی ہے کہ کرایہ پر تو مکان اس لیے دیا جاتا ہے کہ کرائے پر لینے والا اس مکان سے منفعت حاصل کرے۔ اگر مکان خالی ہی رہے تو بھی

کرایہ اس کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ کرائے پر دینے کا عمل یہاں تک ہی ہے۔ اس کے بعد جو گناہ ہے وہ کرایہ پر لینے والے کا ہے جس میں وہ مختار ہے۔ مکان والے کی طرف سے کوئی زبردستی نہیں۔ اس لیے اس گناہ میں مکان والے کا کوئی تعاون نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ ایک شخص نے لونڈی فروخت کی خریدار نے بغیر استبراء اس سے صحبت کی تو اس میں بیچنے والے کو کوئی گناہ نہیں یا کسی نے غلام فروخت کیا۔ خریدار نے اس غلام سے اغلام بازی کی تو اس گناہ میں بیچنے والا ہرگز شریک نہیں۔ حافظ صاحب یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان کسی کافر کو رہائش کے لیے مکان دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں مگر وہ کافر اس مکان میں اپنے طرز پر عبادت بھی کرے گا۔ آتش پرست آگ کی پوجا کرے گا، صلیب پرست صلیب کی، بت پرست بت کی۔ تو کیا آپ کرایہ پر دینے والوں کو اس کا معاون سمجھیں گے۔ کسی کرایہ دار نے کرایہ کے مکان میں زنا کیا، شراب پی یا قتل ناحق کیا تو کیا مالک مکان پر آپ حدود جاری کرائیں گے۔

آپ نے جو قرآن کی آیت پیش کی نہ اس کا ترجمہ اس مسئلہ کا رد، نہ اس کا شان نزول، یہ مسئلہ نہ کسی حدیث صحیح سے یہ ثابت کہ دوسرے کے فعل مختار میں مالک مکان معاون ہوتا ہے۔ محض بے موقع آیت پڑھی اور مفت کا گناہ کمایا۔ معلوم ہو گیا کہ آپ کو نہ قرآن آتا ہے نہ فقہ۔

نہ ہوئے علم سے واقف نہ دین حق کو پہچانا
پہن کر جبہ و شملہ لگے کہلانے مولانا

اعتراض نمبر ۲۶:

شیرہ انگور (مثلث): جس کا دو تہائی جل جائے ایک تہائی باقی رہ جائے۔
قرآن پاک میں یہ پڑھا ہے کہ ملائے اعلیٰ کی میٹنگ ہوتی ہے تو شیطان پوری میٹنگ سے ایک آدھ بات اچک لیتا ہے پھر اس کے ساتھ بفرمان رسول ﷺ جھوٹ ملا کر پھیلاتا

ہے۔ یہی طرز عمل فقہ کے ساتھ لاندہوں کا ہے۔ ہدایہ میں مسئلہ یہ ہے کہ شیرہ انگور کو اگر اتنا پکایا جائے کہ اس میں شدت آ جائے تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک حلال ہے۔ ہاں اگر شراب کو اتنا پکایا جائے کہ اس کی دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے تو وہ ہرگز حلال نہیں۔ (ہدایہ ج ۳ ص ۴۹۲، ۴۹۵) یہ مسئلہ اس وقت ہے جب کوئی ضرورت شدہ مثلاً (ایک شخص اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ وہ فرض عبادت بھی ادا نہیں کر سکتا اور اس کے پینے سے اس میں طاقت آتی ہے اور وہ عبادت کر سکتا ہے تو) عبادت پر طاقت حاصل کرنے کے لیے پی سکتا ہے ورنہ اگر لہو و طرب مقصود ہو تو بالافتاق حلال نہیں۔

(ہدایہ ج ۳ ص ۴۹۲)

نوٹ:

یہ مثلث بھی اس وقت تک پینا جائز ہے جب تک نشہ نہ آئے۔ اگر نشہ آ جائے تو پھر یہ بھی حرام ہے۔

حافظ صاحب نے پہلے تو ہدایہ کی عبارت کا ترجمہ غلط کیا امجد کا ترجمہ نشہ کیا جو غلط ہے۔ اگر حافظ صاحب کے نزدیک یہ ترجمہ صحیح ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو غیظ پیتے تھے۔ اس کے بارہ لفظ ہے مکان اسد النبیلہ (طحاوی ج ۲ ص ۵۹)

کیا یہاں بھی وہ یہی ترجمہ کریں گے کہ بہت نشہ آور غیظ پیتے تھے۔

(۲) امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک لہو و طرب کے لیے حرام ہے اس کا ذکر تک حافظ نے نہ کیا اور ضرورت کے حکم کو حکم عام بنا کر پیش کر دیا جیسے بوقت ضرورت شدیدہ مردار کھانے کا جواز قرآن میں ہے۔ اب کوئی اس کو عام حکم بنا کر پیش کرے تو کتنا بڑا جھوٹ ہے۔

(۳) اس مسئلہ کے خلاف کوئی صریح حدیث حافظ صاحب پیش نہیں کر سکے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہو کہ شیرہ انگور کو پکایا جائے اگر دو مثلث جل جائے ایک مثلث رہ جائے تو بھی بوقت ضرورت حرام ہے۔ ایسی کوئی حدیث ہو تو حافظ صاحب پیش کریں۔

(۴) حضرت عمر، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم طلاء مثلث کو جائز کہتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۸)

(۵) حضرت براء بن عازب اور حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما تو نصف جل جانے کے بعد بھی پی لیتے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۸)

(۶) حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ الخمر شراب میں مچھلی ڈال کر دھوپ میں رکھ دیتے پھر فرماتے کہ مچھلی نے شراب کو ذبح کر دیا ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۸۲۶)

(۷) حضرت محمود بن لبید فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملک شام تشریف لے گئے وہاں کے لوگوں نے شکایت کی کہ ہمارے علاقہ میں ایک وبا ہے جو فلاں چیز پینے کے بغیر نہیں جاتی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شہدا استعمال کرو انہوں نے کہا شہد سے ٹھیک نہیں ہوتی تو انہوں نے اس کو پکایا یہاں تک کہ دو تہائی جل گیا اور ایک تہائی باقی رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پکھا فرمایا: یہ تو طلاء کی مثل ہے۔ پھر ان کو پینے کی اجازت دی۔

(موطا امام مالک ص ۳۵۸)

دیکھیے بوقت ضرورت مثلث کے پینے کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی اور اس قسم کی مشروبات کا پینا حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابو عبیدہ بن جراح، حضرت معاذ، حضرت براء رضی اللہ عنہم وغیرہ جلیل القدر صحابہ سے ثابت ہے کیا حافظ صاحب معاذ اللہ اب احناف کی ضد میں ان صحابہ کو منکر حدیث اور شرابی کہیں گے۔ (معاذ اللہ)

اعتراض نمبر ۲:

اجرت دے کر زنا کرے تو حد نہیں (حد اور تعزیر کا فرق):

حافظ صاحب نے یہ مسئلہ اجمالاً نقل کر دیا ہے نہ اس کو مسئلہ کی سمجھ ہے اور نہ ہی دوسرے لائفہ آہوں کو وہ یہ مسئلہ بیان کر کے کبھی تو کہا کرتے ہیں کہ یہ فعل احناف کے ہاں گناہ نہیں بالکل جائز ہے کبھی کہا کرتے ہیں کہ حد نہ ہونے کا مطلب ہے کہ ان پر کسی قسم کی سزا نہیں۔

حالانکہ یہ محض فریب ہے۔

اسلام میں جو کام گناہ کبیرہ ہیں ان پر شرعی سزا دی جاتی ہے۔ اس سزا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حد دوسری تعزیر۔ حد وہ سزا ہے جو نص قطعی یا اجماع قطعی سے مقرر ہو اس میں کمی بیشی کا اختیار کسی کو نہیں یہ حد دو قیاس و اجتہاد سے ثابت نہیں ہوتیں اور نص شہادت سے ساقط ہو جاتی ہیں۔

دوسری قسم کی سزا تعزیر ہے جو ہر اس گناہ پر لگائی جاتی ہے جس میں شرعی حد ثابت نہ ہو یا شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ ”کل مرتکب معصیۃ لا حد فیہا فیہا التعزیر“ (درمختار ج ۳ ص ۱۸۲) ہر وہ گناہ جس میں حد نہ ہو۔ (لا حد) ان میں تعزیر ہے۔ ”من ارتکب جریمۃ لیس فیہ حد مقرر“ (ہدایہ ج ۲ ص ۵۱۶) جس شخص نے ایسے گناہ کا ارتکاب کیا جس میں حد مقرر نہیں تو تعزیر لگائی جائے گی۔

تعزیر کی سزا قید سے بھی دی جاسکتی ہے کوڑوں سے بھی مثلاً ۹ کوڑے یا ۹۹ کوڑے اور قتل سے بھی ”ویکون التعزیر بالقتل“ (درمختار ج ۳ ص ۱۷۹)

یہ تعزیر کوئی معمولی سزا نہیں بلکہ تعزیر کے کوڑے زنا کی حد کے کوڑوں سے بھی زیادہ سختی سے لگائے جاتے ہیں۔ (درمختار ج ۲ ص ۱۸۱، ۱۸۲) معلوم ہوا کہ حد نہ ہونے کا یہ مطلب لینا کہ کوئی گناہ نہیں یا کوئی سزا نہیں ایک بہت بڑا فریب ہے۔ اگر اب بھی لاندہب ضد کریں تو ہم ان کو یہ لفظ حدیث کی کتابوں میں دکھاتے ہیں وہاں بھی یہی ترجمہ کریں ”عن ابن عباس من اتی بهیمة فلا حد علیہ“ (ترمذی ج ۱ ص ۲۲۹، ابن ماجہ ص ۱۸۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جس نے کسی چوپائے سے بد فعلی کی تھی آپ نے اس پر حد نہیں لگائی۔ (کتاب الآثار محمد ص ۹۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جس نے کسی چوپائے سے بد فعلی کی تھی انہوں نے حد نہیں لگائی۔ (المبسوط للسرخی ج ۹ ص ۱۰۲)

کیا اب آپ ایک اشتہار شائع کریں گے کہ (معاذ اللہ)۔ حضرت عمر، حضرت علی،

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔ (ترمذی اور ابن ماجہ) کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی گدھی، گھوڑی، بلی، کتیا، گینڈری، خنزیری، بکری اور بھیڑ وغیرہ سے بدفعی کرے تو کوئی حد نہیں اور یہ کام بالکل جائز ہے کسی قسم کا گناہ نہیں نہ ہی کسی قسم کی سزا ہے۔ ورنہ فقہ میں موجود لفظ ”حد نہیں“ سے عوام کو گمراہ نہ کریں۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدود میں قیاس کو دخل نہیں۔ مثلاً مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور شراب چاروں حرام ہیں۔ مگر حد صرف شراب پر ہے۔ مردار، خون اور خنزیر کا گوشت کھانے پر حد نہیں۔ اسی طرح کسی کو زنا کی تہمت لگانا حرام ہے۔ اس پر ۸۰ کوڑے حد ہے اور وہ مردود الشہادۃ بھی ہے۔ اور فاسق بھی اور کسی مسلمان کو کافر کہنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے مگر اس پر حد شرعی مقرر نہیں۔ (طحاوی ج ۲ ص ۹۸)

اب مردار کھانے، خون پینے، خنزیر کھانے کسی کو کافر کہنے پر کسی حدیث صحیح صریح غیر معارض سے حد ثابت کریں کہ کتنے کوڑے ہے اگر ثابت نہ کر سکیں اور قیامت تک نہیں کر سکیں گے تو مردار کھانا شروع کر دیں، خون پینا اور خنزیر کھانا شروع کر دیں۔ اپنی جماعت کو کافر کہنا شروع کر دیں اگر یہ پسند نہ ہو تو فقہ کی کتاب میں حد نہ ہونے کا لفظ دیکھ کر لوگوں کو متاثر نہ دیں۔

لاندہب غیر مقلد و بتاؤ سود کھانے والے، شراب پینے والے، پاخانہ کھانے والے نذر غیر اللہ دینے اور کھانے والے پر حدیث صحیح سے کتنے کوڑے حد ثابت ہے اگر حد ثابت نہ کر سکو تو ان پر عمل کر کے دکھاؤ۔

لاندہب بتاؤ! غیر اللہ کو پکارنے، قبروں، تعزیوں کو سجدہ کرنے والوں، کسی بزرگ کے مزار کا حج و طواف کرنے والوں، عید میلاد النبی کے جلوس نکالنے والوں، تیجا، ساتواں، چالیسواں کرنے والوں وغیرہ پر حدیث صحیح میں کتنے کوڑے حد ثابت ہے۔ اگر ثابت نہ کر سکو تو ان کاموں کو کرنا شروع کر دو۔ لوگوں کو کہو کہ نہ یہ گناہ ہیں نہ ان پر کوئی سزا ہے کیونکہ ثابت نہیں۔

حافظ جی بتائیے! اپنی بیوی جب حیض کی حالت میں ہو یا نفاس میں مبتلا ہو یا احرام باندھ کر حج کر رہی ہو یا اس نے رمضان کا فرض روزہ کھایا ہو یا فرض نماز ادا کر رہی ہو اس سے صحبت کرنا حلال ہے یا حرام! اگر حرام ہے تو اس پر مرد پر کتنے کوڑے حد شرعی مقرر ہے۔ ذرا احادیث صحیحہ سے ثابت کر دیں۔ یا ان سب کے جواز کا فتویٰ دیں۔

حد و شبہات سے ساقط ہو جاتی ہے:

احادیث نبویہ ﷺ اور اجماع امت سے یہ بات ثابت ہے کہ حد و شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ ائمہ اربعہ میں تو اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ شوکانی صاحب غیر مقلد بھی لکھتے ہیں ”وینسقط بالشبهات المحملة“ (در ربیعہ) نواب صدیق حسن صاحب غیر مقلد اس جملہ کی شرح میں فرماتے ہیں۔ ”لحدیث ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ادروا الحدود من المسلمین ما استطعتم فان کان له مخرج فخلوا سبیلہ فان الامام ان یخطی فی العقوبۃ“

وقد رواہ الترمذی ص ۲۲۲ ایضا من حدیث الزہری عن عروۃ عن عائشۃ وقد اعل بالوقف واخرج ابن ماجۃ ص ۱۸۵ من حدیث ابی ہریرۃ مرفوعا بلفظ اوقعوا الحدود ما وجدتم لہا مدفعا وقد روی من حدیث علی مرفوعا ادروا الحدود بالشبهات وروی نحوه عن عمرو ابن مسعود باسناد صحیح وفي الباب من الروایات ما یعقد بعقد بعضا و محایوید ذلک قولہ ﷺ لو کنت راجما احدا بغير بينة لرحمتها یعنی امراۃ بعجلانی کما فی الصحیحین من حدیث ابن عباس۔ (الروضة الندية ص ۳۵۵)

ہم نے لاندھیوں سے پوچھا زنا موجب حد کی شرعی تعریف اور شبہ کی شرعی تعریف قرآن کی صریح آیت یا صحیح صریح غیر معارض حدیث سے کرو لیکن سارے لاندھب مولوی صم بک نے بیٹھے تھے۔ وہ قرآن و حدیث سے یہ تعریفیں نہ دکھا سکے پھر ہم نے کہا کہ جو تعریفیں

نہاے لکھی ہیں ان کا غلط ہونا صحیح صریح احادیث سے ثابت کر دو لیکن یہاں بھی وہ کوئی حدیث پیش نہ کر سکے۔ لوگ حیران تھے کہ رات دن حدیث کی گردان کرنے والے مطلوبہ حدیث میں سے ایک بھی حدیث پیش نہ کر سکے اور ان کی جہالت کا پردہ فاش ہو گیا۔

معارض نمبر ۲۸:

حنفیوں کی کتاب منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے کہ خنزیر کی کھال و باغٹ سے پاک ہو جاتی ہے اور اس میں نماز بھی جائز ہے۔

جواب:

اصل مسئلہ: مذہب حنفی کی ظاہر الروایت یہی ہے کہ خنزیر اور اس کے تمام اجزاء نجس عین ہیں۔ (منیۃ المصلیٰ ص ۶۶) خنزیر کے تمام اجزاء پیشاب اور پاخانے کی طرح ناپاک ہیں۔ (منیۃ المصلیٰ ص ۶۴) اصحاب ثلاثہ (امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رحمہم اللہ) سے ظاہر روایت یہی ہے کہ خنزیر نجس العین ہے اس کی کھال و باغٹ سے پاک نہیں ہوتی۔ (منیۃ المصلیٰ ص ۶۴) یہی مذہب حنفی ہے اسی پر پوری دنیا میں احناف کا عمل ہے۔

اصل عبارت:

جس عبارت کا اس غیر مقلد نے حوالہ دیا ہے۔ پوری عبارت مع شرح منیہ یہ ہے۔
 ذکر فی نوادر ابی الیفا قال یعقوب یعنی ابا یوسف نو صلی فی جلد
 خنزیر مذہوغ جاز وقد اساء نباء علی انه یطہر بالذباغ عندہ فی غیر ظاہر
 الروایۃ وقد تقدم وقال ابو حنیفۃ ومحمد لا تجزئ صلاۃ فیہ ولا یطہر
 الذباغۃ وقد مر ان هذا هو ظاہر الروایۃ عن ابی یوسف ایضا (کبیری
 ۱۹۵، متن منیۃ المصلیٰ ص ۹۰، خلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلیٰ) میں بھی
 روایت کو شاذ کہا ہے۔ (بر منیۃ ص ۶۳ تا شیعہ نمبر ۷)

فریب نمبر ۱:

مذہب حنفی جو ظاہر الروایت ہے جس پر ہر جگہ عمل ہے اس کے خلاف شاذ روایت بیان کی یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ گمراہ لوگ قرآن پاک کے متعلق وسوسہ ڈالنے کے لیے شاذ قراتوں سے تحریف قرآن ثابت کر کے عوام اہل اسلام کے دلوں میں وسوسہ ڈال کرتے ہیں۔

فریب نمبر ۲:

قد اساء کالفظ بیان ہی نہیں کیا۔

فریب نمبر ۳:

نہ یہ بتایا کہ روایت نوادر کی ہے۔

فریب نمبر ۴:

آپ کے مذہب میں تو خنزیر سارا بلاد باغیت پاک ہے۔ مصلی بنائے۔ مشک بنائے۔
(بدورالاہلہ ص ۱۶، عرف الجادی ص ۱۰)

اعتراض نمبر ۲۹:

مدیہ المصلیٰ کی شرح میں لکھا ہے کہ اگر آدھا بچہ یا ہر اور آدھا اندر ہو تو اس وقت بھی عورت پر نماز معاف نہیں ہوتی۔

جواب:

غیر مقلد نے پوری عبارت نقل نہیں کی۔ پہلے ہم پوری عبارت نقل کرتے ہیں۔ شارح مدیہ المصلیٰ نقل کرتے ہیں:

”وفی الذخيرة امرأة خرج رأس ولدها وخافت فوث الوقت توضأت ان قدرت والا تبممت وجعلت رأس ولدها في ثدر او حضيرة وصلت قاعدة

کوع وسجود فان لم تستطعهما تؤمی ایماء ای تصلی بحسب طاقتها ولا
تخوت الصلاة عن وقتها لانها لم تصور نفساء بخروج الولد مالم تر الدم بعد
خروج كله والدم الذي تراه فی حالة الولادة قبل خروج الولد استحاضة لا
تمنع الصلاة فكانت مكلفة بقدر وسعها فلا يجوز لها تفويت الصلاة عن
وقتها الا ان عجزت بالكلية كما فی سائر المرضی۔ (ص ۲۶۳، منية
المصلی ص ۱۱۵، ۱۱۶ حاشیه نمبر ۱)

جواب:

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) بچہ کی پیدائش کے بعد جو خون عورت کو آتا ہے وہ نفاس ہے اس میں نماز
ناف ہے۔

(ب) بچے کا تھوڑا حصہ نکلنے وقت جو خون عورت کو آتا ہے وہ استحاضہ ہے اس میں
امعاف نہیں۔

(ج) بعض عورتوں کو دو دن ایسے گزر جاتے ہیں کہ نفاس نہیں آیا، استحاضہ آتا رہا بچہ
کی پورا پیدائش ہوا۔

(د) ان وقتوں کی نمازوں کا کیا حکم ہے۔ ظاہر ہے کہ نفاس سے قبل نماز معاف نہیں
ہے۔ اس لیے جو باقی بیماروں کا حکم ہے وہی اس عورت کا ہے۔ اگر وضو کر سکتی ہے تو بہتر
تیمم کر لے۔ اگر بیٹھ کر رکوع سجدہ سے پڑھ سکتی ہے تو بہتر در نہ اشارہ سے پڑھ لے۔ اگر
کئی نہیں کر سکتی تو باقی مریضوں کی طرح وہ معذور ہے۔

لاندہب اس مسئلہ کے خلاف ایک صریح آیت یا صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کر
تو ہم صراحۃً لکھ دیں گے کہ یہ مسئلہ قرآن یا حدیث کے خلاف ہے اور لاندہب قیامت
میں اس حدیث پیش نہیں کر سکے گا۔

ہم تو صاف کہہ دیں گے کہ جب یہ مسئلہ نہ قرآن کے خلاف ہے نہ حدیث صحیح کے لیکن اس کے مقدمات اجماعاً مسلم ہیں تو اس کو ماننا ضروری ہوا۔

اعتراض نمبر ۳۰:

رطوبت فرج پاک ہے۔

جواب:

احناف کے ہاں اس مسئلہ میں تفصیل ہے۔

①..... عورت کو پیشاب کی جگہ آگے کی کھال کے اندر پانی پہنچانا غسل میں فرض ہے۔ اگر پانی نہ پہنچے تو غسل نہ ہوگا۔ (بہشتی زیورج اص ۱۷) یہ جگہ فرج خارج اور فرج داخل کی درمیانی جگہ ہے جہاں غسل کے وقت پانی پہنچانا فرض ہے باقی بدن کی طرح اس جگہ بھی پسینہ وغیرہ آتا ہے۔ اس کا حکم بدن کے بیرونی پسینے کا ہی ہے یہ پاک ہے۔ ورنہ عورت کو ہر وضو کے وقت استنجاء کا حکم ہوتا۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۱۲، ۲۰۸) اس کے پاک ہونے میں اتفاق ہے۔

②..... وہ رطوبت جو ماوراء باطن الفرج سے آئے فَإِنَّهُ نَجَسٌ قَطْعًا (رد المحتار ج ۱ ص ۲۰۸) یہ بالاتفاق نجس ہے لیکور یا وغیرہ۔

③..... فرج داخل باہر سے بند ہے اور اندر سے جوف دار ہے تو حرارتِ عزیزی جو تمام جسم میں دائر سائر ہے۔ رطوبت بدن کو بخارات بنا کر مساماتِ جلد سے باہر نکالتی رہتی ہے۔ اس جوف میں وہ پسینہ سما جمع ہو کر مبدل بہ رطوبت ہو جاتا ہے۔ اگر اس رطوبت میں خون یا منی یا مادی مرد یا عورت کی شامل ہو جائے تو بالاتفاق نجس ہے۔ (رد المحتار ص ۲۳۳)

④..... اگر اس رطوبت میں منی وغیرہ کی ملاوٹ نہ ہو تو اس کے پاک نہا پاک ہونے میں اختلاف ہے۔ امام صاحب کے نزدیک پاک ہے اور صاحبین کے نزدیک نجس ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں ”وہو الاحتیاط“ یعنی احتیاط صاحبین کے قول میں ہے اور تاتارخانیہ

میں اس اختلاف کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھا ہے کہ انڈا اگر پانی میں گر جائے تو اس پانی سے وضو کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس انڈے پر فرج کی رطوبت لگی ہوتی ہے۔ اور اس کراہت کے قول کو مختار قرار دیا ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۳۳) اب دیکھیے ان کا اپنا مذہب بالاتفاق پاک ہونے کا ہے مگر ہمارے ہاں احتیاط اس کے نجس کہنے میں ہے اور قول مختار کراہت کا ہے۔
الحاصل رطوبت جلد بھی پسینہ بالاتفاق پاک ہے۔ رطوبت رحم بالاتفاق ناپاک ہے اور رطوبت فرج مختلف فیہ ہے۔ احتیاط قول بالکراہت میں ہے۔
مسئلہ اہل حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

① علامہ وحید الزماں غیر مقلد لکھتے ہیں۔ عورت کے فرج کی بھی رطوبت پاک ہے۔
(تیسرا الباری شرح صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۷ حاشیہ نمبر ۳)

② کنز الحقائق ص ۱۶۔

③ نزل الابرار ج ۱ ص ۴۹۔

④ عرف الجادی ص ۱۰۔

⑤ فقہ محمدیہ ج ۱ ص ۶۴۔

اعتراض نمبر ۳۱:

حنفی مذہب میں اگر کتے کو ذبح کر لیا جائے تو اس کا گوشت اور کھال پاک ہو جاتے ہیں۔
جواب:

نواب صدیق حسن خان نے تو پوری تفصیل سے لکھا ہے کہ کتے کے گوشت، ہڈی، خون، بال، پسینہ میں سے کسی کی نجاست ثابت نہیں۔ (بدورالابلہ ص ۱۶)

پہلا سوال تو یہ ہے کہ آپ کے مذہب میں تو بلا ذبح ہی کھال اور گوشت بلکہ سب کچھ پاک ہے۔ اس کی حدیث پیش کرو اور دوسری حدیث یہ پیش کرو کہ جب بلا ذبح پاک ہے تو بعد ذبح کیوں ناپاک ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ چیزیں دو قسم کی ہیں ایک نجس العین جیسے پاخانہ،

پیشاب خنزیر وغیرہ یہ نہ دھونے سے پاک ہوں نہ دباغت سے نہ ذبح سے۔ دوسری وہ ہیر جو خو و نجس العین نہیں لیکن کسی نجس العین کے لگنے سے ناپاک ہوں جیسے کپڑے پر پاخانہ لگ جائے تو یہ دھونے سے پاک ہو جائے گا اب حرام جانور کے گوشت کی مثال تو پہلی نجاست کی ہے اس لیے اگرچہ اس میں اختلاف ہے مگر اصح قول ناپاک کی کا ہے۔ چنانچہ علامہ حلوی فرماتے ہیں "وفی طہارة لحمہ بھا" (غنیۃ المستملی ص ۱۳۵) اور کھال کی مثال دوسری قسم کی نجاست کی ہے۔ یہ خود حالت حیات میں پاک تھی۔ ناپاک کپڑے کی طرح اس میں نجس رطوبات سرایت کر گئیں تو جب دباغت سے وہ نجس رطوبات زائل ہو گئیں تو کھال صاف ہو گئی۔ ایما اہاب دبیغ فقد طهر الحدیث اور جو چیز دباغت سے پاک ہو جاتی ہے وہ زکوٰۃ سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔ الا ما ذکیم اسی لیے شارح منیہ فرماتے ہیں "فی الحاصل فی طہارة جلد ما لا یوکل بالذکاة اختلافاً والاصح الطہارة" (غنیۃ المستملی ص ۱۳۵)

باقی رہی گوشت کی بات تو احناف کے ہاں اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ صحیح قول جس پر ہمارا فتویٰ ہے وہ یہ ہے کہ گوشت پاک نہیں ہوتا۔ جیسا کہ البحر الرائق ج ۱ ص ۱۰۶ میں ہے۔ وصحیح فی الاسرار والکفاۃ والتبیین لجاسق۔ صاحب اسرار و صاحب کفایہ اور صاحب تبیین نے (مذکورہ گوشت) کی نجاست کو صحیح قرار دیا ہے۔ اگر ان مسائل کے خلاف غیر مقلد کوئی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کریں تو ہم ضد نہیں کریں گے مگر یہ ان کے بس کی بات نہیں۔

اعتراض نمبر ۳۲:

حنفی مذہب میں ہے کہ اجرت دے کر زنا کرنے پر حد نہیں۔

جواب:

غیر مقام نے اس عبارت میں کئی بے ایمانیاں کی ہیں۔

①۔ حد نہ ہونے کا مطلب یہ بتایا کہ جائز ہے کوئی گناہ یا سزا نہیں۔

②۔ ہم نے مطالبہ کیا کہ صریح آیت یا صریح غیر معارض ایک ہی حدیث پیش کرو جس میں یہ ہو کہ اجرت لے کر زنا پر حد ہے مگر وہ بالکل پیش نہ کر سکے۔

③۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”فَمَا اسْطِطَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ“ ان عورتوں سے جتنا نفع تم نے اٹھایا ہے ان کی اجرت ان کو دے دو یہاں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے مہر کو اجرت قرار دیا۔ مہر اور اجرت آپ میں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں اس لیے اس آیت سے لفظ اجرت میں مہر کا شبہ پیدا ہو گیا۔ اور حدیث کے موافق شبہ سے حد ساقط ہو گئی اس کو قرآن و حدیث پر عمل کہتے ہیں تم نے نہ قرآن کو مانا اور نہ حدیث کو۔ عالمگیری میں صراحت ہے کہ شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہوتی ہے۔

(عالمگیری ج ۲ ص ۱۳۹)

④۔ لیکن حد ساقط ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو بدکاری کی چھٹی دی جائے گی اور اس پر کوئی سزا نہ دی جائے گی بلکہ ”وَبِوَجْعَانٍ عَقُوبَةٍ وَبِحَبَانٍ حَتَّىٰ يَتُوبَا“ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۹) ان کو ایسی دکھ کی مار دی جائے گی کہ دوسروں کو عبرت ہو اور اس ار کے بعد ان کو قید کر دیا جائے گا۔ جب تک ان کی توبہ کا یقین نہ ہو۔ کیا کسی لاندہب میں یہ حرات ہے کہ وہ اپنی کسی معتبر کتاب میں متعہ کی یہ سزا دکھائے۔ آپ کے ہاں تو انکار بھی جائز نہیں۔

اور پھر اس لاندہب نے یہ بھی نہ بتایا کہ یہ مسئلہ فقہ کا متفق علیہ نہیں بلکہ خود امام صاحب سے ایک قول حد کے واجب ہونے کا ہے۔ ”وَالْحَقُّ رَجُوبُ الْحَدِّ كَالْمُسْتَأْجَرِ لِّلْعَدْمَةِ فَتَحْ دَرْمَخْتَارِ ج ۳ ص ۱۵۷، ای کما هو قولہما“ (رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۷) امام صاحب بھی ایک قول میں صاحبین کی طرح فرماتے ہیں حق یہی ہے کہ حد واجب ہے۔ الحاصل ہمارے مذہب میں یہ فعل زنا ہی ہے اور گناہ کبیرہ ہے اختلاف صرف

اس میں ہے کہ زنا موجب حد ہے یا تہیٰ وجہ سے موجب تعزیر۔ امام صاحب سے دونوں اقوال موجود ہیں جب کہ لامذہبوں کے ہاں نہ زنا نہ گناہ۔ نہ تعزیر نہ انکار۔

اعتراض نمبر ۳۳:

حنفی مذہب میں ماں بیٹی اور دیگر محرمات سے اگر نکاح کر کے وطی کرے تو اس پر حد نہیں۔

جواب:

۱..... یہ محض جھوٹ ہے ہماری فقہ کی کتابوں میں صراحت ہے کہ ماں، بہن، بیٹی وغیرہ محرمات ابدیہ ہیں ان سے ہرگز نکاح جائز نہیں۔ (ہدایہ وغیرہ)

۲..... ان سے نکاح کرنا تو کجا اگر کوئی شخص صرف یہ کہے کہ ماں بیٹی سے نکاح جائز ہے وہ کافر ہے، مرتد ہے، واجب القتل ہے۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۴۲)

۳..... فقہ میں تو صاف لکھا ہے کہ ایسے شخص کو عبرت ناک سزا دی جائے۔

(عامگیری ص ۱۴۸)

۴..... ہدایہ ج ۲ ص ۵۱۶ میں ہے ایسے شخص پر سزا واجب ہے اور وہ تعزیر ہے۔

۵..... فتح القدیر شرح ہدایہ ج ۵ ص ۴۰ میں ہے "ويعاقب عقوبة هي اشد ما يكون

من التعزير سياسة لا حدا"

۶..... در مختار ج ۳ ص ۱۷۹ میں ہے۔ یہ تعزیر قتل تک بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے کوئی مرد لڑکی

عورت کے ساتھ پایا گیا جو اس کے لیے حلال نہیں تھی۔

اس لیے یہ جھوٹ ہے کہ فقہ حنفی میں اس جرم کی سزا نہیں ہے۔

۷..... پھر کہنے لگے ہاں فقہ کے اعتبار سے نکاح تو جائز نہیں سزا بھی ہے مگر فقہ نے ان کو

گناہ نہیں کہا۔ بلکہ یہ زنا سے بڑا گناہ ہے۔ (طحاوی ج ۲ ص ۹۶)

اب ان عقل کے اندھوں سے کوئی پوچھے کہ اگر یہ گناہ نہیں تو یہ سزائے قتل کس نیکی کی ہے

اور فقہ میں صاف صاف تصریح ہے انہ ار تکب جویمة۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۵۱۶) یعنی اس

نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے اتنے جھوٹ بولنے کے بعد آخر کہا کہ فقہ میں لکھا ہے کہ ”حد نہیں“۔

۸..... احناف نے کہا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ”البینۃ علی المدعی“ دلیل مدعی کے ذمہ ہوتی ہے آپ حد کے مدعی ہیں۔ ہم حد کا انکار کرتے ہیں آپ کا فرض ہے کہ ایک ہی حدیث صحیح صریح غیر معارض ایسی پیش فرمائیں جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ جو شخص محرمات ابدیہ سے نکاح کر کے صحبت کر لے ان کو وہ کنوارہ ہو تو سو کوڑے مارے جائیں اگر شادی شدہ ہو تو سنگ سار کیا جائے۔ ہم بغیر کسی ضد کے مان لیں گے کہ فقہ کا یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے لیکن وہ کوئی ایسی حدیث پیش نہیں کر سکتے نہ کر سکیں گے۔

۹..... آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کسی نے ماں سے نکاح کیا آپ ﷺ نے اس کو قتل کر کے اس کا مال لوٹ لینے کا حکم دیا۔ (رواہ النعمہ) ہاں ترمذی، ابن ماجہ میں اخذ مال کا ذکر نہیں۔ (منشی الاخبار) ظاہر ہے کہ یہ زنا کی حد نہیں، نہ کوڑے نہ سنگسار اس فعل کی تعزیر ہے۔

۱۰..... ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو محرمات میں سے کسی سے صحبت کرے اس کو قتل کر دو۔ (ابن ماجہ) اب یہ بھی پمفلٹ شائع کرو کہ حضور ﷺ نے حد کیوں نہ بتائی۔ نہ لگائی تعزیر کیوں بتائی اور لگوائی۔ افسوس عامل بالحدیث ہونے کا دعویٰ اور احادیث کا انکار۔

۱۱..... لامذہب غیر مقلدین کے پاس سوائے قیاس کے اس مسئلہ میں کچھ نہیں وہ کہتے ہیں کہ جب یہ نکاح باطل ہے تو کالعدم ہے اس پر وہ کوئی حدیث پیش نہیں کر سکتے۔ لیکن امام صاحب فرماتے ہیں کہ نکاح باطل بھی شبہ بن جاتا ہے اگر قیاس تو نہیں مانتا لیکن حدیث میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے ایک عورت سے اس کی عدت میں نکاح کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر حد جاری نہ فرمائی بلکہ تعزیر لگوائی۔ (ابن ابی شیبہ)

ظاہر ہے یہ نکاح شرعی نہ تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی موجودگی میں حد ساقط کر دی اور تعزیر لگائی۔ اجماع صحابہ سے ثابت ہوا کہ نکاح حرام بھی شبہ بن جاتا ہے۔ اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ حافظ صاحب اس کو حدیث پر عمل کرنا کہتے ہیں۔ اور یہ ہے! حدیث کا فہم آپ کا عمل بالحدیث کا دعویٰ ایسا ہی باطل ہے جیسے منکرین

حدیث کا عمل بالقرآن کا دعویٰ باطل ہے۔

۱۲..... حافظ صاحب اس اعتراض کے جواب میں مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے مستقل رسالہ لکھا ہے ”القول الجازم فی سقوطہ الحد من نکاح المحارم“ جس کے جواب سے آج تک تمہاری جماعت عاجز ہے۔ اور تمہارے بڑے بڑے علماء نذیر حسین دہلوی، صدیق حسن بھوپالی، وحید الزمان، شمس الحق عظیم آبادی، عبدالرحمن مبارک پوری، ثناء اللہ امرتسری، عبداللہ روپڑی اس قرض کو سر پر لے کر فوت ہو گئے ہیں۔

۱۳..... حافظ صاحب آپ کے مذہب کے موافق کسی لڑکے نے اپنی بہن سے نکاح کیا اور صحبت کی آپ کوڑے لگا کر چھوڑ دیں گے۔ وہ پھر دوسری بہنوں سے پھر ماں سے پھر پھوپھی سے پھر خالہ سے باری باری نکاح کرتا رہے گا اور کوڑے کھاتا رہے گا اس کے برعکس حنفی قاضی اسے پہلی مرتبہ قتل کر دے گا تعزیراً تاکہ نہ رہے بانس نہ بچے بانسری۔ تو بتائیے سزا ہماری سخت ہوئی یا آپ کی۔ معاشرہ ہماری سزا سے، گندگی سے بچے گا یا آپ کی سزا سے دیکھا فقہ پر اعتراض کرنے کے لیے کتنے جھوٹ بولنے پڑتے ہیں، کتنی خیانتیں کرنی پڑتی ہیں، کتنی حدیثوں کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

اعتراض نمبر ۳۴:

حنفیوں کے نزدیک قرآن دیکھ کر نماز میں پڑھنا جائز نہیں اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے مگر نماز میں عورت کی شرم گاہ کو دیکھتے رہنا جائز ہے اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ ساری فقہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔

جواب:

اس اعتراض میں دو مسئلے ذکر کیے گئے ہیں۔ ہم دونوں کو الگ الگ بیان کرتے ہیں تاکہ مسئلہ آسانی سے سمجھ آ جائے۔

پہلا مسئلہ:

نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا ہمارے ہاں نماز میں قرآن یعنی قرآن پڑھنا تو فرض ہے اگر مقدار فرض قرأت بھی نہ پڑھی تو نماز باطل ہے ہاں قرآن ہاتھ میں لے کر پڑھنے میں اس کا اٹھانا۔ اس کے اوراق کو الٹ پلٹ کرنا۔ مستقل اسی پر نظر جمائے رکھنا ایسے افعال ہیں جو نماز سے تعلق نہیں رکھتے اور نہ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں پھر قرآن سے تعلیم حاصل کرنا یہ بھی تعلیم و تعلم ہوا قرأت تو نہ ہوئی یہ سب باتیں عمل کثیر ہیں اور ایسا عمل کثیر جو افعال نماز سے تعلق رکھتا ہو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ (ہدایہ عالمگیری) تاہم ہمیں کوئی ضد نہیں اگر آپ کسی صحیح صریح غیر معارض حدیث سے ثابت کر دیں کہ قرآن اٹھانے۔ ورق الٹنے۔ اس سے تعلیم حاصل کرنے سے عمل کثیر نہیں بنتا اور نماز فاسد نہیں ہوتی تو ہم تسلیم کر لیں گے کہ ہمارا یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے لیکن حدیث کا نام لے کر لوگوں کو گمراہ کرنے والے آج تک ایک حدیث بھی پیش نہیں کر سکے۔ اور نہ ہی قیامت تک کر سکیں گے ان شاء اللہ العزیز۔

امام ترمذی نے حضرت رافع بن رافع اور ابو داؤد و نسائی نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے حدیث روایت کی ہے ایک شخص کو اتنا قرآن بھی یاد نہ تھا جتنا نماز میں فرض ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم قرآن کی بجائے حمد و ثنا پڑھ لیا کرو۔ ظاہر ہے کہ قرأت نماز میں فرض ہے۔ اس شخص کو اتنا قرآن زبانی یاد نہ تھا اگر دیکھ کر پڑھنے سے نماز جائز ہوتی تو آپ ﷺ اس سے پوچھتے کہ دیکھ کر پڑھ سکتے ہو یا نہیں اور دیکھ کر اتنا پڑھ لینا حفظ سے آسان ہے۔ آپ ﷺ نے اس کو دیکھ کر پڑھنے کی اجازت نہیں دی جس سے معلوم ہوا کہ دیکھ کر پڑھنا جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں ”نہانا امیر المؤمنین عمر ان نؤم الناس فی المصحف“ (کنز العمال ج ۴ ص ۲۳۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں منع فرمایا کہ ہم امام بن کر قرآن پاک دیکھ کر نمازیں پڑھیں تو احناف کا یہ مسئلہ حدیث رسول ﷺ فرمان خلیفہ راشد اور قیاس شرعی کہ یہ عمل کثیر ہے اور عمل کثیر مفسد نماز ہے کے مطابق ہے۔

دوسرا مسئلہ:

نماز میں عورت کو دیکھنا فقہ حنفی میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ نماز پڑھتے ہوئے عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے۔

۱..... احادیث میں ایک اختلاف یہ ہے۔ عورت نماز کی سانسے آئے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۹۷)

۲..... حاکم نے عورت سانسے آئے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

۳..... عورت آگے لیٹی بھی ہو تو نماز نہیں ٹوٹتی۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۶، مسلم ج ۱ ص ۱۹۷)

یہ چاروں حدیثیں صحیح ہیں اور آپس میں متعارض ہیں۔ علمائے احناف ان میں یہ تطبیق بیان کرتے ہیں کہ نماز نہیں ٹوٹتی البتہ نماز کا خشوع باطل ہو جاتا ہے۔ (شروح حدیث)

جب احناف کے نزدیک عورت کپڑے پہن کر بھی سانسے سے گزر جائے تو نماز کا خشوع باطل ہو جاتا ہے تو پھر احناف پر یہ بہتان باندھنا کہ ان کے نزدیک نماز میں عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے کب جائز ہو سکتا ہے بلکہ احناف کے نزدیک تو عورت کپڑے پہنے ہوئے بھی مرد کے دائیں بائیں جماعت میں شریک ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ "اخبرنا ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم قال اذا صلت المرأة الى

جانب الرجل وکان فی صلاة واحدة فسدت صلاته قال به نأخذ و هو قول ابی حنیفہ و کتاب الآثار امام محمد ص ۲۷) بلکہ حنفی فقہ میں تو یہ صراحت ہے "ولو صلى الى وجه انسان يكره" (عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۸) یعنی نماز میں کسی انسان مرد یا عورت کے چہرے کی طرف توجہ رکھنا بھی مکروہ ہے تو شرمگاہ کی طرف دیکھنا کیسے جائز ہے۔

ہاں ایک بات ہے اچانک نظر پڑ جانا جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث میں آتا ہے کہ عمر بن سلمہ جب نماز پڑھتے تھے ان کے چوڑنگے ہوتے تھے۔ عورتوں کی نماز میں نظر امام صاحب

کے چوڑے پر پڑتی تھی۔ انہوں نے نماز کے بعد کہا کہ امام صاحب کے چوڑے تو ہم سے چھپا لو۔ اب یہ حدیث میں کہیں نہیں آتا کہ ان عورتوں کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ نہ ہی محدثین اور شراح حدیث نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے کہ نماز میں شرم گاہ پر نظر پڑنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ تو وہ پیش فرمائیں کہ ہم ہرگز ضد نہیں کریں گے۔ ہم تسلیم کریں گے کہ واقعی یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے لیکن نہ ایسی حدیث ابھی تک پیش کر سکے نہ ہی قیامت تک پیش کر سکیں گے۔ احادیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زوجہ طاہرہ استراحت میں ہوتی تھیں آپ ﷺ جب سجدے میں جاتے تو ان کے پاؤں چھو دیتے وہ پاؤں سمیٹ لیتیں۔ ظاہر ہے کہ جب ہاتھ لگنے سے نماز نہیں ٹوٹتی تو نظر پڑنا تو اس سے بھی تھوڑا عمل ہے یاد رکھیں نماز کا نہ ٹوٹنا اور بات ہے دیکھیے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ مسلمان کی نماز کتے، گدھے، عورت اور دوسرے جانوروں کی وجہ سے نہیں ٹوٹتی۔ (طحاوی) اب کتے کے سامنے سے گزرنے سے نماز نہ ٹوٹنا اور بات ہے اس سے یہ مسئلہ نکالنا کہ نمازی از خود کتے کو آگے باندھ کر نماز پڑھے تو جائز ہے۔ یہ اور بات ہے۔ نمازی کے سامنے سے عورت کا گزر جانا اور اس سے نماز نہ ٹوٹنا اور از خود عورت کو سامنے بٹھانا اور لٹالینا اور نماز میں اس کو دیکھتے رہنا یہ اور بات ہے۔ بہر حال نماز نہ ٹوٹنے سے اس فعل کا اختیار و ارادہ سے جائز سمجھنا بالکل غلط ہے اب دیکھئے قرآن پاک دیکھ کر پڑھنے کی حضور ﷺ نے اجازت نہیں دی مگر نماز پڑھتے ہوئے بیوی کے پاؤں کو چھو دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔

اعتراض نمبر ۳۵:

حقیقوں کے نزدیک نجاست چاٹنا جائز ہے:

جواب:

حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے نجاست کا چاٹنا تو کجا جس پانی وغیرہ میں نجاست تھوڑی سی پڑ

جائے کہ نجاست کا رنگ نہ ہو، نہ مزہ کچھ بھی ظاہر نہ ہو پھر سی اس پانی کا پینا حرام ہے۔ اس میں احناف کا کوئی اختلاف نہیں بلکہ بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ ایسے ناپاک پانی کا استعمال جس کے تینوں وصف یعنی مزہ، اور بو اور رنگ نجاست کی وجہ سے بدل گئے ہوں۔ کسی طرح درست نہیں نہ جانوروں کو پلانا درست ہے نہ مٹی وغیرہ میں ڈال کر گار بنانا جائز ہے۔ (بہشتی گوہر ج ۱۱ ص ۵ بحوالہ درمختار ج ۱ ص ۲۰۷) تو جب نجس پانی جانور کو پلانا ہمارے مذہب میں جائز نہیں تو انسان کو چاٹنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔

چنانچہ بہشتی زیور میں صاف لکھا ہے کہ نجاست چاٹنا منع ہے۔ (بہشتی زیور ج ۲ ص ۵) دراصل اختلاف بعض چیزوں کے پاک ناپاک ہونے میں ہے ان مسائل کی تفصیل یہ لوگ بیان نہیں کرتے اور غلط نتائج نکالتے ہیں۔

۱۔ مثلاً بعض جاہل عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ کپڑا سی رہی تھیں انگلی میں سوئی لگ گئی اور تھوڑا سا خون نکل آیا۔ وہ بجائے اس پر پانی ڈالنے کے اس کو دو تین مرتبہ چاٹ کر تھوک دیتی ہیں۔ اب اس کا مسئلہ بتانا تو فقہ یہ کہتی ہے کہ اس نے جو چاٹا یہ گناہ ہے اور پہلی دفعہ چاٹنے سے منہ بھی ناپاک ہو گیا مگر بار بار تھوکنے سے جب خون کا کوئی نشان باقی نہ رہا تو انگلی اور منہ پاک سمجھے جائیں گے اس مسئلے کے خلاف اگر وہ صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کر دیں تو ہم ان کی علمی قابلیت مان لیں گے یعنی فقہ کہتی ہے کہ چاٹنا منع ہے وہ حدیث سنائے کہ چاٹنا جائز ہے۔ فقہ کہتی ہے کہ خون کا نشان نہ رہے تو جگہ پاک ہے وہ حدیث دکھائیں کہ خون کا نشان مٹ جانے کے بعد بھی جگہ ناپاک ہے لیکن ان کا مسئلہ تو یہ ہے کہ خون پاک ہے انگلی کو لگا انگلی بھی پاک رہی منہ کو لگا منہ بھی پاک رہا۔

ایک اہل سنت والجماعت اور ایک غیر مقلد دونوں گنا چوستے جارہے تھے دونوں کے منہ سے خون نکل آیا۔ حنفی گنا چھوڑ کر تھوکنے لگا، پانی وغیرہ پاس نہ تھا۔ غیر مقلد نے پوچھا کیا بات اس نے کہا بھی خون نکل آیا جس کی وجہ سے منہ ناپاک ہو گیا ہے اس نے کہا ہمارے مذہب میں تو خون پاک ہے تھوکا دونوں نے حنفی ناپاک سمجھ کر تھوکتا رہا غیر مقلد پاک سمجھ کر۔

جب نشان مسٹ گیا تو حنفی نے گنا چوسنا شروع کر دیا کیونکہ چاٹنے اور تھوکنے سے منہ پاک ہو گیا تھا۔ غیر مقلد سے کہا یہ مسئلہ غلط ہے تو حنفی نے کہا اس کے خلاف حدیث سنادو۔

ایک حنفی اور غیر مقلد سفر میں تھے دونوں کے پاک ایک ایک چھوٹی بالٹی پانی کی تھی۔ آگے ایک شرابی ملا جس کے ہونٹوں کو شراب لگی ہوئی تھی۔ یہ شراب حنفی کے نزدیک پیشاب کی طرح نجس تھی اور غیر مقلد کے نزدیک پاک تھی۔ اب اختلاف یہ ہوا کہ وہ اگر منہ کو منہ لگا کر پانی پئے تو باقی پانی نجس ہے اور غیر مقلد کے نزدیک باقی بچا ہوا پانی پاک ہے اب وہ شرابی اگر شراب ہونٹوں سے چاٹ چاٹ کر تھوکنا شروع کر دے تو حنفی مذہب میں یہ چاٹنا گناہ ہے اور غیر مقلد کے ہاں چاٹنا گناہ نہیں کیونکہ وہ پاک چیز چاٹ رہا ہے ہاں اگر چاٹنے سے شراب کا اثر بالکل زائل ہو جائے تو حنفی کے نزدیک اب اس کا منہ پاک ہو گیا ہے اور غیر مقلد کے نزدیک تو پہلے شراب آلودہ بھی پاک ہی تھا۔

ایک بلی نے چوہے کا شکار کیا اور اس کے منہ کو لگا ہوا ہے اب غیر مقلدوں کے مذہب میں چونکہ خون پاک ہے اس لیے اس کا خون آلودہ منہ بھی پاک ہے اس بلی نے غیر مقلد کے منہ میں منہ ڈال دیا تو اس کے نزدیک وہ پانی پاک ہے مگر حنفی فقہ کی رو سے وہ پانی ناپاک ہے اب وہ بلی بیٹھی اپنا منہ چاٹ چاٹ کر صاف کرتی رہی جب خون کا اثر بالکل ختم ہو گیا تو اب اس کا جھوٹا نجس نہیں مگر وہ ہو گیا کیونکہ اس نے چاٹ کر اپنا منہ صاف کر لیا ہے۔

بہر حال حنفی فقہ میں نجاست کا چاٹنا ہرگز جائز نہیں ہاں بعض چیزیں ہمارے مذہب میں نجس ہیں جسے شراب، خون، قے لیکن غیر مقلدوں کے ہاں پاک ہیں اس لیے ہمارے فقہاء نے یہ فرق بتایا ہے کہ جب منہ آلودہ ہو تو نجس ہے اور اگر پانی نہیں ملا اور قے والے نے دو تین مرتبہ ہونٹ چاٹ کر تھوک دیا یا شراب والے نے دو تین مرتبہ چاٹ کر تھوک دیا جس کے دانتوں سے خون نکلا تھا اس نے چاٹ کر تھوک دیا تو چاٹنا تو منع تھا اس کا گناہ الگ رہا البتہ خون، قے، یا شراب کا اثر ختم ہونے سے منہ کی پاکی کا حکم ہو گا اس کے برعکس غیر مقلدوں کے ہاں جب خون، قے، شراب منہ کو لگی ہوئی تھی۔ اس وقت بھی منہ پاک تھا۔

جب چائنا تو بھی پاک چیزوں کو چائنا۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کو غلط انداز میں بیان کر کے کہا جاتا ہے کہ ان کے ہاں نجاست چائنا جائز ہے جو بالکل جھوٹ ہے۔
اعتراض نمبر ۳۶:

درمختار میں ہے لَا حَرَمَ لِلْمَدِينَةِ عِنْدَنَا حالانکہ بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے مدینہ کو حرم بنایا۔

جواب:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ احناف مدینہ شریف کے حرم ہونے کی مطلقاً نفی نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک حرم مدینہ شریف کا وہ حکم نہیں ہے جو حرم مکہ شریف کا حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا ہے اِنِّیْ حَرَمْتُ الْمَدِیْنَةَ حَرَامًا۔ اس حرمت سے مراد تعظیم و تکریم ہے کہ میں مدینہ شریف کو عظمت و شرافت بخشی ہے۔ مدینہ شریف حرمت کے اس معنی کے لحاظ سے حرم ہے مگر جو حرم مکہ شریف کے احکام ہیں کہ وہاں شکار کی ممانعت ہے اور درخت کاٹنے منع ہیں اور جو ایسا کرے اس پر جزا لازم آتی ہے ایسے احکام کے لحاظ سے مدینہ شریف حرم نہیں ہے۔ احناف کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ وَأَمَرَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ بَايَنِي نَجَارًا مِّنْ بَنِي قُضَیْمٍ فَقَالُوا لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهُ إِلَّا إِلَى اللَّهِ فَأَمَرَ بِقُبُورِ الْمُشْرِكِينَ فَنُسِئَتْ ثُمَّ بِالْخَرَبِ فَسُويتْ وَبِالنَّخْلِ فَقُطِعَ فَصَفُّوا النَّخْلَ قِبْلَةَ الْمَسْجِدِ۔

(بخاری ج ۱ ص ۲۵۱، نور محمد اصح المطابع)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ شریف تشریف لائے اور مسجد بنانے کا حکم فرمایا۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا: اے بنی نجار! میرے ساتھ بیچ کرؤ۔ پس انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس کا عوض اللہ تعالیٰ سے لیں گے۔ پھر سید عالم ﷺ نے مشرکین کی قبور کے بارے میں حکم فرمایا پس انہیں اکھاڑ دیا گیا۔ پھر آپ نے خراب زمین کو ہموار

نے حکم فرمایا پس اسے ہموار کر دیا گیا اور آپ نے کھجور کے درختوں کے بارے میں حکم فرمایا۔ پس انہیں کاٹا گیا اور مسجد کی جانب قبلہ میں جمع کر دیا گیا۔

اس حدیث شریف سے مدینہ شریف کی کھجوروں کا کاٹا جانا ثابت ہے۔ اگر مدینہ شریف مکہ شریف جیسا حرم ہوتا تو اس کی کھجوریں نہ کاٹی جاتیں۔

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ایک چھوٹے بھائی تھے جنہیں ابوعمیر کہا جاتا تھا۔ ان کے پاس ایک ببل تھا۔

لَکَانَ إِذَا جَاءَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَرَأَاهُ قَالَ يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النَّعْبِرُ۔

(بخاری ج ۲ ص ۹۱۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)

جب وہ ابوعمیر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے آپ انہیں دیکھتے تو فرماتے اے ابوعمیر! ببل کا کیا حال ہے۔

مدینہ شریف مکہ شریف جیسا حرم ہوتا تو اس کا پرندہ پکڑ کر بند رکھنے کی اجازت ابوعمیر کو دیا جاتی۔

۳۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے تین طرق کے ساتھ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے مدینہ شریف میں شکار کرنے والی حدیث روایت کی ہے۔ جیسا کہ (عمدة القاری، شرح بخاری ج ۲ ص ۲۳۰) میں ہے۔

اگر مدینہ شریف کا مکہ شریف جیسا حرم ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور حضرت سلمہ کو منع کرتے کیونکہ حضرت سلمہ شکار کے احوال سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر ذکر کرتے تھے۔

مسلم شریف میں حضرت عامر بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریف کے بارے میں ارشاد فرمایا:

لَتُحْبَطُ فِيهَا شَجَرَةٌ إِلَّا لِعَلْفٍ (مشکوٰۃ ۲۳۹، قدیمی کتب خانہ کراچی)

مدینہ شریف میں کوئی درخت نہ کاٹا جائے مگر چارے کے لیے۔

مدینہ شریف حرم مکہ شریف جیسا ہوتا تو کسی حال میں بھی اس کا درخت کاٹا جائز نہ

ہوتا۔ خواہ چارے کے لیے ہو خواہ اس سے علاوہ ہو۔

لہذا ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ شریف کی جو حرمت بیان کی ہے، وہ تعظیم و تکریم کے لحاظ سے ہے نہ کہ حرم کے باقی احکام کے لحاظ سے۔ چنانچہ احناف جو کہتے ہیں کہ "لَا حَرَمَ لِّلْمَدِينَةِ عِنْدَنَا" یہ حدیث شریف کے منافی نہیں ہے۔ اس لیے کہ حدیث شریف میں جس لحاظ سے مدینہ شریف کو حرم قرار دیا گیا ہے۔ "لَا حَرَمَ لِّلْمَدِينَةِ عِنْدَنَا" میں اس لحاظ سے مدینہ شریف کے حرم ہونے کی نفی نہیں کی گئی۔ بلکہ تعظیم و تکریم کے لحاظ سے احناف بھی مدینہ شریف کو حرم مانتے ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ اور حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ تو رپشتی کا کہنا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت کم لوگ مدینہ شریف میں شکار کو حرام سمجھتے ہیں اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم بطور مدینہ شریف کے شکار پر انکار نہیں کرتے تھے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۳۱۲، کتب خانہ مجیدیہ، ملتان)

اعتراض نمبر ۳:

ہدایہ میں ہے کہ نکاح شغار جائز ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

۱۔ لَا شِغَارَ فِي الْإِسْلَامِ۔

۲۔ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنِ الشِّغَارِ۔

جواب:

جواب سے پہلے تمہید اشغار کا لغوی اور اصطلاحی معنی سمجھنا چاہیے۔ لغوی طور پر شغار مبادلہ اور خالی ہونے کو کہا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے "بَلَدَةٌ شَاغِرَةٌ" یعنی خالی شہر۔

(دستور العلماء ج ۲ ص ۲۱۹)

اصطلاحی طور پر شغار ایک نکاح کا نام ہے جو کہ عہد جاہلیت میں پایا جاتا تھا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک آدمی دوسرے سے کہے کہ تم اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح میرے ساتھ کرو میں اپنی

یا بہن کا نکاح تمہارے ساتھ کروں گا۔ اس شرط پر کہ ان میں سے ہر ایک کا مہر دوسرے کے بضع ہے۔ (صحاح ج ۲ ص ۷۰۰) چونکہ ایسے نکاح کو مہر سے خالی کر دیا جاتا ہے اس لیے اس نکاح کو نکاح شغار کہتے ہیں۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کی حدیث شریف میں نفی کی گئی ہے اور جس سے منع کیا گیا ہے، احناف اسے ثابت نہیں کرتے اور جسے احناف ثابت کرتے ہیں اس کی حدیث شریف میں نفی نہیں ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ”نکاح فاسد“ شرط سے باطل نہیں ہوتا اور ”مہر“ نکاح کی شرط ہے۔ اس کے فساد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا۔ جیسے دیکھیے اگر کوئی نکاح کرتا ہے اور حق مہر میں وہ مال رکھتا ہے جو مسلمان کے لیے مال مقوم نہیں ہے مثلاً خون تو اس صورت میں نکاح کی شرط فاسد ہے مگر نکاح بالاتفاق صحیح ہے۔ یہ تو تھا کہ مہر مال غیر مقوم کو بنایا گیا ہے بلکہ نکاح تو تب بھی فاسد نہیں ہوتا جب سرے سے مہر معین ہی نہ کیا جائے اور ان صورتوں میں مہر مثلی لازم آتا ہے۔ ایسے ہی نکاح شغار میں ایک ایسی چیز کو مہر بنایا گیا جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ جیسا کہ خون صلاحیت نہیں رکھتا تو نکاح ہو جائے گا اور مہر مثلی نام آئے گا۔

کل توجہ بات یہ ہے کہ حدیث شریف میں جس کی نفی ہے وہ شغار ہے اور یہ بات شغار کے مفہوم میں داخل ہے کہ درحقیقی مہر سے خالی ہوتا ہے اور بضع کو ہی حق مہر بنایا جاتا ہے۔ صرف اس صورت مسئلہ کے سرے سے قائل ہی نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک نہ یہ ہے کہ حق سے غلو ہوا اور نہ ہی یہ کہ بضع کو مہر بنایا جائے۔ بلکہ ہم تو اس صورت میں مہر مثلی واجب کر رہے ہیں کہ کو مہر سے خالی رہنے دیتے ہیں۔ اور نہ ہی بضع کو مہر بناتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں جس کی نفی ہے ہم نے اس کا اثبات نہیں کیا بلکہ ہم نے بھی اس کی نفی کی ہے کہ مہر نہیں بننے دیا۔

حدیث شریف میں اس ہیئت کی نفی ہے جو جاہلیت میں تھی کہ جانہین سے بضع ہی کو

مہر سمجھا جاتا تھا اور کسی مالی کو حق مہر نہ بنایا جاتا۔ ہم نے جب مہر مثلی واجب کیا تو اس سے نکاح مہر سے خالی نہیں رہا اور مہر بھی وہ چیز بنی جو مال مقوم ہے اور اس میں مہر بننے کی صلاحیت ہے۔

مزید برآں یہ بات واضح رہے کہ:

”کسی حدیث میں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ نکاح شغار بالکل باطل ہے اور غیر صحیح ہے کہ اس پر کوئی حکم شرعی مرتب نہیں ہوتا اور مہر لازم نہیں آتا۔“

بلکہ حدیث شریف سے نکاح شغار کا ممنوع ہونا ثابت ہے اور یہ نکاح کرنے والے کا گناہ گار ہونا ثابت ہے اس کے احناف بھی قائل ہیں۔

اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جو فعل بھی شرعاً ممنوع ہو، وہ بالکل باطل ہو اور اس پر کوئی حکم مرتب نہ ہو۔ دیکھئے جمعہ کی اذان کے وقت خرید و فروخت کی ممانعت ہے لیکن اگر کسی نے اس ممنوع فعل کا ارتکاب کیا وہ گناہ گار تو ہوگا مگر یہ معاملہ کلیہ باطل نہیں ہوگا۔ عقد بیع منعقد ہو جائے گا بیع پر مشتری کا ملک ثابت ہو جائے گا۔ اس عقد پر بیع و شرا کے احکام مرتب ہوں گے۔

ایسے ہی نکاح شغار میں فعل اگرچہ ممنوع ہے کرنے والے گناہ گار بھی ہوں گے مگر جہاں تک نفس عقد کا تعلق ہے وہ ثابت ہو جائے گا۔ باطل نہیں ہوگا۔ اس پر شرعی احکام مرتب ہوں گے۔ نکاح صحیح ثابت ہوگا اور مہر مثلی واجب ہو جائے گا۔

اعترض نمبر ۳۸:

چار فرائض کی آخری دو رکعتوں کے بارے میں ہدایہ میں لکھا ہے:

إِنْ شَاءَ سَكَّتَ وَإِنْ شَاءَ قَرَأَ وَإِنْ شَاءَ سَبَّحَ۔

”اگر چاہے تو نمازی ان میں خاموش ہو جائے اگر چاہے تو قرات کرے اور اگر چاہے تو

تسبیح کرے۔“

حالانکہ حدیث شریف میں رسول اکرم ﷺ کے بارے میں ہے:

”كَانَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ فِي الْاُولَيِّينِ بِآمِ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ وَفِي الْاٰخِرَتَيْنِ بِآمِ الْكِتَابِ۔“ (بخاری و مسلم)

”آپ ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ساتھ کوئی دوسری سورہ پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔“

نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور ساتھ کوئی سورت اور آخری دونوں رکعتوں میں فاتحہ پڑھتا ہوں۔ (عبدالرزاق)

جواب:

چار رکعت فرضوں کی آخری دو رکعتوں میں اگرچہ سید عالم ﷺ سے سورہ فاتحہ ثابت ہے مگر اس کی حیثیت وہ نہیں ہے جو کہ پہلی دو رکعتوں میں ہے چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”يَقْرَأُ فِي الْاُولَيِّينِ رُسْبَحٌ فِي الْاٰخِرَتَيْنِ“

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۲، مطبع عزیزیہ حیدرآباد ہند)

”پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی جائے اور آخری دو رکعتوں میں تسبیح کی جائے۔“

ایسے ہی حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں سے مروی ہے:

”قَالَ اِقْرَأْ فِي الْاُولَيِّينِ وَتَسْبَحْ فِي الْاٰخِرَتَيْنِ“

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۲)

”ان دونوں حضرات نے فرمایا پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرو اور آخری دو رکعتوں میں تسبیح پڑھو۔“

مصنف ابن ابی شیبہ میں تو پورا ایک باب ”بَابُ مَنْ كَانَ يَقُولُ يُسَبِّحُ فِي الْاٰخِرَتَيْنِ وَلَا يَقْرَأُ“ اس بارے میں ہے جس میں ایسے آثار کو جمع الا سناد جمع کیا گیا ہے۔ چنانچہ اگر

کسی کو اعتراض ہے تو یہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما پر اعتراض ہو گا۔
فقہ حنفی پر نہیں۔ اور ان حضرات پر اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ سید عالم رضی اللہ عنہ کے
کے افعال کو قریب سے دیکھنے والے اور محفوظ کرنے والے اور ان پر عمل پیرا ہونے والے
تھے۔

باقی جہاں تک مذہب حنفی ہے، اس میں احادیث اور تمام آثار کا لحاظ رکھتے ہوئے آخری دو
رکعتوں میں فاتحہ پڑھنے کو سنت قرار دیا گیا ہے اور اس کے سنت ہونے کو صحیح قرار دیا اور یہی
ظاہر الروایۃ ہے۔ جس طرح کہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۴۷ میں ہے۔
اور فقہ حنفی کا یہ اصول ہے جب ظاہر الروایۃ اور غیر ظاہر الروایۃ میں تعارض آ جائے تو ترجیح
ظاہر الروایۃ کے مسئلہ کو ہوتی ہے۔ لہذا فقہ حنفی میں بھی ترجیح آخری دو رکعت میں فاتحہ کے
سنت ہونے کو ہے اور ہدایہ کی عبارت جو کہ غیر ظاہر الروایۃ ہے اس کی وجہ حضرت علی اور
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے اقوال ہیں۔

اعتراض نمبر ۳۹:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اتَّبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ
كَصِيَامِ الدَّهْرِ۔ (مسلم)

”رسول اکرم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے رمضان شریف کے روزے رکھے ان
کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے اس کا یہ عمل صیام دہر کی طرح ہے۔“
اور فتاویٰ عالمگیری میں یہ ہے کہ شوال کے چھ روزے امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ ہیں
خواہ متفرق رکھے یا مسلسل رکھے۔

جواب:

مذہب حنفی میں شوال کے چھ روزے مکروہ نہیں ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری ہی میں کراہت
والے قول کے بعد لکھا ہے:

”وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ كَذَا فِي مُجِيبِ السُّرُوحِ حَسْبِي“

(فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۰۱، نورانی کتب خانہ پشاور)

”اصح یہ ہے کہ ان روزوں میں کوئی حرج نہیں ہے۔“

کراہت کی وجہ یہ ہے کہ انہیں لوگ انہیں کثرت مداومت کی وجہ سے رمضان کے روزوں کے ساتھ لازم نہ سمجھ لیں۔ کیونکہ عوام جو یہ روزے رکھتے ہیں بعض عید الفطر کو کہنا شروع کر دیتے ہیں ہماری آج عید نہیں ہماری عید ابھی مزید چھ روزوں کے بعد ہے۔ اگر اس اعتقاد کا خطرہ نہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک بھی ان میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ان میں حدیث وارد ہوتی ہے جیسا کہ حضرت ملا علی قاری ہیبتی نے وضاحت کی ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۲۹۳)

امام مالک رحمہ اللہ کا بھی ان روزوں کے بارے میں یہی موقف ہے۔

(نووی، شرح مسلم ج ۱ ص ۳۶۹)

اعتراض نمبر ۴۰:

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةً فَأَهْرَيْتُهُ عَنْهُ دَمًا وَأَمْسَكَ عَنْهُ الْأَذَى (بخاری)

”رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے پس اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے الٹش دور کرو۔“

نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الْغُلَامُ مَوْلَانِ عَقِيقَتِهِ يُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُحْلَقُ رَأْسُهُ (ترمذی)

”کہ بچہ اپنے عقیقے کے ساتھ رہن گیا ہے۔ ساتویں دن اس کی طرف سے ذبح کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے اور اس کے سر کا حلق کیا جائے۔“

اور احناف کی عقیقے کے بارے میں رائے یہ ہے:

۱۔ امام محمد نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے:

”لَا يُعَقُّ عَنِ الْغُلَامِ وَلَا عَنِ الْجَارِيَةِ“ (جامع صغیر ص ۵۳۴)

”بچے کی طرف سے عقیقہ کیا جائے اور نہ بچی کی طرف سے۔“

۲۔ علامہ کاسانی کہتے ہیں:

”امام محمد نے جامع صغیر میں ذکر کیا ہے لڑکے کا عقیقہ کیا جانے نہ لڑکی کا۔“

اس عبارت میں عقیقہ کے مکروہ ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ عقیقہ کرنے میں فضیلت

تھی اور جب فضیلت منسوخ ہو گئی تو اس کا مکروہ ہونا باقی رہ گیا۔ (بدائع)

۳۔ فتاویٰ عالمگیری میں بھی اپنے مذہب کے مختلف اقوال نقل کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے

کہ یہ سنت نہیں۔

جواب:

۱۔ جامع صغیر میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے عقیقہ نہ کرنے کے بارے میں جو

روایت کیا گیا ہے اس سے مراد عہد جاہلیت کا عقیقہ ہے کہ اس طرح عقیقہ نہ کیا جائے۔ یک

گونہ عقیقہ واقعی طور پر عہد جاہلیت میں بھی تھا۔

چنانچہ سنن ابی داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے عہد جاہلیت کے عقیقے اور اسلامی عقیقے

کے درمیان فرق مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

”كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا وَلَدَ لِحَدِنَا غُلَامٌ ذَبَحَ شَاةً وَلَطَخَ رَأْسَهُ بِدَمِهَا فَلَمَّا

جَاءَ اللَّهُ بِالْإِسْلَامِ كُنَّا نَذْبَحُ شَاةً وَنَخْلِقُ رَأْسَهُ وَنَلَطُخُهُ بِزَعْفَرَانٍ“

(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۳۷)

”زمانہ جاہلیت میں جب ہم میں سے کسی کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا تو وہ بکری ذبح کرنا اور

بچے کے سر پر بکری کا خون بھی لگا دیتا۔ پس جب ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسلام عطا فرمایا تو ہم

بکری ذبح کرتے اور بچے کے سر کا حلق کرتے اور اس کے سر پر زعفران لگا دیتے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جو لایعن فرمایا ہے اس سے مراد زمانہ جاہلیت کا عقیقہ ہے۔ آپ نے اسلامی عقیقے سے منع نہیں کیا۔ بیہتی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لَا أُحِبُّ الْعُقُوقَ“ (۳۰۰/۹) ”میں عقوق کو پسند نہیں کرتا“

بیہتی کہتے ہیں گویا کہ آپ نے یہ نام مکروہ سمجھا۔ امام صاحب کے نزدیک بھی کراہت سے یہی مراد ہے۔

۲۔ علامہ کا سانی عقیقے کے ہرگز منکر نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک عقیقہ جائز ہے اور مباح ہے۔ ہاں اس کو سنت موکدہ اعتقاد کرنا ان کے نزدیک مکروہ ہے۔ کیونکہ ان کے سامنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے جس کا انہوں نے ذکر بھی کیا:

”مَنْ شَاءَ فَلْيُعَقِّ عَنِ الْعِلَامِ شَاتَيْنِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةً“

”جو چاہے لڑکے کی طرف سے دو بکریوں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کے ذبح سے عقیقہ کرے۔“

اور سنن ابی داؤد شریف میں ہے:

”فَأَحَبُّ أَنْ يَنْسُكَ عَنْهُ“ (۳۶/۲، ایسے سنن بیہتی ۳۰۰/۹) میں ہے۔

علامہ کا سانی فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیقے کو والد کی مشیت پر معلق کیا ہے اور یہ تعلیق اباحت کی علامت ہے۔ (بدائع الصنائع ۵/۶۹، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

علامہ کا سانی جو خود عقیقے کو مباح ثابت کر رہے ہیں تو اسے مکروہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ ہاں اس کے سنت موکدہ یا واجب ہونے کا اعتقاد ان کے نزدیک مکروہ ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جس عقیقے کو مکروہ کہا وہ بھی جاہلیت کا عقیقہ ہے۔

۳۔ مذکورہ بالا احادیث جن میں والد کی مشیت پر عقیقہ معلق کیا گیا ہے کی وجہ ہی سے فتاویٰ عالمگیری میں عقیقے کو مباح اور جائز قرار دیا گیا ہے۔ سنت موکدہ یا واجب قرار نہیں دیا گیا۔

عقیقے سے متعلق احادیث میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں بتدریج تبدیلی ہوئی اور نسخ

روئے ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیق کی روایت میں اگرچہ بچے کے سر پر خون لگانے کو عہد جاہلیت کا عمل قرار دیا گیا لیکن اسلام کے آتے ہی اسے ختم نہیں کیا گیا تھا بلکہ حدیث شریف میں ہے۔

”يَذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُحْلِقُ رَأْسَهُ وَيُدْمِي“

(سنن ابی داؤد ۲/۳۶، مطبع مجتہائی پاکستان)

”ساتویں دن بچے کی طرف سے ذبح کیا جائے اس کے سر کا حلق کیا جائے اور اس کے سر

کا خون آلود کیا جائے“

پھر حکم ہوا:

”أَهْرِ يَتُوءَا عَنْهُ دَمًا“ (سنن ابی داؤد ۲/۳۶، مطبع مجتہائی پاکستان)

”بچے کی طرف سے جانور ذبح کرتے ہوئے خون بہاؤ“

یہاں اس کا سر خون آلود کرنے کو ختم کر دیا گیا ہے لیکن صیغہ امر سے تاکید سمجھ آ رہی تھی۔

پھر حکم ہوا:

”مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَاحَبَّ أَنْ يَتُسَّكَ عَنْهُ فَلْيَتُسَّكَ“

(سنن بیہقی ۹/۳۰۰، دار صادر، بیروت)

”جس کے ہاں بچہ پیدا ہو پس وہ بچے کی طرف سے جانور ذبح کرنا چاہے تو اسے ذبح کر

لینا چاہیے۔“

تو اب وجوب والی بات بھی ختم ہو گئی اور غنیفہ کی اباحت باقی رہ گئی۔

اعتراض نمبر ۴۱:

شرح وقایہ میں ہے ”وَصَحَّ النِّكَاحُ بِعَمْرٍ وَبِغَيْرِهِ“ کہ شراب اور شکر میوہ کو طہر رکھ کر نکاح صحیح ہے۔

جواب:

پہلے نمبر پر یہاں یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ فقہائے کرام کا اس جزیئے سے مقصد

ہرگز یہ ترغیب دینا نہیں ہے کہ شراب اور خنزیر کو حق مہر معین کر کے نکاح کیا جائے۔ بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ اگر ایسی صورت پیش آ جائے تو پھر اس بارے میں یہ حکم ہے۔ اب یہ سمجھئے کہ اس نکاح کو صحیح کیوں قرار دیا گیا ہے۔

جب زوج زوجہ نے شراب یا خنزیر کو قبول کرنے کی شرط پر نکاح کیا تو انہوں نے نکاح کے لیے ایک ایسی شرط لگائی جو کہ فاسد ہے اور نکاح فاسد شرط سے فاسد نہیں ہوتا کیونکہ یہ بیع کی طرح نہیں ہے۔ بیع فاسد شرط کی بنا پر فاسد ہو جاتی ہے اور عقد نکاح عقد بیع کی طرح نہیں ہے۔ جبکہ نکاح میں مہر کا ذکر نہ کرنے اور اسے معین نہ کرنے سے فاسد نہیں ہوتا اور عقد بیع اور عقد نکاح میں یہ فرق اس لیے کہ بیع میں شرط فاسد کی وجہ سے سود بن جاتا ہے اور سود نص قرآنی سے حرام ہے جب کہ عقد نکاح میں سود کا کوئی تصور نہیں ہے۔ لہذا رکن نکاح میں شرط فاسد کی کوئی تاثیر نہیں ہوگی اور نکاح صحیح باقی رہے گا۔

در حقیقت فقہاء نے اس صورت میں شراب و خنزیر سے نکاح کو جائز قرار نہیں دیا بلکہ مہر مثلی سے نکاح کو صحیح قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ صورت ایسی ہے کہ گویا کہ جانہین نے کوئی مہر معین کیا ہی نہیں ہے۔ اس لیے کہ تعین مہر کی شرط ہے کہ وہ مسلمان کے لیے مال متقوم ہو اور جب خمر و خنزیر مسلمان کے لیے مال متقوم ہی نہیں تو تعین مہر کی شرط ہی نہیں پائی گئی اور مہر معین نہ ہوا اور جب نکاح کیا جائے اور اس میں مہر معین نہ کیا جائے تو وہاں مہر مثلی لازم آتا ہے۔ (یعنی اس کے والد کے خاندان کی اس کی مثل عورتوں کا جتنا حق مہر ہوتا ہے) لہذا خمر و خنزیر کو حق مہر بنانے کی صورت میں گویا کہ مہر معین ہی نہیں کیا گیا۔ ایسی صورت میں مہر مثلی لازم آتا ہے۔ لہذا خمر و خنزیر والی صورت میں مہر مثلی لازم آئے گا۔ اعتراض تب تھا جب خمر و خنزیر کو حق مہر بناتے ہم انہیں مہر کیا بنائیں ہم اس صورت میں مہر کی تعین بھی نہیں سمجھتے۔ لہذا یہ محض دھوکہ دہی ہے کہ احناف خمر و خنزیر کو حق مہر بنا کر نکاح کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور جب نکاح مہر کا ذکر کرنے اور تعین کرنے کے بغیر بھی ہو جاتا ہے بلکہ مہر کی غی کی شرط پر بھی ہو جاتا ہے کہ زوج زوجہ نکاح کریں اس شرط پر کہ زوج حق مہر نہیں دے گا تو نہ کورہ صورت میں بطریق اولیٰ ہو جانا چاہیے۔

اعتراف نمبر ۴۲:

قرآن مجید میں ہے:

”السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا“ ”چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹو۔“

اور قدوری میں ہے:

”لَا قَطْعَ عَلَى نَبَاشٍ“ ”کنن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا“

جواب:

جو بھی کسی کا مال ناجائز طریقے سے لے لے، ضروری نہیں کہ اس کو سارق کہا جائے۔ جس نے امانت میں خیانت کی، اس نے بھی غیر کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کیا ہے مگر اسے سارق کہا جاتا ہے اور نہ ہی اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ جو سود سے دوسرے کا مال حاصل کرے اس نے غیر کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کیا ہے مگر اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”لَيْسَ عَلَى خَائِنٍ وَلَا مُتَّهِبٍ وَلَا مُجْتَلِسٍ قَطْعٌ“

(مشکوٰۃ ص ۱۳، قدیمی کتب خانہ کراچی، ترمذی، نسائی)

”خیانت کرنے والے پر، لٹیراپن سے مال لینے والے پر اور جھپٹا مار کے مال لینے والے پر قطع نہیں ہے۔“

نیز رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

”لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ مُّغْلَقٍ وَلَا فِي حَرِيسَةٍ جَبْلٍ“ (مشکوٰۃ ص ۳۱۳)

”لٹکتے پھل کی چوری پر اور پہاڑ کی محفوظ چیز کی چوری پر ہاتھ کاٹنا نہیں ہے“

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ مطلقاً کسی کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کرنے والا سارق نہیں ہے کہ اس پر حد سرقہ لگا کر اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اگرچہ ان صورتوں میں گناہ گار ہوگا اور اس کے لیے کوئی دوسری سزا معین کی جاسکتی ہے۔

لہذا احادیث و آثار کی روشنی میں ہمیں سرقہ کی ایسی تعریف کرنا پڑے گی جو جامع مانع ہو اور اس لحاظ سے جو سارق ہو اس پر حد شرعی لگائی جائے۔ تو سرقہ یہ ہے کہ کوئی عاقل بالغ آدمی دس درہم یا ان کی قیمت کو پہنچنے والی چیز کو ایسے محفوظ مقام سے چوری کرے جس میں شبہ نہ ہو۔

اب دیکھیے کفن چور کفن کی چوری کرتا ہے لیکن وہاں ملک میں شبہ ہے اس لیے کہ وہ نہ میت کا ملک حقیقی ہے اور نہ ورثاء کا اور شبہ کی بنا پر حدود اٹھ جاتی ہیں۔ نیز اہل مدینہ نباش (کفن چور) کو سارق نہیں کہتے تھے۔ بلکہ ان کی لغت میں کفن چور کو مخفی کہا جاتا تھا اور مخفی کے بارے میں سید عالم رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

”لَا قَطْعَ عَلَى الْمُخْتَفِي“ (نصب الراية ۳/ ۳۶۷، دار نشر الکتب الاسلامیہ)
 ”کہ کفن چور پر قطع نہیں ہے۔“

لہذا مذہب حنفی قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے۔ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا:

”لَيْسَ عَلَى النَّبَّاشِ قَطْعٌ“ (فتح القدیر ۵/ ۱۳۷، مکتبہ حقانیہ پاکستان)
 ”کفن چور پر قطع نہیں ہے۔“

اور کفن چور کا ہاتھ کاٹنے کے بارے میں جو حدیث بیان کی جاتی ہے وہ حدیث منکر ہے۔ بیہقی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اس کی سند میں بشر بن حازم ہے جو کہ مجہول ہے۔

مجموعہ رسائل
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ

سبیل الرشاد

مکتوب گرامی در تقلید شخصی

اولیٰ العری فی تحقیق
الجموعۃ فی الفتویٰ

ہدایۃ المحدثی فی قرآنہ المقتدی

رد الطغیان
فی اوقاف القرآن

القطوف الدائبہ
فی تحقیق الجماعت الثانیہ

الحق الصریح
فی اثبات التراويح

الرأی النجیح
فی عد رکعات تراویح

۸ گوبند گڑھ
گوجرانوالہ

ایک اسم فتویٰ

مکتبہ فاروقیہ
ملنے کاپتہ

در مختار پرا اعتراضات

کا

محققانہ جواب

فقہ حنفی کی معروف کتاب

”درمختار پر اعتراضات“

کا محققانہ جواب

مکرمی جناب رانا عبدالرؤف صاحب ایڈووکیٹ!
 اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آپ کے پیش کردہ سوالات کے بارے میں غرض ہے کہ بعض اوقات اپنی فہم کے ناقص ہونے کی وجہ سے اعتراض پیدا ہوا ہے۔ اس میں کتاب یا صاحب کتاب کا قصور نہیں ہوتا جب تک کسی فن میں مہارت نہ ہو۔ اس وقت تک اس فن کی غلطی نکالنا اپنی کوتاہی پر شہادت دینا ہے، پھر جو کسی فن سے دشمنی رکھنے والا ہو اس کی نکالی ہوئی غلطی ذہنی بغض کی عکاس ہوتی ہے۔ عربی میں ایک شاعر کہتا ہے۔

عين الرضا عن كل عيب كليله

ولكن عين السخط تبتدئ المساويا

”یعنی رضا مندی کی نظر ہر عیب کے ادراک سے کمزور ہوتی ہے لیکن ناراضگی کی نظر تمام برائیوں کو ظاہر کر دیتی ہے۔“

لیکن یہاں معاملہ اس سے بھی بڑھ کر ہے کہ فقہ دشمنی کی وجہ سے نظر خوبیوں کو بھی عیب بنا رہی ہے۔ سوای دیانند نے قرآن پاک پر ۱۵۹/ اعتراضات کیے تھے۔ مولاوی ثناء اللہ صاحب امرتسری فرماتے ہیں: ”اس بات کا اظہار کچھ ضروری نہیں کہ سوای جی کے سوالات عموماً غلط نہیں پر مٹی ہیں اس لیے کہ حق کو قبول کرنے سے ہمیشہ غلط نہیں ہی مانع ہوا کرتی ہے۔“ (حق پر کاش ص ۲) نیز فرماتے ہیں: ”ہم نے اس جواب میں کسی سماجی مصنف کو مخاطب نہیں کیا۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جس قدر اسلام سے دوری ہوئی ہے وہ صرف سوای

عند کی غلط فہمی سے ہوئی۔“ (حق پرکاش صفحہ ۲) تو جس طرح قرآن دشمنی اور غلط فہمی نے
 قرآن پر اعتراضات کی راہ کھول دی ہے اگر فقہ دشمن فقہ پر اعتراضات کر دے تو کوئی
 یہ بات نہیں۔

اعتراض نمبر ۱:

عند و طی بھیمة یعنی جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے سے نہ تو غسل لازم آتا ہے اور نہ
 ٹوٹتا ہے جب تک انزال نہ ہو۔ (تحفہ حنفیہ ج ۱ ص ۴۲۵) اس مسئلہ کے ثبوت کے لیے
 ارشد صاحب نے در مختار ج ۱ صفحہ ۱۶۶، بحر الرائق ج ۱ صفحہ ۵۹، مظاہر حق ج ۱ صفحہ ۱۵۰
 کی کبیر صفحہ ۴۲ کا حوالہ دے کر اس کا حنفیہ کے ہاں متفق علیہ اور مفتی بہ ہونا ظاہر کیا ہے۔
 حنفیہ ص ۴۲۶) اور پھر اس کو حیا سوز کہا ہے۔ (تحفہ حنفیہ ص ۴۲۵) نیز لکھا ہے کہ کیا
 ہے کہ چار پائے سے بد فعلی کی کس مہذب انداز میں رخصت دی جا رہی ہے۔

(تحفہ حنفیہ ص ۴۲۶)

:

ارشد صاحب نے یہ اور اس کے بعد والے مسئلے ذکر کر کے صرف فقہ حنفی سے اظہار
 میں کیا بلکہ مولانا محمد اسماعیل صاحب محمدی حفظہ اللہ کے اس دعویٰ کو سچا کر دیا ہے کہ نام
 حدیث مدینہ میں لکھی جانے والی کتاب بلکہ باشارہ نبوی لکھی جانے والی تصنیف پر
 کر کے مدینہ بلکہ صاحب مدینہ رضی اللہ عنہ کی عظمت و شرف کے منکر ہوئے ہیں، کیونکہ ان
 کے آخر میں فرماتے ہیں: ”ثابت ہوا کہ یہ مدینہ میں بیٹھ کر کوک شامتری لکھی گئی
 اسلام کی خدمت نہیں کی گئی بلکہ اسلامی تعلیم کو مسخ کرنے کی سعی لا حاصل کی گئی ہے۔“
 حنفیہ ج ۱ ص ۴۲۷) باقی داؤد ارشد نے جو چند مسائل میں اہل مدینہ سے حنفیوں کا
 نقل کیا ہے وہ بے سود ہے کیونکہ کوئی حنفی فقہ مالکیہ کو کوک شامتری یا اسلامی تعلیم کو مسخ
 کا کہتا بلکہ ہمارے ہاں تو ان کو ایک یقینی اور دوسرے اجر کا احتمال ہے تو ہمارا ان سے

اجتہادی اختلاف ہے۔ غیر مقلدین کا عنادی اختلاف ہے کیونکہ وہ اجتہاد کو برا نہیں سمجھتے اور تقلید کو شرک کہتے ہیں۔

وضاحت مسئلہ:

مذکورہ بالا مسئلہ کو غیر مقلدین کا حیا سوز کہنا یہ ایک بے محل بات ہے کیونکہ نہ ہی صاحب درمختار نے اس کے حیا دار ہونے کا دعویٰ کیا ہے نہ کسی اور حنفی نے بلکہ صاحب درمختار نے تو اس کو گناہ کبیرہ قرار دے کر اس کا ارتکاب کرنے والے پر تعزیر کی سزا مقرر کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "بل یعزر و تذبح ثم تحرق و یکرہ الانتفاع بہا حیا و مینا مجتبیٰ و فی النیر الظاہر انہ یطالب ندبا لقولہم تضمن بالقیمۃ" (در مختار ج ۴ ص ۲۶) یعنی جانور سے بدکاری کرنے والے پر تعزیر لگائی جائے گی۔ (نیز یہ بھی فرماتے ہیں) کہ تعزیر کبھی قتل کے ساتھ بھی ہوتی ہے۔ (ج ۴ ص ۶۲) اور اس جانور کے ساتھ زندگی اور موت کی حالت میں نفع حاصل کرنا مکروہ ہے۔ اور شامی نے لکھا ہے کہ اگر غیر کے جانور سے یہ فعل کرے تو مستحب ہے کہ مالک کو اس جانور کی قیمت ادا کرے، پھر اس جانور کو ذبح کر کے جلاوے۔ معلوم ہوا کہ فقہ حنفی تو آدمی اور جانور کیا اس فعل کے ذکر کو بھی برداشت نہیں کرتی۔

نوٹ:

دافتہ صاحب نے بحر الرائق کا بھی اس مسئلہ میں حوالہ دیا ہے، حالانکہ بحر الرائق میں لکھا ہے کہ طبیعت سلیمہ اس فعل سے نفرت کرتی ہے اور اس برائی پر ابھارنے والی انتہائی بد اخلاقی یا مغلوب الشہوت ہونا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ اس فعل کے ارتکاب کرنے والے کو تعزیر اسی دلیل سے لگائی جائے گی۔ جس کو ہم نے (مسئلہ نواطت میں) بیان کر دیا ہے اور جو یہ بات ذکر کی جاتی ہے کہ جانور ذبح کر کے جلا دیا جائے یہ اس فعل کے تذکرہ کو ختم کرنے کے لیے ہے اور یہ واجب نہیں۔ فقہاء نے کہا ہے کہ اگر مالک کو اللحم جانور نہ ہو تو اس کو ذبح کر

جلا دیا جائے اور اگر ماکول النعم ہو تو اس کو ذبح کر دیا جائے۔ اور امام صاحب کے
 ایک اس کا کھانا جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک اس کو بھی جلا دیا جائے۔ یہ حکم اس وقت
 جب جانور بدفعی کرنے والے کا ہو اور اس کے غیر کا ہو تو قاضی خان میں ہے کہ اس
 کے مالک کو اختیار ہے کہ یہ جانور اس برائی کرنے والے کو قیمتا دے دے اور تمین اعمنائق
 میں ہے کہ اس کے مالک سے مطالبہ کیا جائے گا کہ یہ جانور قیمت لے کر اس شخص کو دے
 دے، پھر اس کو ذبح کر دیا جائے۔ فقہاء نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور ایسا قسم سماخ سے ہی
 حق رکھتا ہے اس لیے اس کو سماخ پر معمول کیا جائے گا۔ (بحر الرائق ج ۵ ص ۱۸) اگر جانور
 جب فتنہ کی پوری عبارت نقل کر دیتے ہیں تو نہ ان کو یہ کہنے کی گنجائش رہتی کہ فتنہ میں حیا
 مسائل ہیں اور نہ یہ کہنے کی گنجائش تھی کہ فتنہ میں چوپائے سے بدفعی کی اجازت دی جا
 ہے۔

نقص وضو و غسل:

وضو یا غسل کے ٹوٹنے کا بے حیائی سے تو تعلق نہیں۔ دیکھیے پیشاب، پاخانہ، فیند وغیرہ
 کا وضو بے حیائی کے کام نہیں لیکن ان سے وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر کوئی شخص وضو کر
 کر باپ کی نافرمانی کرے یا بوڑوں کو شرم دیاں نکالے، مجمع میں بیجا بولنا چنا شروع کر
 دے اپنے اساتذہ اور اولیاء اللہ کی توجہ کرے تو یہ سب بے حیائی اور برائی کے کام ہیں
 ان سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ غیر متقلدین میں سے کسی نے ان کو ناقض نہیں لکھا اور نہ
 وسعت سے ان کا ناقض ہونا ثابت کر سکتے ہیں تو اس کا مشہوم یہی ہوگا کہ غیر متقلدین
 کی برائیوں کا دورازہ کھول رکھا ہے یا ان کے مسائل حیا سوز ہیں۔ اسی طرح وجوب
 کا تعلق غسل کو توڑنے والی چیزوں کے ساتھ ہے۔ حیا و عدم حیا کے ساتھ اس کا تعلق
 مثلاً بیوی سے ہم بستری، حیض، نفاس یہ کوئی گناہ اور بے حیائی کی چیزیں نہیں ہیں اور
 نفسا واجب ہو جاتا ہے مگر کسی کو ناجائز قتل کرنا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، شراب پینا، سوا

رینا اور رشوت لینا یقیناً گناہ کبیرہ ہیں، مگر ان سے غسل واجب ہونا، کسی کا قول نہیں تو کوئی آدمی یہ شور مچائے کہ دیکھو ان گناہوں کا یہ دروازہ کھولنا ہے، یہ غلط بات ہے۔

مسلك غير مقلدین:

غیر مقلدین کا یہ عام نعرہ ہوتا ہے کہ اہل حدیث کے در اصول اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول۔

ابو یحییٰ خان نوشہروی بھی فرماتے ہیں۔

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن

پس حدیث مصطفیٰؐ پر جاں مسلم داشتن

”یعنی اصل دین کلام اللہ کو معظم رکھنا، پھر حدیث مصطفیٰؐ کو جان پر مسلم رکھنا ہے۔“

(نقوش ابوالوفاء ص ۳۴)

نیز مولوی صادق صاحب سیالکوٹی فرماتے ہیں: ”مسئلہ اور فتویٰ صرف وہی قابل عمل ہے

جو قرآن و حدیث کے ساتھ مدلل ہو۔“ (صلاح الرسول ص ۳۶) بلکہ خود داؤد ارشد صاحب

فرماتے ہیں: ”یہ بات یاد رکھیے کہ ہمارے نزدیک احکام شرعیہ میں قرآن و حدیث ہی کافی

ہے۔“ (تہذیب حنفیہ ص ۱۶۸) اپنے اس مسئلہ اصول کے مطابق کوئی غیر مقلد قرآن و احکام

حدیث مرفوع سے یہ ثابت کر دے کہ ”و طی بہیم۔ بلا انزال“ سے وضو یا غسل واجب ہو جائے

ہے اور اس کے معارض بھی کوئی حدیث نہ ہو تو ہم مان جائیں گے کہ یہ مسئلہ حدیث کے

خلاف ہے مگر ایسی کوئی روایت غیر مقلدین پیش نہیں کر سکتے جس میں جانور کی صراحت ہو۔

ایک غیر مقلد کہتے لگا کہ بخاری اور مسلم کے حوالہ سے محمد جونا گڑھی نے لکھا ہے کہ حدیث

میں وان لم یزل آیا ہے۔ میں نے کہا کہ بخاری کی طرف اس روایت کی نسبت ملتا ہے۔

مسلم میں یہ روایت موجود ہے مگر اس میں اور بخاری میں غسل واجب ہونے کی روایت

بھی ہیں اور امام بخاری کا مسلک بھی عدم وجوب غسل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ”والغسل

احسوط“ یعنی غسل احتیاطی چیز ہے نہ کہ وجوبی۔ (بخاری ص ۴۳) علامہ وحید الزماں فرماتے ہیں یہاں ایک اور مذہب ہے جس کی طرف صحابہ کرام کا ایک گروہ گیا ہے اور اس کو ہمارے بعض اصحاب نے پسند کیا ہے جیسے امام بخاری وہ یہ ہے کہ غسل صرف دخول سے واجب نہیں ہوتا جب کہ انزال نہ ہو۔ ”انما الماء من الماء“ کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے۔ (نزل الا برارج ۲ ص ۲۳)

نوٹ:

وان لم يسئل والی روایت عورت سے ہم بستر فی کے متعلق ہے جانور کا وہاں کوئی ذکر نہیں، جانور کو عورت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اور قیاس تو بہر حال غیر مقلدین کے اس کا رابلیس ہے اس لیے اس قیاس سے شیطان کا تمغہ ملنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ وحید الزماں غیر مقلد لکھتا ہے۔ اور اسی طرح (غسل واجب نہیں ہوتا) جب کہ جانور کی فرج میں آدمی یا جانور کی دبر میں ادخال کرے۔ (نزل الا برارج ۲ ص ۲۳)

انکہ:

داؤد ارشد نے بحر الرائق کی اس عبارت میں تسلیم کر لیا ہے کہ حنفی مسئلہ کی بنیاد حدیث ہے۔ چنانچہ داؤد ارشد نقل کرتے ہیں: ”فقال علماءنا ان الموجب للغسل هو انزال المنی كما افاده الحديث الاول“ یعنی ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ غسل اس وقت فرض ہوتا ہے جب منی خارج ہو (بدوں انزال غسل واجب نہیں ہوتا) جیسا کہ پہلی حدیث کا مفاد ہے۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۵۹، تحفہ حنفیہ ص ۴۲۵) جب یہ مسئلہ حدیث سے ثابت ہے تو مذکورہ بالا سارا اعتراض حدیث پر ہوگا جو منکرین حدیث کا شیوہ ہے نہ کہ اہل حدیث کا۔

تراض نمبر ۲:

مذہب سے اظہار نفرت کے لیے دوسرا مسئلہ داؤد ارشد نے درمختار سے یہ نقل کیا ہے ”وافاد

کرامہ طہارۃ جلد کلب و فیل و هو المعسد“ یعنی صاحب تنویر کے کلام کا منہادیہ ہے کہ ہاتھی اور کتے کی کھال پاک ہے، اس کی شرح میں ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اس وجہ سے کہ کتا نجس العین نہیں، تصحیح کے لحاظ سے یہی اصح ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۰۴) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے داؤد ارشد لکھتے ہیں مطلع صاف ہے کہ اگر جھنگلوی صاحب کتے کی کھال کی جیکٹ بنوائیں یا ٹوپی خواہ ڈول یا جائے نماز یا دسترخوان یا اپنی کتب پر جلدیں بند بنوائیں، سب جائز ہے بلکہ اگر اس کھال کا مصلیٰ بھی بنالیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (تحفہ حنیف ص ۴۲۶)

جواب:

اس حوالہ سے صرف مدینہ کی تصنیف سے اظہارِ بغض کیا ہے اور اس کے خلاف کوئی حدیث ذکر نہیں کی جب کہ شامی نے اسی حاشیہ میں بیہقی کے حوالے سے ہاتھی کے بارے میں یہ حدیث ذکر کی تھی کہ ”انہ مباحون“ کان یمشط بمشط من عاج“ کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھی کے دانت سے بنی ہوئی کنگھی سے بالوں میں کنگھی کرتے تھے اور علامہ جوہری وغیرہ نے عان کی تفسیر ہاتھی کی ہڈی کے ساتھ کی ہے۔ مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے: ”قال سمعت رسول اللہ ﷺ يقول اذا دبغ الاهاب فقد طهر“ (مسلم ص ۱۵۹)

فائدہ:

اس روایت میں مطلق چمڑے کے دباغت سے پاک ہونے کا ذکر ہے۔ امام صاحب نے خزیر کے چمڑے کو فہائذ رجس کی وجہ سے نجس العین ہونے کی بنا پر اور انسان کے چمڑے کو احرام کی وجہ سے مستثنیٰ کیا۔ امام نووی اس مسئلہ کو اجتہادی قرار دے کر سات مذاہب نقل کر کے فرماتے ہیں کہ ان مذاہب والوں سے ہرگز وہ نے احادیث وغیرہ سے استدلال کیا ہے۔ معلوم ہوا امام نووی متوفی ۶۷۶ کے زمانہ تک اس مسئلہ وحدیث کے

مخالف نہیں کہا جاتا تھا بلکہ بنی بر حدیث قرار دیا جاتا تھا۔ آج کل غیر مقلدین نے اس پر اعتراضات شروع کیے ہیں جب کہ پرانے غیر مقلدین نے بھی اس کو نبی اقدس ﷺ کی فقہ قرار دیا تھا۔ علامہ وحید الزماں غیر مقلد فرماتے ہیں جس چمڑے کو بھسار باغست دی جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ ہمارے بعض اصحاب نے خنزیر اور آدمی کے چمڑے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اور صحیح عدم استثناء ہے۔ (نزل الا برار ص ۲۹) نیز فرماتے ہیں کہ مچھلی کا خون پاک ہے، اسی طرح کتا اور اس کا لعاب ہمارے معتقین اصحاب کے نزدیک۔ (نزل الا برار ص ۳۰) نیز فرماتے ہیں کہ اس چمڑے کا جائے نماز اور ڈول بنا لیا جائے گا اور اگر وہ پانی میں گر گیا اور پانی میں تغیر پیدا نہ ہو تو پانی ناپاک نہیں اگرچہ کہتے کا منہ پانی کو پہنچ جائے۔ اسی طرح کپڑا کتے کے چھینٹوں سے ناپاک نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کے کاٹنے سے ناپاک ہوگا اور نہ ہی جوڑ ناپاک ہوگا۔ اگرچہ اس کو اس کا لعاب بھی لگ جائے اور اس کو اٹھا کر نماز پڑھنے والے کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ (نزل الا برار ص ۳۰)

نوٹ:

جب یہ نبی اکرم ﷺ کی فقہ ہے تو مولانا جھنگوی پر کسے ہوئے تمام الفاظ حضور بنی ﷺ تک پہنچیں گے۔

فائدہ:

بعض غیر مقلدین ابو داؤد شریف کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے درندوں کی چمڑی کو پہننے اور ان پر سوار ہونے سے روکا ہے۔

(ابو داؤد ج ۲ ص ۵۷۰)

جواب:

یہ حدیث اپنے ظاہر کے اعتبار سے بالاتفاق متروک ہے کیونکہ صحاح ستہ کے راوی امام زہری تمام مرداروں کی چمڑیوں سے بغیر باغست کے بھی نفع حاصل کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ باغست کے بعد شہر کے علاوہ باقی تمام درندوں کی چمڑیوں کو پاک قرار

دیتے ہیں۔ امام مالک اپنی ظاہر روایت میں بغیر دباغت کے خشک اور تر مقامات میں تمام چھڑیوں کے استعمال کو جائز قرار دیتے ہیں اور امام شافعی کہتے، خنزیر اور انسان سے پیدا ہونے والے جانوروں کے علاوہ تمام درندوں کی چھڑیوں کو دباغت کے بعد پاک قرار دیتے ہیں۔ (رحمة لامة ص ۸) نیز ابو داؤد کی اسی روایت میں ہے کہ راوی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ ساری چھڑیاں آپ کے گھر میں استعمال ہوتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ روایت یا عدم دباغت پر محمول ہے یا متکبرانہ لباس پر محمول ہے۔

اعتراض نمبر ۳:

ثم الاحسن درجة یعنی امامت کی ابتدائی شرائط میں اگر ہر ایری ہو تو اسے امام بنایا جائے جس کی بیوی خوبصورت ہو۔ ثم الاكبر راسا والا صغر عضوا یعنی اگر ان تمام شرائط میں برابر ہوں تو امام وہ بنے جس کا سر بڑا اور عضو چھوٹا ہو۔ پھر عضو کی وضاحت کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ذکر ہے۔ (در المختار مع رد المحتار ج ۱ ص ۵۵۸) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے داؤد دارمشد لکھتے ہیں الغرض بقول مصنف در المختار حنفیہ کا یہ موقف ہے کہ امامت میں مقدم وہ ہوگا جس کی بیوی خوبصورت، سر بڑا اور ذکر چھوٹا ہو، اگر پیمائش کے پیمانہ کی تعدیل بھی بتا دیتے تو مسئلہ پوری طرح واضح ہو جاتا۔ (تحفہ حنفیہ ص ۴۲۶، ۴۲۷)

جواب:

صاحب درمختار نے امامت کا حق دار سب سے پہلے احکام نماز کو زیادہ جاننے والے کو اور اگر احکام سلامہ کے علم میں سب برابر ہوں تو پھر نمبر دو اچھی تلاوت والے کو، پھر نمبر تین شہادت سے زیادہ سچنے والے کو اگر اس میں بھی برابر ہوں تو پھر معمر کو، پھر اچھے اخلاق والے کو، پھر زیادہ تہجد پڑھنے والے کو، پھر خاندانی خوبیوں والے کو، پھر نسبی شرافت رکھنے والے کو، پھر اچھی آواز والے کو، اگر ان تمام خصالتوں میں برابر ہوں تو پھر خوبصورت بیوی کی وجہ سے یہ شخص اجنبی عورتوں سے تعلق نہیں رکھے گا اور زیادہ پاک دامن ہوگا اور علامہ شافعی نے

یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بات ساتھیوں یا رشتہ داروں یا پڑوسیوں کے ذریعے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ ہر آدمی اپنی بیوی کی صفات بیان کرے تاکہ اس کی بیوی کا خوبصورت ہونا معلوم ہو۔ غیر مقلدوں کو اگر اس پر اعتراض ہے تو اپنی خوبصورت بیویوں کو طلاق دے دیں اور یہ بات نزل الابرار میں وحید الزماں نے ثم الاحسن زوجۃ کے الفاظ سے صفحہ ۹۶ میں ذکر کی ہے۔ تو ہم یہ اعتراض عطا نے تو بتائے تو کہہ کر غیر مقلدین کو واپس کرتے ہیں اس کے بعد زیادہ مال دار، پھر زیادہ مرتبہ والے، پھر زیادہ صاف کپڑے والے کو امامت کا زیادہ حق دار قرار دیا ہے۔ اگر ان تمام صفات میں برابر ہوں تو پھر نزل الابرار کے قول کے مطابق بڑے سردار چھوڑے قدموں والا زیادہ حق دار ہے جس کی بنا اس مشہور پنجابی مثل پر ہے۔ ”سروڈے سرداراں دے، پیروڈے گنواراں دے“ یعنی سر کا بڑا ہونا سرداری کی علامت اور پاؤں کا بڑا ہونا گنوار پن کی علامت ہے۔ لیکن درمختار میں قدما کی جگہ الاعتراف کے لفظ ہیں۔ عضو کا معنی جوڑ ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اعضاء متناسب ہوں، اس کے لیے سر کا بڑا ہونا اور دوسرے اعضاء کا چھوٹا ہونا یہ اس کے ترکیب مزاج کے خلل کی دلیل ہے جس کو عدم اعتدال عقل لازم ہے۔ تو خلاصہ یہ نکلا کہ امام متعدل عقل والا ہونا چاہیے۔ غیر مقلدین کو اگر یہ چیز اچھی نہیں لگتی تو ان کو پاگل امام مبارک ہوں۔ داؤد ارشد نے درمختار کی شرح کے جس صفحہ کا حوالہ دے کر یہ لکھا ہے کہ شارح فرماتے ہیں کہ مراد اس سے ذکر ہے یہ علامہ شامی پر جھوٹ ہے۔ علامہ شامی نے حاشیہ ابو سعود سے اس کی تردید نقل کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ حاشیہ ابو سعود میں ہے کہ بعض لوگوں سے اس مقام میں وہ بات نقل کی گئی ہے جو ذکر کے لائق نہیں چہ جائے کہ اس کو کتاب میں لکھا جائے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ گویا ابو سعود اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو بیان کی جاتی ہے کہ عضو سے مراد ذکر ہے۔ (شامی ص ۵۵۸) تو شارح درمختار تو اس بات کی تردید کر رہے ہیں لیکن غیر مقلد نے اس تردید کی ہوئی بات کو شارح شامی کی طرف بحوالہ صغیرہ منسوب کر دیا۔

نوٹ:

انسان کے اندر تین سوساٹھ جوڑ ہیں۔ معلوم نہیں داؤدار شہد تین سوانسٹ۔ بہڑ کو چھوڑ کر اسی ایک عضو سے کیسے چمٹ گئے۔

قائدہ:

اگر اس عضو سے عضو مخصوص ہی مراد لیا جائے تو اصغرہ عضو کا مجازی معنی مراد ہوگا۔
مجازی معنی مراد ہوگا یعنی اجنبی عورتوں کے پیچھے پھرنے والا نہ ہو۔ اپنی شرم گاہ کو اپنے کنٹرول میں رکھنے والا، پھر جیسے لمبا ہاتھ سخاوت سے اور چھوٹا ہاتھ کنجوسی سے کٹایا ہوتا ہے۔
اب بھی اس کے مرادی معنی پاک دامن ہونے کا کیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۴:

لو خاف الزنا یرجی ان لا وبال علیہ یعنی اگر زنا کا اندیشہ ہو تو مشیت زنی کرے تو کوئی وبال نہ ہوگا۔ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اگر زنا سے بچاؤ کا یقین ہو تو مشیت زنی کرنی واجب ہے۔ (تحفہ حنفیہ ص ۴۷)

جواب:

یہاں دو حالتوں کا ذکر ہے۔ ایک حالت اختیاری، اس میں اس فعل کو مکروہ تحریمی لکھا ہے اور ناکح البد ملعون والی حدیث پیش کر کے اس فعل کے مرتکب کو لعنتی لکھا ہے۔ پھر درمختار میں لکھا ہے کہ ہر ایسے گناہ کا مرتکب جس میں حد نہ ہو تو اس میں تعزیر واجب ہے۔ (درمختار ج ۳ ص ۶۶) لہذا فقہ حنفی کے مطابق تو نو جوان تعزیر کے خوف سے اس فعل سے احتراز کریں گے۔ اور حالت اضطراری پر غیر مقلد نے اعتراض کیا ہے اور اس میں بھی شامی کا یہ قول کرنا کہ فالر جال ان لا یعاقب کہ اس حالت میں بھی عذاب سے بچنے کی امید ہے۔ والرت کرتا ہے کہ یہ فعل ہر حالت میں ناپسندیدہ ہے، بلکہ شامی نے تو اپنی بیوی سے استمناء

کرا نے کو بھی والذین هم لفرو وجہم حافظون کے خلاف قرار دیا ہے کیونکہ اس آیت کریمہ میں بیوی اور لونڈی کے علاوہ قضائے شہوت کو حرام قرار دیا ہے۔ صاحب درمختار نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ الاستمناء حرام فیہ تعزیر ولو ممکن امراتہ او امتہ من العیس بذکرہ فانزل مکروہ یعنی مشیت زنی حرام ہے اور اس میں تعزیر ہے اور اگر کسی نے یہ فعل بیوی یا لونڈی سے کرا کے انزال کیا تو وہ بھی مکروہ ہے۔ (درمختار ج ۴ ص ۲۷)

مسلك غیر مقلدین:

غیر مقلد نے اپنی حالت اختیاری مسئلہ پر پردہ ڈالنے کے لیے ہماری حالت اضطراری کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ نواب نور الحسن لکھتے ہیں کہ خلاصہ کلام یہ کہ بھٹلی یا جمادات میں سے کسی چیز کے ساتھ منی نکالنا ضرورت کے وقت مباح ہے، خاص کر جب یہ کام کرنے والا فتنہ یا معصیت میں واقع ہونے کا خوف کرنے والا ہو کہ جس کی اقل حالت نظربازی ہے کہ اس وقت مستحب ہے بلکہ کبھی واجب ہو جاتی ہے جب کہ گناہ کا چھوڑنا بغیر اس حالت کے ممکن نہ ہو اور مشیت زنی کے معنی کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ ثابت اور صحیح نہیں بلکہ بعض اہل علم نے اس مشیت زنی کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اپنی گھروالیوں سے غائب ہونے کے وقت نقل کیا ہے اور اس جیسے کام میں کوئی حرج نہیں بلکہ بدن کے دوسرے موذی فضلات (پیشاب و پاخانہ ازناقل) کے نکالنے کی طرح ہے اور اس کا حرام جگہ میں رکھنا ہے۔ (عرف الجادی ص ۲۰۷) نیز لکھتے ہیں اس کام کا برا ہونا ان وداعیوں سے زیادہ برا نہیں ہے کہ ان کے ساتھ قے وغیرہ کا اثر ہوتا ہے۔ تو مشیت زنی کرنے والے پر تعزیر یا حد کا حکم لگانا مسلمان کے معصوم ہونے کے ساتھ اور اس کی تکلیف کے حرام ہونے کے ساتھ باطل ہے۔ (عرف الجادی ص ۲۰۷، ۲۰۸)

نوٹ:

اس کتاب کا پورا نام (عرف الجادی من جنان ہدی الہادی) ہے یعنی ہادی کامل منی وغیرہ کی

ہدایت کے باغ کے زعفران کی خوشبو۔

تبصرہ:

داؤد ارشد نے ہماری اضطراری حالت پر اعتراض کیا تھا۔ نور الحسن نے عام حالات میں نو جوانوں کو ہتھیلی سے اور غورتوں کو جمادات وغیرہ سے صرف اباحت نہیں بلکہ استحبات اور وجوب تک نہ بت پہنچا دی۔ نظر بازی کوئی حالت اضطراری نہیں، اس میں اس فعل کو واجب قرار دینا بلکہ عمل صحابہ کہہ کر نو جوان بچوں اور بچیوں کو مزید ہٹمیں لانے اور یہ کہنا کہ یہ پیشاب و پاخانے کے موذی فضلات کے نکالنے کی طرح ہے اس میں کوئی حرج نہیں اور قے جیسی دوا کے استعمال سے یہ فعل برا نہیں پھر فقہاء کے تعزیری حکم کو عصمت مسلم کے خلاف اور ایذا مسلم کی حرمت میں داخل کر کے نو جوان لڑکوں اور لڑکیوں کو کس قدر اس فعل کی رغبت دلائی ہے۔

تم خود ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کرو
ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

اعتراض نمبر ۵:

او جامع فی ما دون الفرج ولم ينزل یعنی اگر روزے کی حالت میں شرم گاہ کے علاوہ مجامعت کرے اور انزال نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (در مختار ج ۲ ص ۳۹۸)

جواب:

غیر مقلد نے حسب عادت اس مسئلہ کے خلاف کوئی قرآن کی آیت یا حدیث پیش نہیں کی اور نہ ہی قیامت تک پیش کر سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں اگر اجتہاد سے ایسا فعل کیا تو علامہ شامی نے اس پر تعزیر نفل کی ہے۔ (شامی ج ۴ ص ۶۸) اور در مختار میں ہے ویکون التعزیر بالقتل کہ تعزیر میں آدمی کو قتل کیا جاسکتا ہے۔

مسلک غیر مقلدین:

ولو جامع امراته فی ما دون الفرج ولم ينزل لم يفسد (نزل الا برائۃ)

ص ۲۲۹) غیر مقلدین کی اس مسئلہ میں صرف فراخ دلی نہیں بلکہ نبی اقدس ﷺ کی فتنہ کے عنوان سے اس کو ذکر کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس مسئلہ کا منکر نبی مختار رضی اللہ عنہ کی فتنہ کا منکر ہے۔

اعتراض نمبر ۶:

لو ادخل ذکروہ فی بیمة اور مہینہ یعنی اگر کوئی شخص چوپائے جانور (گائے، بھینس، بکری) کے ساتھ بد فعلی کرے تو روزہ نہیں بگڑتا۔ (درمختار ج ۲ ص ۳۹۹) نیز اس مسئلہ کو (مظاہر حق ج ۲) سے بھی نقل کیا ہے۔

جواب:

علامہ شامی نے اس مسئلہ کے حاشیہ میں لکھا ہے یہ ایسی فرج ہے جو عادتاً زندہ عورت کی طرح قابل شہوت نہیں اس لیے اس کو عام جامعیت پر قیاس کرنا صحیح نہیں اور خاص جزئیہ کے بارے میں کوئی غیر مقلد صحیح صریح روایت پیش نہیں کر سکتا، جس میں اس حالت میں روزہ رکھنے کا ذکر ہو۔

قائد:

درمختار میں من غیر انزال کے الفاظ تھے۔ واؤدارشد نے ان کو حذف کر دیا کیونکہ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ انزال کی حالت میں بہر حال روزہ ٹوٹ جائے گا۔ غیر مقلدین مفسدات صوم صحیح صریح حدیث سے پوری تعداد میں کبھی بھی گنوا نہیں سکتے اگر جرأت ہو تو تمام مفسدات صلاۃ کے لیے صحیح صریح روایت پیش کرے۔

اعتراض نمبر ۷:

یباح اسقاط الولا قبل اربعۃ شہر یعنی چار مہینے سے پہلے حمل کو گرا دینا مباح ہے۔ (درمختار بحوالہ تحفہ حنفیہ ص ۴۲۷)

جواب:

در مختار میں ہے کہ ویکرہ ان تسقی لاسقاط حملہا و جاز لعذر حیث لا یتصور (در مختار ج ۶ ص ۳۲۹) اس میں بچے کی صورت بننے کے بعد ہر حالت میں اسقاط کو ناجائز قرار دیا ہے اور صورت بننے سے پہلے دو حالتوں کا ذکر کیا ہے۔ ① حالت اختیاری ② حالت اضطراری۔ حالت اختیاری میں اسقاط کی دوائی پینے کو نکر وہ قرار دیا ہے اور حالت اضطراری میں ایسی دوائی کو جائز لکھا ہے۔ علامہ شامی نے اس کی وضاحت لکھی ہے کہ عذر کی حالت مثلاً یہ ہے کہ کوئی عورت بچے کو دودھ پلاتی ہو اور حاملہ ہو جائے اور اس کا دودھ منقطع ہو جائے، بچے کا باپ کوئی دودھ پلانے والی کرایہ پر نہ رکھ سکتا ہو اور بچے کی ہلاکت کا خطرہ ہو تو اس صورت میں چار مہینے سے پہلے چونکہ روح نہیں پھونکی جاتی اسقاط کو جائز قرار دیا ہے اور بغیر عذر کے اس کو گناہ لکھا ہے۔ روح پھونکنے کے بعد اسقاط سے قتل کا گناہ ہوگا۔

(شامی ج ۶ ص ۳۲۹)

نوٹ:

غیر مقلد کسی صحیح صریح حدیث سے مذکورہ مسئلہ کی بالتفصیل تردید کر دیں تو ہم مان جائیں گے کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے۔

مسلم غیر مقلدین:

علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں: ویکرہ ان تسقی ید سقاط حملہا و جاز لعذر او خوف هلاك (نزل الا برار ج ۳ ص ۱۲۳) ہمارے ہاں تو چار ماہ کے بعد عذر کی وجہ سے بھی اسقاط کی اجازت نہیں تھی، مگر غیر مقلد نے مطلقاً عذر کی بنا پر جواز اسقاط کی رخصت دی ہے جو جان دار بچے کے اسقاط کو بھی اپنے عموم کی وجہ سے شامل ہے۔ اب غیر مقلد بن فیہہ کریں کہ کنڈوم سسٹم کو کن کی حمایت حاصل ہے۔

الجحیٰ ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں یوں آپ اپنے دام میں سیاد آگیا

اعتراض نمبر ۸:

و مواضع تربصہ عشرون یعنی بیس صورتوں میں مرد کو بھی (عورت کی طرح) عدت گزارنی پڑے گی۔ (در المختار مع الشامی ج ۳ ص ۵۰۳) داؤد ارشد صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پندرہویں صدی کے مقلد و ذرا بتلاؤ تو سہی کہ مرد کو بھی حیض آتا ہے جس سے اس کی عدت کا اندازہ ہو گا یا مرد کو حمل ہو جاتا ہے جو عدت کا کہہ رہے ہو۔ (تحفہ حنفیہ ص ۴۲۸)

جواب:

در مختار میں عدت کے لغوی شرعی اور اصطلاحی تین معنی ذکر کیے ہیں۔ شرعی معنی متر بصر یلزم المرأة اور الرجل عند وجود سبب یعنی شرعاً عورت نکاح کے انتظار کے لیے کچھ مدت ٹھہرنا جو اپنے سبب کے پائے جانے کے وقت عورت یا مرد کو لازم ہو اس انتظار کے لیے نہ حیض کی ضرورت ہے نہ حمل کی، پھر علامہ شامی نے اس کی پوری تشریح کی ہے کہ ایک آدمی اپنی بیوی کے مطلقہ ہونے کے بعد بیوی کی بہن یا پھوپھی یا خال یا بھتیجی یا بھانجی سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کو بیوی کی عدت گزرنے کا انتظار ضروری ہے جیسا کہ بیوی کو دوسری جگہ نکاح کے لیے عدت گزارنی ضروری ہے۔ اب اس انتظار کے لیے آدمی کو نہ حیض آنے کی ضرورت ہے کہ حمل کی عورت کی عدت سے اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔ پھر آگے اصطلاح فقہاء میں عدت کی تعریف کو عورت کے ساتھ خاص قرار دیا ہے اس میں مرد شامل نہیں۔ داؤد ارشد نے یہاں شرعی اور اصطلاحی معنی میں گڑبڑ کر کے یہ اعتراض کیا ہے۔ اسی طرح مطلقہ علامہ کا پہلا خاوند اگر اس سے نکاح دوبارہ کرنا چاہتا ہے تو جب تک دوسرے خاوند کے دخول کے بعد اس کی طلاق یا وفات کی عدت نہ گزارے اس وقت تک نکاح جائز نہیں تو یہ بھی انتظار خاوند اس کی عدت ہے جو غیر مقلدین کے ہاں بھی مسلم ہے تو کیا اس میں غیر مقلدین کو حیض یا حمل شروع ہو جاتا ہے؟

اعتراض نمبر ۹:

اور زنی فی دار الحرب او البغی یعنی حربی کافروں یا باغیوں کی سلطنت میں زنا کرنے سے بھی حد نہیں۔ (در مختار ج ۲ ص ۲۸)

جواب:

مصنف ابن ابی شیبہ میں حکیم بن عمیر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عمیر بن سعد انصاری اور ان کے ماتحت کے عملے کے تحت لکھا کہ وہ کسی مسلمان پر دار الحرب میں حد نہ لگائیں، یہاں تک کہ وہ صلح والی زمین کی طرف آجائیں تا کہ شیطانی رحمت اس کو کافروں کے ساتھ ملنے پر نہ ابھاردے۔ (نصب الراية ج ۲ ص ۹۳)

عطیہ بن قیس کلابی سے روایت ہے کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا جب کوئی آدمی قتل، زنا یا چوری کر کے دشمن کی طرف بھاگ جائے پھر اس کو پکڑ لیا جائے اس کی ذات کو امان دے کر اس کو وہ حد قائم کی جائے گی جس سے وہ بھاگا تھا اور جب قتل کیا دشمن کی زمین میں زنا کیا یا چوری کی پھر اس کو امان دے کر پکڑ لیا گیا، پھر اس نے امان لے لی، اس پر وہ سزا جاری نہیں کی جائے گی جس کا اس دار الحرب میں ارتکاب کیا تھا۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۶۶۶) نیز حضرت ابو درداء، حضرت زید بن ثابت، حضرت حذیفہ سے یہ مسلک ثابت ہے کہ یہ تمام زنا کی اجازت دینے والے تھے نہیں اور برگز نہیں بلکہ ان کے پیش نظر ایسے لوگوں کو کفر سے بچانا تھا۔ واؤ وارشاد نے عبارت بھی پوری پیش نہیں کی کیونکہ در مختار میں یہ علت بھی بیان کی ہے کہ لشکر کے سپہ سالار کو حدود قائم کرنے کی ولایت نہیں اگر حدود قائم کرنے کا اختیار رکھنے والا قاضی ہی سپہ سالار ہو تو وہ حد قائم کر سکتا ہے۔

اعتراض نمبر ۱۰:

ولا حد بالزنا غیر مکلف بمکلفه مطلقا یعنی اگر نابالغ غیر مکلف مرد اگر کسی

مکلف بالغہ عورت سے زنا کرے تو وہ دنوں پر حد نہیں۔ (درمختار ج ۳ ص ۲۹) داؤد ارشد لکھتا ہے زنا کی اجازت کا کتنا عمدہ حلیہ ہے۔ (تحفہ حنفیہ ص ۴۲۸)

جواب:

غیر مقلدین سے بار بار یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ زنا اور حد کی جامع مانع تعریف بیان کریں لیکن فقہاء کی فقہ کو چھوڑ کر صرف قرآن و سنت سے وہ جامع مانع تعریف نہ بیان کر سکیں ہیں نہ کر سکتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً منقول ہے کہ مسلمانوں سے جتنا ہو سکے حدود کو ساقط کرو اگر مسلمان کے لیے کوئی خلاصی کا راستہ پاؤ تو اس کا راستہ چھوڑ دو اس لیے کہ امام کا معافی میں خطا کرنا سزا میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔ (ابن ابی شیبہ و ترمذی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً نقل کیا کہ حدود کو شبہات سے ساقط کر دو۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۵۲۱) صورت مذکورہ میں غیر مکلف بچے کے فعل کو زنا قرار نہیں دیا جائے گا۔ اس عدم زنا کے شبہ کی وجہ سے حد کو ساقط کیا گیا، البتہ مکلفہ پر تعزیر جاری ہوگی کیونکہ اسی درمختار میں کـل مرتکب معصیۃ لاحد فیہا فیہا تعزیر (درمختار ج ۳ ص ۶۸)

نکدہ:

شریعت میں سزا کی دو قسمیں ہیں۔ حدود اور تعزیر، حد اس سزا کو کہتے ہیں جس کی مقدار متعین ہے اور وہ حقوق اللہ میں کوتاہی پر لوگوں کو ڈالنے کے لیے قائم کی جاتی ہے اور یہ صرف پانچ گناہوں پر ہے۔ حد زنا، حد شمر، حد قذف، حد سرقة، حد قطع الطریق، حد ذاکہ۔ ان کے علاوہ جتنے گناہ ہیں ان میں تعزیری سزا ہی قائم کی جاتی ہے۔ حد میں کوئی شخص اپنی طرف سے کمی زیادتی نہیں کر سکتا۔ جہاں سو کوڑے ہوں گے وہاں سو ہی لگانے پڑیں گے، ایک کوڑا کم یا زیادہ نہیں ہوگا۔ تعزیر کی سزا حسب ضرورت کم زیادہ ہو سکتی ہے۔ غیر مقلدین جہاں لاحد علیہ کالفاظ آ جاتا ہے۔ اس سے اس فعل کی جائز ہونے کا معنی لیتے ہیں جو قرآن و سنت اور فقہاء کی تصریحات کے خلاف ہے۔ حدیث پاک میں ہے لا تقطع ید السارق

الابرع دینار فصاندا (مشفق علیہ، مشکوٰۃ، ج ۲ ص ۳۱۳) اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا لا قطع فی ثمر ولا کسر رواہ مالک (ترمذی، نسائی، دارمی، ابن ماجہ) اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا لا تقطع الایدی فی الغزو تو کیا غیر مقلدین ان احادیث کا یہی مفہوم لیں گے کہ ربع وینار سے کم چوری جائز ہے، اسی طرح پھل، مکڑی کی چوری جائز ہے اور میدان جہاد میں بھی چوری جائز ہے یا نعوذ باللہ حدیث نے چوری کا دروازہ کھول دیا غیر مقلدین ہی بتائیں کہ مردار، خنزیر اور پاخانہ کھانے پر کیا حد ہے، اگر اس کی حد مذکور نہیں تو داؤدار شد یہی کہے گا کہ حد کا مذکور نہ ہونا ان چیزوں کے کھانے کا عمدہ حیلہ ہے۔ اگر یہ بات نہیں قطعاً نہیں توفیق سے زنا کی اجازت کس طرح نکالی ہے۔

فائدہ:

مذکورہ بالا تمام مسائل اجتہادی ہیں، اگر واقع میں ان تمام مسائل کو خطا پر بھی محمول کر دیا جائے تو حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق فقہاء کو ایک اجر ضرور ملے گا جیسا کہ بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۹۲ پر ہے اور اگر اجتہاد صحیح ہوا تو مذکورہ حدیث کی وجہ سے دواجر ملیں گے۔ البتہ اعتراض کرنے والے غیر مقلد اجتہاد کا ملکہ نہیں رکھتے، اس لیے وہ فاسد فتنہ اخطاء (ترمذی ج ۲ ص ۱۲۳) کے مطابق گناہ گار ہوں گے۔

١
الكلمة الفصيح

فى رد

الكلمة القبيح

[مؤلف]

احقر العباد خدا بخش

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد و سپاس اس خالق و وجہاں کو زیبا ہے جس نے اپنی قدرت کاملہ سے اس انسان بے
 میان کو ایک قطرہ منی سے پیدا کر کے اشرف المخلوقات کا خلعت پہنایا اور اس کو خزانہ عقل و
 علم شریعت کا چراغ دے کر راستہ ہدایت کا دکھلایا۔ یعنی کلام الہی قرآن شریف بھیج کر اس کو
 خواب غفلت سے جگایا۔ اور وقتاً فوقتاً انبیاء و پیغمبر کو ہدایت خلق اللہ کے واسطے بھیجا۔ اول ان
 سب کے حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخر ان سب کے ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین
 ہیں۔ جنہوں نے دنیا میں آ کر خلق اللہ کو کفر و شرک و بدعت و بت پرستی کے اندھیرے راستے
 میں گمراہ ہونے سے بچایا۔ و رہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا کر کے خیر الامم ٹھہرایا۔
 اور رحمت بے نہایت ان کی آل اطہار و اصحاب کبار پر ہو جن کی سعی و کوشش سے کروڑہا
 بندگان خدا نے ظلمت کفر و شرک سے بچ کر سچا راستہ حیات ابدی و نجات سرمدی کا پایا۔ بعد
 اس کے بندہ درگاہ رب الصمد خاکسار خدا بخش متوطن لاہور کل اہل ایمان و ایتقان کی خدمت
 میں عرض رساں ہے کہ اخبار اہل حدیث مورخہ ۶/ اپریل ۱۹۰۶ء میری نظر سے گذرا مجھ کو
 دیکھ کر اس بات کا نہایت افسوس آیا کہ اس آزادی کے زمانہ میں ہر ایک شخص نام کا مولوی
 بن جاتا ہے اس کو نہ تو کتب فقہ سے کچھ مسم ہوتی ہے اور نہ اس کو قرآن و حدیث کے علم سے
 کما حقہ واقفیت ہوتی ہے اور بزرگان دین خصوصاً حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے برخلاف
 بہتان باندھنے پر کمر باندھ لیتے ہیں۔ اور آخرت کے وعید سے نہیں ڈرتے جن کے حق میں
 صریح احادیث سراج امتی کی وارد ہیں۔ اور جن کی پرہیزگاری اور اتقاء کل عالم میں اظہار من
 الشمس ہے اور صد ہا دینی کتابوں میں بڑے بڑے علماء اجل آپ کی ورع اور تقویٰ کی
 تعریف کرتے ہیں۔ اور اس کی سرخی میں یہ لکھا ہے کہ علماء حنفیہ کرام سے چند سوال (جو
 تعداد میں پچیس سوالات ہیں) جن کے جوابات ہمارے علماء بارہادے چکے ہیں ان میں
 بعض سوالات تو ایسے ہیں کہ مذہب حنفی کا نام لے کر امام صاحب رحمہ اللہ پر ناحق بہتان باندھا

ہے۔ اور بعض ایسے سوالات ہیں جو سبب لائمی علم حدیث کے اور نہ سمجھنے عبارت کے کیے ہیں۔ اصل میں یہ اعتراض ستار محمدی والے اور شہاب ثاقب کے مؤلف کے کیے ہوئے ہیں جن کے جواب ہمارے علماء بارہادے چکے ہیں۔ پھر دوبارہ مسلمانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کے لیے ناحق اعتراض کرتے ہیں چند احباب نے مجھے ان کے جواب کی بابت فرمایا۔ سو بندہ نے پہلے عدیم الفرستی کا عذر کیا لیکن جب وہ بضد ہوئے تو اس عاجز نے واسطے انارہ برادران مسلمین کے دینی کتابوں کے رو سے ان سوالات کے جواب کے لیے قلم اٹھائی تاکہ کوئی بھائی و بایوں اور غیر متقدموں کے دامن ترویج میں نہ آوے۔ و صا توفیقی الا باللہ علیہ تو کلت والیہ انیب۔

البح المذنب خدا بخش ماسکن لاہور لوہاری دروازہ

سوال نمبر ۱:

فقہ غایۃ الاوطار ترجمہ اردو در مختار چھاپہ نولکشور کی جلد چہار کے صفحہ ۱۹۶ میں لکھا ہے کہ اگر جانور نجاست اور غیر نجاست دونوں کھاتا ہو اس طرح اس کا گوشت گندہ نہ ہو تو حلال ہے جیسا کہ وہ حیوان حلال ہے جو پالا گیا ہے دودھ سے سور کے اس واسطے اس کا گوشت متغیر نہیں ہوتا۔ اور جو دودھ اس کا نیست و نابود ہو جاتا ہے اس کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا ہے۔

جواب:

مشامی جلد ۱ کے صفحہ ۲۱ میں لکھا ہے۔ کہ عبداللہ بن مبارک مہینیہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسا حلوان اس وقت حلال ہے کہ جب اس کے بعد چند روز تک مثل گائے غلاظت خور کے چارہ کھاتا رہے اور شرح..... میں قیند سے منقول ہے کہ تب وہ حلال ہے کہ بہت دنوں کے بعد ذبح کیا جاوے۔ ورنہ نہیں اس مسئلے پر عتلا و نقل کوئی اعتراض نہیں آ سکتا۔ ورنہ لازم آوے گا کہ آپ ترکاریاں وغیرہ نہ کھایا کریں کیونکہ اس میں غلاظت و گوہ سے کھاؤ والا جاتا ہے۔ مگر ان کو تو آپ حلوانے بے دود سمجھ کر فروش جان کر لیتے ہیں۔ اور فتنہ

کے مسائل پر اعتراض کرتے ہیں۔ باوجود اس کے تمہارے فقہ الحدیث مطبوعہ صدر اہل
لاہور کے صفحہ ۵ میں صرف گوشت سور کا پلید لکھا ہے۔ اور سور کے باقی اجزاء میں بحکم اصل
کے پاکی کا فتویٰ ہے۔ اور روضۃ الندیہ میں بھی گوشت خنزیر کو پلید لکھ کر بول و بزار و منی سب
حیوانات کو پاک لکھا ہے۔ جسے سور کے بول و بزار و چربی و دودھ و منی وغیرہ کا سوائے
گوشت کے پاک ہونا بخوبی ثابت ہے۔ اور نیز ان کے نزدیک نجاست صرف پاخانہ اور
بول آدمی کا ہے اور لڑکے شیر خوار کا بول پاک ہے اور لہو جاری سب جانوروں کا پاک ہے۔
حیض و نفاس کا خون پلید ہے۔ اور نیز منی آدمی اور کل حیوانات یعنی سور، کتے، بندر، ریچھ،
اومڑ، بھیڑیے کی پاک ہے اور شراب اور گوشت مردار کا بھی پاک ہے صرف گوشت سور کا
پلید ہے۔ نواب صاحب بہادر نے بول ولید اور شراب اور لڑکے شیر خوار کے پیشاب کے
لگ جانے سے بلکہ سارے کپڑے اور بدن کے ترموونے سے نماز درست ہے۔ پس ہم
مسلمانوں کی ایسے عملیات والوں کے پیچھے نماز درست نہیں۔ اور منی ہر جانور سے پرہیز نہیں
کہ اس کو پاک جانتے ہیں۔ اور مردار کتے وغیرہ کے گوشت کو کپڑے میں باندھ کر اور اس کو
بغل میں دبا کر نماز پڑھ لینی روا ہے۔ ان سب باتوں کا ثبوت روضۃ الندیہ صفحہ ۸، ۹، ۱۰، ۱۱ میں
موجود ہے۔ جس کو شک ہو وہ ان کی کتابوں سے دیکھ لیوے۔ اور نیز ستارہ محمدی کے صفحہ ۱۲
میں بابت ہنیز شام کے جن کا غنا مایہ خنزیر سے مشہور ہے۔ اور ان موحدوں کے رسالہ اظہار الحق
کے صفحہ ۱۸ میں اس کا کھانا حضرت نذیری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے حنفی تو ہزار زبان سے اس کی
پلیدی اور حرمت کے قائل ہیں صرف موحدوں کے فقہ الحدیث نے ان چیزوں کو پاک اور
حلال کر دیا ہے۔ عوام کے سامنے یہ لوگ اس امر سے منکر ہوتے ہیں۔ ان کا یہ انکار فریب
اور حق پوشی سے خالی نہیں۔ کیونکہ ان کی فقہ الحدیث سے نشان دیتا ہوں عرف الجاہلی کے
صفحہ ۱۰ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر جو نصاریٰ کے شہروں سے آیا کرتا تھا کھایا تھا۔
اور یہ ایک بات کیا فقہ الحدیث نے کئی حراموں کو حلال کر دیا ہے اور ان کے پاک ہونے
سے مولوی نذیر حسین کے شاگرد عبدالغفور محمدی کے استفتاء جو شوال ۱۲۹۸ھ ہجری میں مطبوع

حقّی دہلی میں چھپا ہے۔ اس میں بروئے سند درریہ کے لکھا ہے کہ ایک پیالے یا گھڑے پانی میں گوہ موت آدمی کے پڑ جانے سے جب تک کہ اس کا رنگ و بونہ بدلے تو پاک ہے اور منی اور رطوبت فرج عورت کو شکر میں ملا کر کھانا یا یوں ہی چاٹا روا ہے اور خنزیر کی چربی بھی کھانی درست ہے۔ کیونکہ یہ سب چیزیں پاک ہیں اور پاک چیزوں کے کھانے کی قرآن شریف سے اجازت ہے۔ کَلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ اور خنزیر کی کھال سے بول بنا کر پانی نکالنا اور اس کی جائ نماز بنانی اور قرآن مجید کی جلد باندھنی اور پھوپھی سے نکاح کرنا سب کچھ درست ہے اور نیز نواب صاحب بہادر روضہ ندیہ کے صفحہ ۴۱۲ میں سب طہیات کو حلال کہتے ہیں اگرچہ اسے حلال ہونا دودھ و چربی سور کا پایا گیا مگر اسے بڑھ کر اور بھی ثبوت ہے کہ فقہ الحدیث کے صفحہ ۳۲ میں لکھا ہے۔ اصل ہر چیز میں حلت ہے۔ اور نہیں حرام مگر وہ چیز جس کو قرآن کیا خدا در رسول ﷺ نے اور جس چیز سے سکوت کیا خدا اور رسول ﷺ نے وہ معاف ہے پس حرام ہے وہ چیز جو قرآن شریف میں ہے یعنی مردار جانور اور خون بہتا ہوا اور گوشت سور کا اور جو وقت ذبح کے جس پر نام غیر امتد کالیں بعد اس کے باقی حرام جانوروں کا نام لکھ کر آخر میں لکھا ہے اور جو اس کے سوا ہے وہ حلال ہے۔

اب غور کرو کہ جن جانوروں کے نام لے کر حرام لکھا ہے ان کی ساری جزویں حرام ہیں۔ اور سور کا صرف گوشت حرام لکھا ہے اس واسطے کہ قرآن و حدیث میں سور کا گوشت ہی حرام ہے۔ اور سور کا نام لے کر سارے جانور کو حرام نہیں کہا۔ بلکہ قرآن اور حدیث سور کے باقی اجزاء سے خاموش ہیں۔ پس جوئے سارے اجزاء سور کی چربی اور دودھ وغیرہ ان کے نزدیک بہ موجب اصل بالا کے حلال ہیں اور سوائے قرآن اور حدیث کے فقہ الحدیث میں اور کوئی دلیل شرعی نہیں۔ جس سے کسی چیز کی حرمت ثابت ہو۔ خود معترض کے متارہ ثمدی کے صفحہ ۱۲ میں لکھا ہے کہ موجدین کا عمل تو قرآن اور حدیث پر ہے اتنی۔ اور متقدمین کے نزدیک ہر جز سور کے پلید اور حرام ہے بدلیل اجماع امت کے جیسا کہ مولانا شاہ جہاں آبادی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں تمام امت اجماعاً دانہ ہیں کہ این جانور نجس العین ست نجس جزوار

وامتنفاع نباید گرفت اور فقہ کی متعبر کتابوں میں لکھا ہے کہ خنزیر نجس العین ہے یعنی اس کی ساری جڑیں پلید اور حرام ہیں۔ زندہ ہو خواہ مردہ کذا فی رد المحتار وغیرہ اور اس اجماع است کو فقہ الحدیث والوں نے اڑا دیا ہے اور صرف ادلہ شرعیہ قرآن اور حدیث کو مانتے ہیں۔ جیسا کہ عرف الجاہلی کے صفحہ ۳ میں لکھا ہے پس ان کے اصول کے مطابق سورہ کی چربی اور دودھ حلال ہیں کما ہو الظاہر والباہر۔ اگر کہیں تقیہ کے طور پر لکھ دیں کہ چربی اور دودھ سور کا حرام ہے تو جب تک اس کو آیت اور حدیث سے ثابت نہ کریں تب تک کسی مائل کے نزدیک مقبول نہ ہوگا۔ کیونکہ خلاف ان کے اصول کے ہے۔ پس جب ان کے نزدیک دودھ سور کا پاک اور حلال ہو چکا تو معترض کس منہ سے حنفیوں پر طعن کرتا ہے۔ اور اس طعن کا جواب ان کی فقہ الحدیث میں ہے جو صفحہ ۳۲ میں من جملہ محرمات کے لکھا ہے۔

سوال نمبر ۲:

جو عورتیں ہمیشہ کے لیے حرام ہیں (ماں، بہن، بیٹی، خالہ، پھوپھی وغیرہ) ان سے نکاح کر کے اور حلال جان کر صحبت کر لے تو حد نہیں۔ (ابو حنیفہ رحمہ اللہ)

(در مختار ج ۲ ص ۴۱۳، عالمگیری ج ۲ ص ۶۷۰، ہدایہ ج ۲ ص ۴۵۷، شرح وقایہ ص ۲۳۱، کنز ص ۱۹۱، قدوری ص ۲۲۶)

جواب:

فقہ میں مثل منہجرات وقتستانی و در مختار و رد المحتار وغیرہ میں لکھا ہے کہ امام اعظم کے شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ماں بہن سے نکاح کر کے بجماع کرنے پر حد ماری لازم ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور فقہ کے متنوں میں جو شریحوں اور فتاویٰ سے معتبر ہیں یہ ہی لکھا ہے۔ یہ ترجمہ ہے ان کتابوں کی عبارتوں کا پس ثابت ہوا کہ حنفی مذہب میں اس شخص پر حد کا حکم ہے کیونکہ امام اعظم کے شاگردوں کے بھی جو قول ہیں تو وہ ان کے استاد ہی سے روایت ہیں اپنی طرف سے نہیں ہیں۔ جیسا کہ مذکور ہوا خصوصاً جب اس پر فتویٰ ہو

گیا۔ تو حنفی مذہب وہی پھر اکلہی رد المحتار اور اگر یہ بھی کہا جاوے کہ اس پر حد نہیں آتی تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی سزا کی کوئی حد نہیں لگانی چاہیے۔ یعنی اس کو بہت سخت سزا دینی چاہیے جس کی کوئی حد نہ ہو اور کسی کتاب سے ثابت نہیں ہوتا کہ امام اعظم بیہوش کے نزدیک وہ سزا سے بری کیا جائے یا اس کو سزا ہی نہ دی جائے مخالف کو چاہیے کہ کسی فقہ کی کتاب سے عدم حکم سزا کا ثابت کرے ورنہ تو بہ کرے کیونکہ خدا کے مقبولوں پر تہمت باندھنی منتقم حقیقی کے غضب میں پڑنا ہے پس امام اعظم بیہوش کے نزدیک تو محرمات ابدیہ میں سے کسی سے نکاح کر کے جماع کرنا حرام قطعی اور گناہ کبیرہ ہے مگر ان زبانہ حدیث پر چلنے والوں کے نزدیک پھوپھی سے جو محرمات ابدیہ میں سے ہے بموجب استثناء مولوی عبدالغفور محمدی شاگرد مولوی نذیر حسین دہلوی کے درست ہے جیسا کہ اسی استثناء میں لکھا ہے کہ پھوپھی سے نکاح کرنا درست ہے مولوی قربان علی رئیس الحمد ثین کی کتاب تحفۃ المؤمنین مطبوعہ نولکشور ۱۲۸۹ھ صفحہ ۱۵ کو دیکھو یہ مسئلہ ان حدیث پر چلنے والوں کا ہے اور حنفی کیا چاروں مذہب والے اہل سنت جو یقیناً آیت اور حدیث پر چلنے والے ہیں اس مسئلہ کو مردود جانتے ہیں۔ جس صاحب کو شک ہو وہ استفتاء اور فقہ الحدیث ترجمہ درر بہہ اور روضہ ندیہ شرح عربی درر بیہوش کو دیکھ لیں کہ ان میں خدا تعالیٰ کے حراموں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو پاک کر کے انادیا ہے اور اپنے عملیات کو حنیفوں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۳:

کتاب فقہ بدایہ چھاپہ مستطانی کی جلد دوم کے صفحہ ۱۵ میں اور شرح وقایہ چھاپہ نولکشور کے صفحہ ۲۳ میں اور کنز الدقائق کلاں چھاپہ دہلی کے صفحہ ۱۲۵ میں اور فتاویٰ عالمگیریہ چھاپہ دہلی کی جلد سوم کے صفحہ ۷۰ میں اور در المختار چھاپہ نولکشور کے صفحہ ۲۰ میں اور فتاویٰ قاضی خان نولکشور کی جلد سوم کے صفحہ ۱۱۰ میں لکھا ہے کہ جھوٹے گواہ گزار کر بیگانی عورت کے لینے اور اس سے صحبت کرنے پر امام اعظم کے نزدیک گناہ نہیں۔

جواب:

یہ سراسر بہتان اور دروغ گوئی بیفروغ ہے کسی کتاب فقہ حنفی میں نہیں لکھا ہے کہ جھوٹے گواہ گزار کر پرانی عورت لینے منکوحۃ الغیر یا معدۃ الغیر کے لئے لینے اور صحبت کرنے سے گناہ نہیں معترض کو کتابوں کا نام لکھتے شرم نہ آئی کہ جب کوئی دین دار ان کتابوں کو دیکھے گا تو سائل کو شرمندہ کرے گا بلکہ سب کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ سخت گناہ اور ناروا ہے۔ کذا فی ردالمحتار و ردالمحتار وغیرہ بلکہ مسئلہ تو یوں ہے جیسا کہ اردو شرح وقایہ کی جلد سوم کے صفحہ ۹۶ میں لکھا ہے کہ ایک عورت فارغ حق غیر پر کسی نے جھوٹے گواہ گزار کر نکاح کا دعویٰ کیا اور قاضی کو گواہوں کے جھوٹے ہونے کا علم نہیں ہے اس نے سچے گواہ جان کر نکاح ثابت کر دیا تو اب وہ عورت مدعی کی جو رد ہوگئی کیونکہ امیر المؤمنین علیؑ نے ایسا ہی فیصلہ کیا تھا جیسا کہ امام محمد نے مبسوط میں لکھا ہے تو عورت بولی کہ آپ میرا نکاح تو کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے نکاح کرنے کی کچھ حاجت نہیں دو گواہوں نے تیرا نکاح کر دیا ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ وبهذا نأخذ۔ یعنی اس حدیث پر ہمارا اخذ ہے۔ کذا فی الدرالمختار و ردالمحتار وغیرہ اور یہ حدیث شرح بخاری مثل فیصل الباری وغیرہ میں موجود ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت امام اعظمؒ حدیث کو مانتے ہیں اور ان کے معترض حدیث کو مردود جانتے ہیں اور نا حق بہتان آپ کی ذات عالی پر باندھتے ہیں۔ خدا کو جواب دیں گے کچھ تو خدا اور رسولؐ کی شہادت کا خوف دل میں کرنا چاہیے۔ آخر ایمان بھی ساتھ لے جانا ہے یا نہیں۔ خدا کے مقبولوں پر بہتان باندھنا مسلمانوں کا کام نہیں۔

سوال نمبر ۴:

فتہ کی کتاب چھپی حاشیہ شرح وقایہ چھاپہ نولکشور کے صفحہ ۲۹ میں محیط سے نقل کر کے لکھا ہے کہ خرقہ عورت زانیہ کی امام اعظمؒ کے نزدیک حلال طیب ہے۔

جواب:

یہ بھی بہتان ہے کہ بلکہ سب دینی کتابوں میں لکھا ہے کہ بالاتفاق زانیہ کا مہر حرام ہے

معتبر ضی کو اگر عربی فارسی کتابوں کے دیکھنے کی دسترس نہیں تو ترجمہ مشارق الانوار مترجم مولوی خرم علی موحد ہی دیکھ لیوے کہ کہتے ہیں کہ خرچی زانیہ کی چاروں اماموں کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے۔ اور حلی میں جو محیط سے حلال ہونا لکھا ہے تو وہ خرچی مقررہ زانیہ کی بابت نہیں ہے وہ تو یوں ہے کہ زانی نے زانیہ سے کچھ مقرر نہیں کیا۔ اور بلا شرط دے دیا ہے تو گویا یہ مہر الہنی نہ ٹھہرا کیوں کہ مہر تو مقرر کا نام ہے اس لیے اس کو مباح لکھا ہے اس پر بھی بہت سے معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ بھی حلال نہیں کہ معروف مثل مشروط کے ہے۔ جیسا کہ صاحب در مختار منتقی میں اور سید احمد طحاوی حاشیہ در مختار میں اور علامہ سید ابن عابدین رد المحتار میں لکھتے ہیں۔ پس ضعیف غیر مشقی بہ کو امام صاحب کی طرف منسوب کر کے اس پر طعن کرنا منتقم حقیقی کے غضب میں پڑنا ہے۔

سوال نمبر ۵:

نقد کی کتاب غایۃ الاوطار ترجمہ اردو در مختار چھاپہ ٹولکشر کے جلد دوم کے صفحہ ۳۱۶ میں لکھا ہے کہ حد نہیں مرد غیر مکلف کے زنا کرنے سے ساتھ عورت مکلفہ کے نہ مرد پر نہ عورت پر اور حد نہیں اس عورت کے ساتھ زنا کرنے سے جس کو زنا کرنے کے واسطے مزدوری دی گئی۔

جواب:

غیر مکلف بالاتفاق مرفوع الکلم ہے اس پر حد کیوں کر جاری ہو عرف الجادی کے صفحہ ۸۳ میں مجتہد العصر کے خلف الرشید لکھتے ہیں وزوال عقل رافع قلم تکلیف ہست جب عاقل کی عقل کے زائل ہونے نے قلم تکلیف کو اٹھا دیا تو جس کو اب تک عقل آئی ہی نہیں تو وہ کیونکر قلم تکلیف کے نیچے آ کر حد مارا جاوے۔ اور عورت اس لیے حد سے محفوظ ہے کہ زنا نام مرد کی وطنی کا ہے غیر ملک میں۔ اور نابالغ مرد نہیں کہ اس کا زنا متصور ہو۔ پس عورت سے بھی وہ زنا نہیں ہوا جسے وہ حد ماری جاتی جب اصل پر حد نہ ہوئی تو تابع پر کیونکر ہو کذا فی رد المحتار والنہر وغیرہما۔ اور شبہوں سے حد کا دفع کر دینا عمل بالحدیث ہے۔ اگر ہماری بات کا اعتبار نہیں تو دیکھو تمہارے مجتہد العصر کے فرزند نے مقبول کے صفحہ ۸۳ میں لکھتے ہیں۔ و ساقط میثود

حد بشبہات محتملة۔ اور عرف الجادی کے صفحہ ۲۱۵ میں بھی اس امر کو کئی حدیثوں سے ثابت کیا ہے اور یہ دونوں کتابیں وہابیوں کی فقہ الحدیث ہیں۔ باقی رہا مسئلہ عورت کا جس کو زنا پر مزدوری دی گئی ہے جواب اس کا یہ ہے کہ اسی درمختار میں لکھا ہے والصحف وجوب الحد۔ حق یہ ہے کہ حد واجب ہے۔ رد المحتار اور فتح القدیر اور نہر الفائق میں بھی یوں ہی لکھا ہے پس اصل کتابوں کے دیکھنے سے یہ امر بخوبی ثابت ہو سکتا ہے صرف بہتان باندھنے سے کام نہیں چل سکتا۔ خدا کے غضب سے ڈرنا چاہیے۔

سوال نمبر ۶:

کتب فقہ رد المحتار شرح در المختار چھاپہ دہلی کی جلد سوم کے صفحہ ۱۵۶ میں لکھا ہے کہ جس کو خوف زنا کا ہو اس کو مشیت زنی کرنی یعنی جلق کرنا واجب ہے۔

جواب:

کتب معتبرہ حنفیہ میں مشیت زنی کو حرام اور مکروہ تحریمہ لکھا ہے جب شہوت رانی کے واسطے ہو۔ بدلیل حدیث ناکح الید ملعون یعنی جو سنت موکدہ نکاح کو چھوڑ کر ہاتھ سے ہی شہوت رانی کرے تو ملعون ہے۔ پس اگر کسی کو غلبہ شہوت کا ہو اور جو رو اور کنیز نہیں رکھتا ہے پس ایسی حالت میں دفع شہوت اور زنا سے بچنے کی نیت سے کرے تو اس میں کچھ خوف نہیں۔ کذا فی الدر المختار و رد المحتار۔ مسئلہ تو اس طرح پر تھا مگر ان بہتانیوں کو شرم نہیں آتی کہ جب ان کی کتابوں میں بھی یہی مسئلہ موجود ہے تو صرف حنفیوں پر اعتراض کرنا عین عناد ہے بزرگان دین سے دیکھو نواب صاحب کے فرزند کی عرف الجادی صفحہ ۲۱۳ میں لکھا ہے کہ مشیت زنی اور چھید گنی اور دیواروں اور پتھروں کے سوراخوں میں دخول کر کے حاجت کے وقت منی کے انزال کو روا لکھتے ہیں اور نگاہ اور نظر بازی سے بچنے کے وقت ان دونوں کاموں کو مستحب بلکہ واجب لکھا ہے۔ پس یہ اعتراض پہلے وہ اپنی فقہ الحدیث پر کر لیں بعد اس کے حنفیوں پر اعتراض کریں۔

سوال نمبر ۷:

فقہ کی کتاب فتاویٰ قاضی خاں کی جلد اول کے صفحہ ۱۰۰ میں لکھا ہے کہ تسکین کی نیت سے مشیت زنی کر لینے میں کوئی گناہ نہیں۔

جواب:

اس کا جواب بھی سوال نمبر ۶ کے جواب کے مطابق ہے۔

سوال نمبر ۸:

اسی کتاب فتاویٰ قاضی خاں کی جلد اول صفحہ ۱۱۰ میں لکھا ہے کہ جب کہ سوئی ہوئی عورت اور مجنونہ عورت سے صحبت کرے خاوند اس کا تو ان دونوں پر روزے کی قضا ہے نہ کفارہ اور زفر امام اعظم کے شاگرد نے کہا ہے کہ نہیں ٹوٹا روزہ ان دونوں کا۔

جواب:

مسئلہ یوں ہے کہ روزہ دار عورت سوئی پڑی یا دیوانی سے اس کے خاوند روزہ دار نے جب جماع کیا تو ان دونوں عورتوں پر قضا ہے نہ کفارہ کیونکہ جان بوجھ کر روزہ توڑنے سے کفارہ ہے اور ان عورتوں نے جان بوجھ کر روزہ نہیں توڑا۔ فقہ حنفی سے قطع نظر تمہاری فقہ الحدیث کے صفحہ ۷۱ میں دیکھو یوں لکھا ہے کہ جو کوئی روزہ جان بوجھ کر توڑ ڈالے تو اس پر کفارہ ہے پس حنفیوں کا مسئلہ عین تمہاری فقہ الحدیث کے ہے۔ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی عین مطابق تمہاری فقہ الحدیث کے ہے کیونکہ اسی صفحہ میں لکھا ہے کہ جاتا رہتا ہے روزہ کھانے پینے صحبت کرنے سے جان بوجھ کر پس بتاؤ کہ ان دونوں عورتوں نے کب جان بوجھ کر جماع کیا کہ ان کا روزہ ٹوٹے۔ پس امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اعتراض کرنا اپنی فقہ الحدیث پر اعتراض کرنا ہے۔ باقی رہا مرد۔ پس اس پر عدا جماع کرنے سے کفارہ بھی لازم ہوا۔ کذا فی رد المحتار والاشباہ وغیرہ مگر وہابیوں کے مجتہد العصر روضہ ندیہ کے صفحہ ۱۰۰ میں

ایک ایسی روایت نقل کرتے ہیں جسے عمداً کھانے پینے سے کفارہ لازم نہیں آتا۔ وہ عبارت یہ ہے وقد قيل ان الكفارة لا يجب على من افطر عامداً باي سبب بل بالجماع فقط ولكن الرجل انما جامع امرته فليس في الجماع في نهار رمضان الا ما في الاكل والشرب لكون الجميع حلالا لم بحرم الا بعارض الصوم وقد وقع في رواية من الحديث ان رجلا افطر ولم يد الجماع۔
 روضہ ندیہ صفحہ ۱۰۰ مطبوعہ لکھنؤ پس تمہاری فقہ الحدیث میں عمداً جماع کرنے سے کفارہ لازم نہیں آتا۔ تو حنفیوں کے ان مسائل پر اعتراض کرنا جو عین قرآن اور حدیث کے مطابق ہیں۔ دور از انصاف ہے۔ دراصل اپنے عملیات کو چھپانے کے لیے پیش قدمی کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۹:

اسی کتاب فتاویٰ قاضی خاں کے جلد اول کے صفحہ ۱۰۵ میں لکھا ہے۔ اگر کوئی چوپائے زندہ یا مردہ میں دخول کرے اور اس کو انزال نہ ہو تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔

جواب:

جان بوجھ کر جماع کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسا کہ سوال نمبر ۸ کے جواب میں تمہاری فقہ الحدیث کے صفحہ ۱۶ سے لکھا گیا ہے۔ اور روضہ ندیہ صفحہ ۹۹ میں ہے وہ کذا الجماع لا خلاف فی انه يبطل الصيام اذا وقع من عامداً پس چوپائے یا مردے میں دخول کرنے کو جماع مفطر سمجھنا سخت بے غلمی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ کام گناہ کے ہیں جیسا کہ تمام فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے۔

سوال نمبر ۱۰:

کتب فقہ فتاویٰ قاضی خاں چھاپہ نو لکھنؤ کے صفحہ ۱۰۰ میں لکھا ہے کہ جب کہ جماع کرنے کے ساتھ چار پایہ کے نہ انزال ہو یا جماع کرے عورت سے سوائے فرج کے اور نہ انزال ہو۔ تو ان عورتوں کا روزہ نہیں ٹوٹتا اگر انزال ہو تو روزے کی قضا ہے نہ کفارہ۔

جواب:

اس کا جواب بھی سوال نمبر ۹ کے جواب کی طرح ہے۔ اور سوائے فرق کے دخول اور مشقت زنی کے سوائے جماع سے روزے کا نہ ٹوٹنا فقہ الحدیث کی عین منشاء ہے۔ پہلے اپنی فقہ الحدیث پر اعتراض کرنا پھر فقہ حنفی پر اعتراض کرنا۔ اور بنی آدم قابل شہوت زندہ سے جماع کرنے سے کفارہ لازم ہے۔ بسند حدیث جو صحیحین وغیرہ میں مروی ہے۔ فقہ الحدیث کے روضہ مدیہ میں بھی وہی سند مذکور ہے پس بدوں حکم قرآن اور حدیث کے کسی پر کفارہ ثابت کرنا بموجب اقرار اپنی فقہ الحدیث کے جبار و قہار کے غضب میں پڑنا ہے۔

سوال نمبر ۱۱:

کتب فقہ ہدایہ چھاپہ مصطفائی کی جلد اول کے صفحہ ۵۷۵ میں اور شرح وقایہ چھاپہ نولکشور کے صفحہ ۱۸۲ میں کنز الدقائق کلاں مطبوعہ دہلی احمدی کے صفحہ ۱۹۲ میں لکھا ہے ذی جزیہ دینے والا اگر ہمارے پیغمبر ﷺ کو گالیاں دے تو اس کا امام اعظم اور ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک عہد ذی نہیں ٹوٹتا اس کو قتل نہ کرنا چاہیے۔

جواب:

بہت سی فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر ذی اعلانیہ طور پر سرور عالم ﷺ کو گالی دے اور اس کو اپنی عادت ٹھہرا لے تو وہ قتل کیا جائے خواہ عورت ہی ہو۔ اور اکثر حنفیوں کا اس پر فتویٰ ہے دیکھو برہانی تحت کلمات کفر مندرجہ کتاب مالا بد منہ صفحہ ۵۷۵ خود امام محمد ﷺ نے جو حنفی مذہب کا تحریر کردہ ہے۔ اس قتل کو کتاب سیر کبیر میں ثابت فرمایا ہے کذا فی الدر المنحدر ورد المحتار وغیرہما حنفی کیا چاروں مذہب والے اہل سنت والجماعت آنحضرت ﷺ کی گالی اور سبکی کو موجب کفر اور قتل کا جانتے ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں مومنین اصحاب کبار کو تادیب کے واسطے وائی حکم فرمایا۔ یا ایہا الذین امنوا لا ترفعوا صوتکم فوق صوت النبی ولا تحیروا لہ بالقول کجہر بعضکم

لبعض ان تحبط اعمالک و انتم لا تشعرون اے ایمان والو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز کو بلند مت کرو اور ان سے اس طرح باتیں نہ کرو جس طرح تم آپس میں کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے عمل ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر نہ ہو۔

سوال نمبر ۱۲:

کتب فقہ غایۃ الاوطار کی جلد سوم کے صفحہ ۸۵ میں لکھا ہے کہ اگر مسلمان نے وکیل کیا ذی کو شراب یا سور کے بیچنے یا خرید کرنے کے واسطے تو یہ توکیل اور یہ بیع و شرا امام اعظم کے نزدیک صحیح ہے۔

جواب:

جب کہ وہابیوں کی فقہ الحدیث میں شراب اور چربی خنزیر اور خون پاک ہے تو اگر اس کی وکالت اور بیع اور شرا بھی حلال ہو تو کیا مضائقہ حنفی مذہب پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے یہ بہانے صرف اپنے واسطے حلال کرنے کے واسطے ہیں۔ اور درپردہ خود ان باتوں کے متعقد ہیں اور از روئے عناد کے مذہب حنفی کا نام بدنام کرتے ہیں اور پوری عبارت کی تحریر نہیں کرتے جس سے کوئی اعتراض واقع نہیں ہوتا۔ اور اس عبارت عربی کے آگے کا فقرہ مع اشد کراہت لکھتے ہیں شاید قلم ٹوٹ گئی ہوگی کہ آپ نے اس کو دیدہ و دانستہ چھوڑ دیا۔ اور جو الفاظ رفع اعتراض کرتے تھے ان کو بالکل ہضم کر گئے تاکہ بغض و عداوت قلبی جو امام صاحب سے رکھتے ہیں اس کے ادا کرنے میں کچھ کسر باقی نہ رہے۔ اگر لکھ دیتے تو اعتراض کیوں ہوتا۔ یہاں تو آپ نے بعینہ لا تقربوا الصلاة پر عمل کیا جسے آپ لوگوں کی دین داری اور ایمان داری دینی معاملات میں بخوبی ثابت ہوتی ہے خلاصہ یہ کہ ایسی توکیل اور بیع اور شرا اگرچہ امام صاحب کے نزدیک ظاہراً جائز ہے مگر سخت ترک کراہت یعنی مکروہ تحریمی کے ساتھ وہ بھی تو اس کو حلال طیب نہیں فرماتے مکروہ تحریمی کے ساتھ جائز کرتے ہیں گویا یہ ناجائز ہی ہوا۔ پس اس پر کوئی اعتراض نہیں آسکتا۔ اور اعتراض جاتا رہا۔

سوال نمبر ۱۳:

منية المصلى فقہ حنفی کی کتاب جو لاہور میں طبع ہوئی ہے میں لکھا موجود ہے کہ خنزیر کا چمڑا باغت دینے سے پاک ہو جاتا ہے اور بیع اس کی جائز ہے۔

جواب:

کل حنفی مذہب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خنزیر نجس العین ہے اس کی کسی جزو سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے۔ خواہ مردہ ہو خواہ زندہ کذا فی رد المحتار اور فتاویٰ عالمگیریہ میں لکھا ہے کہ سگ و خنزیر و میت کا فرنجس العین کے شود طاہر پس حنفی مذہب میں اس کی کل اجزا حرام ہیں۔ اور نیز اس کا جواب سوال اول کے جواب میں مفصل گزر چکا ہے۔ کہ غیر مقلدین لوگ اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو استعمال کرنے کے واسطے حنفیوں پر الزام دیتے ہیں۔ اور جب یہ امر ان کے علماء نے اپنی کتابوں میں ثابت کیا ہے تو اس الزام سے بری ہونے کے لیے حنفیوں پر بہتان باندھنا شروع کر دیا۔ اور کتاب منیۃ المصلى فصل النجاست میں صاف صاف لکھا ہے کہ خنزیر اور آدمی کی کھال اگر ذبح نجی کی جائے تو پاک نہیں ہوتی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ظاہر فی الروایۃ لا یطہر پس روایت مفتی بہ کو چھوڑ کر روایت غیر مفتی بہ کو لینا دین سے چشم پوشی ہے جس سے مسائل کی لاعلمی اور بددیانتی ثابت ہوتی ہے ایک فقرہ کتاب کالے کراستراش کر دیا اور مقدم مؤخر اور اصل مسئلہ کو چھوڑ دیا فافہم۔

سوال نمبر ۱۴:

معتبر کتاب ہدایہ مطبوعہ مصطفائی کے صفحہ ۳۹ جلد دوم میں موجود ہے کہ بال خنزیر کے پاک ہیں اس سے نفع اٹھانا درست ہے۔

سوال نمبر ۱۵:

کتب فقہ غایۃ الاوطار کی جلد اول کے صفحہ ۱۰۵ میں لکھا ہے کہ کتے کی کھال کا جانماز اور ڈول بنانا جائز ہے۔

سوال نمبر ۱۶:

اسی کتاب کی جلد سوم کے صفحہ ۱۰۶ میں لکھا ہے کہ کتے کو گود میں اٹھا کر یا بغل میں دبا کر نماز پڑھنی درست ہے۔

جواب:

ان سب کا جواب سوال نمبر ۱۱ اور نمبر ۱۲ میں آچکا ہے ان سب کا ایک ہی جواب ہے یہ سب چیزیں فقہ الحدیث والے نے جائز کر دی ہیں حنفی مذہب پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔

سوال نمبر ۱۷:

معتبر کتب حنفیہ ہدایہ مترجم فارسی چھاپہ نولکشور کی جلد سوم کے صفحہ ۹۶ میں لکھا ہے کہ درمیان مسلمان اور حربی کے دارالحرب میں مسلمانوں کو بیجا لینا منع نہیں ہے۔

جواب:

وہابی مذہب میں ثابت ہے کہ مسلمان دارالحرب میں جا کر حربیوں کی مرضی سے بیجا لے سکتا ہے۔ عرف الجادی صفحہ ۷۷ میں دیکھو لکھا ہے کہ مال حربیوں کے اصل میں مباح ہیں۔ ہر شخص کو اس کا لے لینا جس طرح سے ہو سکے جس چیز سے ہو سکے روا ہے۔ حنفیوں کی دلیل سنور و سنہ الاحباب و مدارج النبوة وغیرہ بہت سی دینی کتابوں سے ثابت ہے کہ جب اتری آیت الم غلبت الروم کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کفار نابکار سے فرمایا کہ چند سال میں روم فارس پر غالب آوے گی اور کافروں کی خوشی غم سے بدل جاوے گی۔ ابی بن خلف نے آپ کو جھٹلایا حتیٰ کہ دس اونٹ کی شرط باندھی گئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے دس اونٹ سے ایک سواونٹ تک نوبت پہنچی۔ اگر نو برس میں روم غالب آئے تو ایک سو اونٹ ابوبکر رضی اللہ عنہ ابی بن خلف سے لے لیں گے۔ ورنہ ایک سواونٹ اس کو خود دیں گے۔ تو جنگ بدر یا صلح حدیبیہ میں مدت مقرر کے اندر ہی اندر فتح روم کی خبر آ گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

ایک سواونٹ اس سے لے کر حضور ﷺ کی خدمت مبارک میں آئے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کو خدا نے پاک کی راہ میں بانٹ دو۔ گویا کہ شکر یہ اس نعمت کا ہے کہ مسلمانوں کا بول بالا ہوا پس اس واقعہ کی سند سے امام اعظم اور امام محمد نے فرمایا کہ دارالحرب میں کفار سے عتود قاسد و غیرہ کے جائز ہے اور نیز اس کی سند میں فقہ کی کتابوں میں حدیث مرسل بھی موجود ہے جس کا جی چاہے تفصیل وار شرح ہدایہ وغیرہ میں دیکھ لے پس ثابت ہوا کہ حنفیوں کا یہ مسئلہ موافق حدیث کے ہے اور وہ بیان کہ شریعت میں ناروا ہے حنفیوں کے نزدیک بھی قطعی حرام ہے۔ البتہ ان نامی حدیث پر چلنے والوں کے نزدیک بہت سی قسم کے بیان جو چاروں مذہبوں میں حرام ہیں حلال ہیں۔ جیسا کہ رونق ندیہ اور عرف الجادی کے باب ربا کے دیکھنے سے ثابت ہے کہ محرمات شرعیہ کو حلال بنا دیا ہے۔

سوال نمبر ۱۸:

ہدایہ مترجم ناری چھاپہ نو لکچور کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۳۱ میں اور شرح وقایہ عربی چھاپہ نو لکچور کے صفحہ ۲۴۲ میں لکھا ہے کہ قوت حاصل کرنے کے لیے مذہب حنفیہ کے نزدیک اس قدر شراب پی لینا جائز ہے کہ نشہ نہ کرے۔

جواب:

حق تعالیٰ فرماتا ہے لعنہ اللہ علی الکاذبین حنفیوں کی تو کسی کتاب میں بھی نہیں لکھا ہے کہ تیار سے شراب کا پینا جائز ہے۔ وہاں اصل عبارت تو یہ ہے وعصیر العنب اذا طبع حسی ذهب ثلاثہ ثلاثہ حلال وان اشتد یعنی شیرہ انگور کا جب پکایا جاوے یہاں تک کہ اس کی دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی رہ جائے تو حلال ہے اور اگر چہ وہ سخت ہو جائے اس میں شراب کا پینا کہاں سے ثابت ہوا۔ انگور کے شیرہ کا ذکر ہے۔ سو یہ مطلقاً ان احادیث کے ہے جو بیانی نے شرح کنز کی کتاب الاشراب میں لکھا ہے۔ دیکھو صفحہ ۳۵۳ مطبوعہ مصری اور امام محمد نے موطا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے تحت میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

اور شیخ عبدالحق نے شرح مشکوٰۃ جلد سوم کے صفحہ ۱۵۶ میں ہدایہ سے اس کو لکھا ہے۔ البتہ ان موجدوں کی کتاب درر بیہ اور روضہ ندیہ سے ثابت ہے کہ شراب پاک اور خون اور بول نکل حیوانات کا پاک ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے اور استفتاء عبدالغفور محمدی میں لکھا ہے کہ مور کی چربی اور خون پاک ہے تو خواہ اب ان کو کوئی کھاوے یا پیوے اور منی اور رطوبت فرج عورت پاک ہے اب خواہ اس کو شکر میں لپیٹ کر کھاوے۔ یا زبان سے چائے سب کچھ درست ہے اور پاک چیزوں کی اجازت قرآن میں ہے کَلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ کُلُوا وَشَرُّوا۔ یہ مسئلے نامی محمدیوں کے ہیں اور حنفی کیا چاروں مذاہب والے ان مسائل کو مردود جانتے ہیں۔ پس اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو حنفیوں کی طرف منسوب کرنا باری تعالیٰ کے غضب میں پڑتا ہے۔ ہاں اتنا تو قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حالت بھوک اور اضطراب میں محرّمات کا استعمال علی قدر ضرورت رہا ہے اور نیز صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استفتاء والوں کو حالت اضطراب میں اونٹوں کے بول پینے کا امر فرمایا ہے پس ایسا ہی حنفی کتابوں میں لکھا ہے کہ شراب قطعی حرام ہے۔ اور بھاری پلیدی سے مثل بول کے اس کے حلال جاننے والا کافر ہے۔ اور حالت اختیار میں اسے نفع اٹھانا حرام ہے۔ مگر جب کوئی پیاسا مرتا ہے یا گلے میں لقمہ انک گیا ہے اور بدون شراب کے کوئی پتلی شے پاس نہیں ہے۔ جس سے جان بچے تو اب جان کے بچاؤ کے واسطے قدر ضرورت تک شراب کا پینا جائز ہے کذا فی الدر المختار ورد المحتار وغیرہ۔ اور سب دینی کتابوں میں لکھا ہے کہ منظر کو حالت اضطراب میں جس قسم کی حرام چیز موجود ہو۔ اس کا کھانی لینا روا ہے کذا فی التفسیر المعزیزی وغیرہ۔ پس جو شخص حنفیوں کے اس مسئلہ پر اعتراض کرتا ہے، وہ قرآن اور حدیث پر اعتراض کرتا ہے۔ اور ان کو برا جانتا ہے۔

سوال نمبر ۱۹:

کتب فقہ ہدایہ چھاپہ معطفائی کی جلد دوم کے صفحہ ۳۸۲ میں اور ہدایہ مترجم فارسی چھاپہ

نولکھنور کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۳۴ میں اور سوائے اس کے اور کتب فقہ حنفیہ میں لکھا ہے کہ شراب کا سرکہ بنانا اور اس کا کھانا پینا جائز ہے۔

جواب:

آنحضرت ﷺ سے صحیح مسلم کی حدیث میں سرکہ کی تعریف آئی ہے کہ نعم الا دمام الخمل رواہ مسلم یعنی سرکہ عمدہ سالن ہے اور حنفیہ کا یہی مذہب نہیں ہے بلکہ امام اوزاعی اور لیث کا یہی مذہب ہے۔ پس شراب بھی جب سرکہ بن جائے یا بنائی جائے تو اس کے استعمال میں کون سی قباحت ہے۔ بلکہ وہ سرکہ بھی عمدہ سالن ہے۔ اور نیز یوں بھی حدیث میں وارد ہے کہ شراب کا سرکہ اچھا ہوتا ہے کہ خیر خلکم خل خمر کم شرح مشکوٰۃ جلد ثالث صفحہ ۵۷۱ مطبوعہ مصطفائی دہلی اور بھی آیا ہے کہ مردار کی کھال کو دباغت پاک کر دیتی ہے جس طرح شراب کا سرکہ حلال ہو جاتا ہے۔ کذا فی العینی۔

پس جو شخص ان حدیثوں کے مضمون کو برا سمجھتا ہے وہ اپنا نامہ اعمال سیاہ کرتا ہے۔ اور حدیث صحیح کا منکر ہے اور یہ نہیں سوچتا کہ غیر مقلدین کی فقہ الحدیث مقبول اور معمول کتاب کی رو سے شراب تو پاک اور طیبات سے ہے پھر وہ کیوں حنفیوں پر اعتراض کرتے ہیں اور ان کے مجتہد العصر نواب سید محمد صدیق حسن خاں صاحب بہادر روضہ ندیہ کے صفحہ ۱۱ اور صفحہ ۱۲ میں شراب کی پاکی کو بڑے مبالغے سے ثابت کر چکے ہیں اور ان کے امام الحدیث شیخ الاسلام سید نذیر حسین صاحب کے شاگرد مولوی عبدالغفور محمدی استفتاء مرقوم۔ بالا میں سور کی چربی اور منی کے پاک ہونے سے کھانے اور چائے کی اجازت دے رہے ہیں۔ بحکم آیت تکلوا من الطیبات پس ان کے نزدیک تو خود شراب ماکولات اور مشروبات سے ہو گئی۔ پس ان کی فقہ الحدیث میں جو لکھا ہے اور حرام ہے کہ سرکہ بنانا شراب کا سرکہ خلاف ان کے اصول کے ہے کیونکہ روضہ ندیہ میں جواز و عدم جواز دونوں پر حدیثیں نقل کی ہیں۔ اور ان کے نزدیک اختلاف سے اصلی حکم میں کچھ خلل نہیں پڑتا ہے جیسا کہ روضہ ندیہ کے صفحہ ۱۱ میں ثابت

ہے۔ اور اصل میں ہر شے حلال ہے جب تک اس کی اتفاقی حرمت قرآن اور حدیث سے ثابت نہ ہو۔ چنانچہ روضہ ندیہ کے صفحہ ۲۰۹ میں لکھا ہے۔ پس جب بعض اصحاب اور اہل بیت اطہار سے شراب کے سرکہ بنانے کا جواز ثابت ہوا جیسا کہ صفحہ ۲۲۲ میں ہے۔ تو ثابت ہوا کہ عدم جواز اس کا ابتداء اسلام میں تھا۔ چنانچہ ابتداء میں استعمال ظہروف شراب سے ممانعت تھی۔ پھر جب مسلمان شراب سے بالکلی ممتنع ہو گئے تو ممانعت رفع ہو گئی فافہم وانتصف۔ پس شراب کو سرکہ بنانے اور کھانے کو حرام کہنا حلال کو حرام کہنا ہے جیسا کہ دررمیمہ اور روضہ ندیہ نے کئی حرام اور نجس چیزوں کو حلال اور پاک کر دیا ہے نعوذ باللہ من ذلک۔

سوال نمبر ۲۰:

فتاویٰ قاضی خاں چچا پٹنہ لکھنؤ کی جلد اول کے صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے کہ حرام جانور کتہ، بھیسٹریا وغیرہ اگر بسم اللہ کبہ کر ذبح کیا جائے تو کھال اس کی پاک ہے بلا دباغت اور سور کا چمڑہ دباغت دینے سے پاک ہے۔

جواب:

یہ بھی بہتان ہے حنفیوں کی کسی کتاب میں ایسا نہیں لکھا ہے بلکہ برخلاف اس کے مولانا علی قاری نے فقہ اکبر کی شرح میں لکھا ہے کہ حرام چیز پر بسم اللہ پر خنی کفر ہے۔ اور کتاب احسن المسائل ترجمہ اردو کتب الدقائق طبع طبع گنزار محمدی لکھنؤ صفحہ ۲۶۸ میں اس طرح لکھا ہے جس جانور کا کھانا دہست نہیں ذبح کرنے سے اس کا گوشت اور پوست پاک ہو جاتا ہے اگرچہ کھانا حرام ہے لیکن آدمی اور سہ کو اگر ذبح بھی کریں ان کا چمڑہ اور گوشت پاک نہیں ہوگا اور انوار بارک اللہ صفحہ ۳۱۹ طبع مطبعہ وکٹوریہ لاہور میں بھی ایسا ہی لکھا ہے اور یہ نہیں مطابق حدیث اذا ذبح الایہاب فقد طہر کے ہے۔ کہ مردار کا چمڑہ دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں آ سکتا۔ اگرچہ حنفیوں کے عقائد کے مطابق بسم اللہ کی تاثیر اس قدر ہے کہ حرام جانور کی کھال پاک ہو گئی۔ اور اس کا سبب استعمال کرنے اور دے

حدیث کے جائز ہوا لیکن ان نامی موحدوں کے نزدیک کافر کا ذبح کیا ہوا بغیر بسملہ کے کھا لینا جائز لکھا ہے۔ حالانکہ کافر کا ذبح کیا ہوا نجس العین ہے۔ جیسا کہ دررہبیہ فقہ الحدیث کی عربی شرح روضہ ندیہ میں لکھا ہے۔ لعدم نجاست ذوات المشرکین کما ورد فی اکل ذبائحہم واطعنہم اور عرف الجادی کے صفحہ ۱۱ میں ہے کہ ذبائح اہل کتاب و دیگر مزدوجہ ذبح بر بسملہ یا نزد اکل آن حلال است حرام و نجس نیست یعنی مشرک و کافر کی کٹھی اگر بسملہ سے ہے حلال ہے اگر کافر بسملہ کے بغیر ہی ذبح کرے تو اس گوشت کو مسلمان بسملہ پڑھ کر کھالے حلال ہے۔ وہ ذبیحہ جو بحکم قرآن اور حدیث حرام تھی تمہاری فقہ الحدیث نے حلال کر دی باقی رہا یہ کہ نہج مقبول من شرایع الرسول کے صفحہ ۷۲ میں کافر اور مشرک کے ذبیحہ کے حلال ہونے کی یہ دلیل لکھی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ تو مسلم لوگ گوشت لاتے ہیں معلوم نہیں کہ ذبح کے وقت خدا کا نام لیتے ہیں یا نہیں۔ یہ گوشت کھائیں یا نہ۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تم خدا کا نام لے کر کھالیا کرو۔ یہ حدیث بخاری وغیرہ نے روایت کی ہے پس آپ کے دوبارہ بسملہ کے حکم کرنے سے ثابت ہوا کہ جس ذبیحہ پر بسملہ نہ کریں وہ حلال ہے۔ ذابح مسلمان ہو یا کافر۔ یہ ترجمہ ہے شرایع الرسول کا۔ سبحان اللہ و بھمدہ ایسے تصرفات بجا کر کے کتابیں لکھنی اور پھر ان کا نام شرایع الرسول رکھنا کیا ان غیر مقلدین کا دین ہے۔ اور پھر اعتراض حنفیوں پر کرتے ہیں حالانکہ ایسے خرافات ان کی کتابوں میں درج ہیں۔ کوئی مسلمان ان کے فریب نہ آئے۔ اور بڑے بڑے محدث اور مفسر دین دار پر ہیزگار لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس شک سے شاید ہمت ذبح کے بسملہ پڑھی گئی ہے یا نہیں یقین اس امر کا کہ مسلمان بسملہ ہی سے ذبح کرتے ہیں گو نو مسلم ہی ہوں ذائل نہیں ہوتا اس گوشت پر مثل دوسرے حلال گوشتوں کے بسملہ پڑھ کر کھاؤ۔ اور فی الحقیقت یہی مطلب ہے۔ اس میں کافروں اور مشرکوں کے ذبح کرنے کا تو اشارہ کتنا یہ بھی نہیں ان کے نزدیک کافر و مشرک کی بسملہ نے یہ تاثیر کر دی کہ وہ ذبیحہ حلال ہو گئی۔ مولوی غلام علی امرتسری نے پہلے صفحہ تحقیق الکلام میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، چشتی،

قادری، نقشبندی، سہروردی، سب کو بدعتی لکھا ہے۔ اور پھر صفحہ ۹ میں مشرک فی الرسالت اور مشرک فی التوحید لکھا ہے۔ اور پھر صفحہ ۲۸ میں ان کو کافر لکھا ہے پس جو لوگ دین اسلام کے ایسے بچے دشمن ہیں کہ مقتدائے دین جن کی تعریفیں صد ہادی کتابوں میں درج ہیں ان کو کافر و مشرک بنایا ہے تو اگر ان کے نزدیک کافر کی کٹھی جائز ہوئی کیونکہ وہ بھی شرعاً حرام اور نجس العین ہے تو ان کے اصول کے مطابق کتے اور بھیڑیے پر بسملہ کا پڑھ لینا کیا بلکہ ان کا گوشت کھانا بھی حلال ہوا۔ کیونکہ قرآن میں صرف گوشت خنزیر کا حرام لکھا ہے۔ پھر وہ حنفی مذہب پر کیوں اعتراض کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۲۱:

۱۔ ہی کتاب کی جلد چہارم کے صفحہ ۳۹۴ میں اور فتاویٰ سراجیہ کی جلد سوم کے صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے کہ اگر پیشاب کے ساتھ قرآن لکھ لے تو مضائقہ نہیں۔

سوال نمبر ۲۲:

پھر اس کی کتاب فتاویٰ قاضی خاں چھاپہ نو لکھنؤ کی جلد چہارم میں اور فتاویٰ سراجیہ جو فتاویٰ قاضی خاں کے حاشیہ پر چڑھا ہوا ہے اس کی جلد سوم کے صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے کہ اگر مردار جانور کی کھال پر قرآن لکھ لے تو بھی مضائقہ نہیں۔

سوال نمبر ۲۳:

ردالمحتار شرح در المختار چھاپہ دہلی کی جلد اول کے صفحہ ۱۴۰ میں لکھا ہے یعنی جو روایت نہایہ کا خلاصہ ہے نقل کیا ہے اس کو صاحب ہدایہ نے تجنیس میں پس کہا اگر کسی کی نکسیر پھوٹے پس لکھے سورہ فاتحہ کو ساتھ خون کے اپنی پیشانی اور اپنی ناک پر تو جائز ہے واسطے شفا کے اور ساتھ پیشاب کے بھی سورہ فاتحہ کا لکھنا جائز ہے اور اگر جانا جاوے کہ اس (یعنی حرام) میں شفا ہے تو مضائقہ نہیں۔

منعزلہ بالاتینوں سوالات کا ایک ہی جواب آوے گا۔

جواب:

مرتے کی جان بچانی اور حالت اضطرار کا یہ مسئلہ ہے اور حالت اضطرار میں قرآن مجید اور صحیح حدیثوں سے بقدر ضرورت حرام اور پلید چیزوں کے کھالینے اور دوا کے طور پر یرت لینے کی اجازت ہے جیسا کہ اوپر بھی مذکور ہو چکا۔ اور باوجود اس کے یہ مسئلہ ضعیف ہے۔ فقہ کے متنوں اور شرحوں میں جو بہت معتبر ہوتی ہیں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اور فتاویٰ میں تو ضعیف روایتیں بھی ہوتی ہیں حنفی مذہب پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اور کیونکر اعتراض آئے جب سارے فقہ کے متنوں اور شرحوں بلکہ فتاویٰ میں بھی لکھتے ہیں کہ آدمی اور حیوانات حرام گوشت کا بول اور خون جاری پلید بھاری ہے جس کے لگنے سے کپڑا بدن جگہ پلید ہو جاتی ہے۔ کذا فی الدر المنثور وغیرہ اور حنفی کیا سارے اہل سنت کے نزدیک قرآن مجید کا اس قدر ادب ہے کہ اس کو بے وضو ہاتھ میں لینا درست نہیں۔ کذا فی جامعہ الکتب اور قرآن مجید کے سبکی جیسے قافورات میں ڈال دینا کفر ہے۔ کذا فی شرح فتاویٰ کبیر وغیرہ البتہ ان نامی حدیث کے چلنے والوں کے نزدیک سوائے خون حیض و نفاس کے سارے جاری خون اور تمام حیوانات کے بول و بزار پاک ہیں دررہبیہ جو ان کی فقہ الحدیث ہے۔ اس کی عربی شرح روئے ندیہ میں ان کے مجتہد العصر ثواب صدیق حسن خاں صاحب بہادری ص ۸، ۹، ۱۰ میں ان چیزوں کو پاک لکھتے ہیں۔ چنانچہ اس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے پس جن کے نزدیک سورکتے، ریچھ وغیرہ کے بول و بزار و خون پاک ہیں۔ ان کے نزدیک ان چیزوں سے قرآن مجید کا بھی لکھ لینا جائز ہوا۔ اور عرف الجادی جو ثواب صاحب نے اپنے فرزند ارجمند کی کتاب تصحیح کر کے بھد پال میں چھپوائی ہے۔ اس کے صفحہ ۱۵ میں لکھا ہے۔ یعنی بے وضو قرآن کو ہاتھ اگانا روا ہے۔ اور رسالہ تحریق اوراق میں جو قرآن شریف کے جلانے کے باب میں لاہوری امرتسری وغیرہ موبعدوں کے اتفاق سے چھپا ہے اور مولوی غلام علی اور مولوی عبدالجبار اور مولوی احمد اللہ امرتسریاں اس میں مقدمہ لکھیں ہیں اس کے صفحہ ۴۴ میں لکھتے ہیں کہ کسی عذر

سے قرآن شریف کا قافورات میں ڈال دینا کفر نہیں رخصت ہے۔ پھر صفحہ ۵ میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی اور چیز نہ ہو تو قرآن شریف کو پاؤں کے نیچے رکھ کر اونچے مکان سے کھانا اوتار لینا روا ہے۔ اور نیز حاجت کے وقت قرآن شریف کو کشتی میں نیچے ڈال لینا روا ہے۔ یہ مسئلے ان نامی حدیث پر چلنے والوں کے ہیں اور حنفی ان کو مردود سمجھتے ہیں۔ باقی رہا چمڑا مردار کا سو بحکم حدیث شریف اذا دبغ الاهاب فقد طهر یعنی چمڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ پس پاک چیزوں پر قرآن شریف لکھنے کی کیا قباحت ہے۔ البتہ ان کی فقہ الحدیث کی رو سے چمڑا کیا مردار کا گوشت اور گوبہ موت بھی پاک ہے۔ (صفحہ مذکور کے صفحہ ۸، ۹، ۱۰ کو دیکھو۔)

اور اگر کسی کی نکیر پھولے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں لکھا ہے کہ والہی رافع فلا یرقا دمہ فاراد ان یکتب بدمہ علی حیفة شیئا من القرآن قال ابو اسکاف یجوز قیل لہ کتب بالبول قال لو کان فیہ شفاء لا یاس فیہ قیل لہ کتب علی بلدہ میتة قال ان کان فیہ شفاء جاز سویہ تینوں صورتیں مطابق آیت انما حرم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما احل بہ لغیر اللہ فمن اضطر غیر باغ فلا اثم علیہ کے ہیں کیوں کہ جب اضطرار کی حالت میں خدا تعالیٰ نے قطعی حرام چیزیں مباح کر دیں تو دوا حرام اگر اس میں شفاء مختصر ہو اور بجز اس کے اور کوئی دوا واسطے بقاء جان کے میسر نہ ہو کیوں مباح نہ ہوگی ہاں اگر علمائے مطلق علاج حرام دوا کے ساتھ جائز کرتے تو اہل قابل اعتراض ہوتا۔ مگر وہ تو بار بار یہی کہتے ہیں کہ اگر اسی میں شفاء مختصر ہے۔ اور بجز اس کے اور کوئی دوا نہیں تب جائز ہے۔ چنانچہ شامی و در مختار میں سوال بالاک کی رو سے ظاہر ہے۔ پس جب غیر مقلدین کے نزدیک ایسے ایسے مسائل جو اوپر مذکور ہوئے نہ جائز ہیں تو حنفی مذہب کو بدنام کرنے کے لیے اپنے اوپر سے رفع اعتراض کرنا چاہتے ہیں۔ اسے رفع اعتراض نہیں ہو سکتے حنفی مذہب ہمیشہ سے بے غیب آگیا ہے جس میں ہزار ہا اولیاء اللہ ہوئے ہیں۔ جن کا یہی مذہب رہا ہے اور وہ مقلد بھی ہوئے ہیں۔

سوال نمبر ۲۴:

معتبر کتب فقہ غایۃ الاوطار ترجمہ اردو در مختار چھاپہ نولکشور کی جلد دوم کے صفحہ ۲۴۰ میں اور فتح القدیر مطبوعہ مطبع نولکشور کی جلد دوم کے صفحہ ۲۳۹ میں لکھا ہے کہ جو شخص اپنی منکوحہ عورت سے برس بھر کی راہ کے فاصلے پر دور رہتا ہے۔ اور دونوں زان و مرد مشرق و مغرب (یعنی بعد) کے سبب یک جانہ ہو سکیں اور اس کی عورت چھ مہینہ میں بچہ جن لے تو یہ خیال کر لیا جائے گا کہ اس شخص نے کرامت کے ساتھ اپنی عورت سے وطی کی ہوگی یا جن اس کے تابع ہوگا اس کے ذریعہ سے وطی کی ہوگی۔ پس وہ لڑکا مولود ثابت النسب ہے۔

جواب:

یہ امر کوئی مذہب حنفی سے ہی تعلق نہیں رکھتا۔ اور نہ کوئی روایت مفتی ب۔ اس پر قائم ہوئی ہے۔ اگر وہ لڑکا ثابت النسب ہو یا نہ ہو اسے مذہب حنفی پر کیا اعتراض آ سکتا ہے۔ اور کوئی واقعہ اس قسم کا کسی کتاب میں دیکھا نہیں گیا۔ اگر کوئی ایسا واقعہ وقوع میں آیا ہے تو آپ ثابت کریں تب مفصل جواب دیا جائے گا۔ اگر شاذ و نادر کوئی وقوعہ ہوا بھی تو ایسا واقعہ شاذ کے حکم میں والشاذ کا لمعدوم۔ باوجود اس کے جو لوگ اولیاء اللہ کی کرامت کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس مولود کی ثابت النسب اور صحیح النسب ہونے میں کچھ شک ہی نہیں۔ اگر غیر مقلدین اس بات کو نہ مانتے ہوں تو نہ مانیں۔

سوال نمبر ۲۵:

یعنی شرح بدایہ چھاپہ نولکشور کی جلد دوم کے صفحہ ۶۷۸ میں لکھا ہے کہ اگر وطی کرے اپنے غلام سے دبر میں یا لونڈی کی دبر میں یا اپنی عورت منکوحہ کی دبر میں تو نہیں ہے حد اس پر اور اس میں اختلاف نہیں ہے۔ پس وطی کرنا عورت و مرد کی دبر میں مذہب حنفیہ میں حلال ہے۔

جواب:

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ لعنة الله على الكاذبين حنفیوں کی کسی کتاب

میں ایسا نہیں لکھا ہے یہ صرف بہتان ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ وروی ابو
 ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال ملعون ملعون من عمل عمل قوم
 لوط الی آخر الحدیث۔ دیکھو کتاب ریاض الناصحین صفحہ ۳۳۵ فصل ششم اور نیز
 حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ ملعون من اتی امراة فی دبرھا۔ دیکھو تفسیر اثناء
 عشر یہ صفحہ ۲۰۲ مطبوعہ نو لکھنؤ۔ حد نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ کام جائز ہے یا یہ کہ یہ
 گناہ کی بات نہیں یا اس پر کسی قسم کی سزا ہی نہیں ایسا ہرگز نہیں فقہ حنفی میں ایسے مجرم کو سخت سے
 سخت سزا دینی چاہیے یعنی تعزیر کرنی چاہیے اس میں اختلاف نہیں ہے۔ نہ یہ کہ اس کو سزا نہ
 دی جائے یہ صریح بہتان مذہب حنفی پر ہے کہ عبارت کے مطلب کو صریحا اولٹا دیا۔ اور نتیجہ
 وہی نکال دیا کہ مذہب حنفی میں وطی فی الدبر جائز ہے بھلا آپ یہ تو ثابت کریں کہ آخر کا
 فقرہ جو آپ نے نتیجہ کے طور پر لکھا ہے۔ کون سی حنفی مذہب کی کتاب میں لکھا ہے کہ مخالف کو
 چاہیے کہ صاف صاف عدم حکم سزا کا ثابت کرے اگر ثابت نہ کرو گے تو دورغ گو اور مفتری
 کہلاؤ گے اور آیت مذکورہ کے تحت میں آؤ گے ساری عبارت اس کتاب کی اچھی طرح سے
 پڑھو اور لا تقربوا الصلاة پر عمل نہ کرو۔ اور مقدم اور موخر عبارتوں کا بھی خیال کر لیں تاکہ
 پھر دوبارہ دہو کہ میں آنہ آویں ورنہ اہل دین کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑے گے۔ واللہ
 یتھدی من یشاء الی صراط مستقیم اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 وجعلنا منہم واخلذل من اعرض من دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجعلنا منہم
 وصلی اللہ تعالیٰ علی رسول خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔

اونٹ کی قربانی

اونٹ کی قربانی میں دس افراد کی شرکت

ایک تحقیق، ایک جائزہ

اس سال سن ۱۴۲۹ھ عید الاضحیٰ کے موقعہ پر گوجرانوالہ شہر کے غیر مقلدین نے اس مسئلہ پر کافی زور دیا ہے کہ اونٹ کی قربانی میں دس افراد کا شریک ہونا سنت ہے۔ وہ اپنی اس بات کو ثابت کرنے کیلئے جو حدیث پیش کرتے ہیں ہم اس کو یہاں پر نقل کر کے اس کا جواب عرض کرتے ہیں ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔

حدثنا هذبة بن عبد الوهاب ابنا الفضل بن موسى ابنا الحسين بن واقد عن علياء بن احمر عن عكرمة عن ابن عباس قال كنا مع رسول الله ﷺ في سفر فحضر الاضحى فاشتر كنا في الجزور عن عشرة والبقره عن سبعة
ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے کہ عید الاضحیٰ کا دن آگیا تو ہم نے اونٹ میں دس حصے اور گائے میں سات حصے کئے۔

(سنن ابن ماجہ، باب: عَنْ كَيْفِ تَجْزِي الْبَدْنَةُ وَالْبَقَرَةُ، حدیث: ۹۱۷)

اس حدیث کے کئی جوابات ہیں:

جواب نمبر ①:

اس حدیث کی سند میں ایک راوی فضل بن موسیٰ ہے جو کہ ٹھیک نہیں ہے۔ علامہ ذہبی (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۶۰) میں نقل کرتے ہیں یروی عن صفار التابعین ما علمت فيه لنا الا ما روى عبد الله بن علي المديني، سمعت ابي و سنل بن ابي تميلة والسيناني فقدم ابا تميلة وقال روى الفضل احاديث مناكير۔

وہ چھوٹے تابعین سے روایت کرتے ہیں میں اس کے بارے میں نہیں جانتا مگر وہ جو عبد اللہ بن علی المدینی روایت کرے، میں نے اپنے والد سے سنا کہ ان سے ابو تمیلہ اور سینانی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے ابو تمیلہ کو مقدم گردانا اور کہا کہ فضل نے منکر احادیث روایت کی ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نقل کرتے ہیں:

قال عبد الله بن علي بن المديني سألت أبي عن حديث الفضل بن موسى عن معمر عن ابن طاووس عن أبيه عن ابن الزبير قال قال رسول الله ﷺ من شهر سيفه فرمه هده فقال منكر ضعيف وقال عبد الله أيضا سألت أبي عن الفضل وأبي تميلة فقدم أبا تميلة وقال روى الفضل منا كبير۔

(تہذیب التہذیب، ج ۸ ص ۲۸۷)

عبد اللہ بن علی بن المدینی نے کیا کہ میں نے اپنے والد سے فضل بن موسیٰ عن معمر والی حدیث کے بارے میں پوچھا۔ تو اس نے کہا کہ منکر اور ضعیف اور عبد اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اپنے والد سے فضل اور ابو تمیلہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ابو تمیلہ کو مقدم گردانا اور فرمایا کہ فضل نے منکر احادیث روایت کی ہیں۔

جواب نمبر ④:

اس حدیث کی سند میں دوسرا راوی حسین بن واقد ہے جو ضعیف بھی ہے اور مدلس بھی اور غیر مقلدین کے نزدیک مدلس کا عن سے روایت کرنا قابل قبول نہیں۔

① حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں ثقہ له اوہام

ثقہ ہے مگر وہ بھی ہے (تقریب ۱۳۵۸)

② علامہ ذہبی لکھتے ہیں: "استنکر احمد بعض حدیثہ"

امام احمد نے اس کی بعض احادیث کو منکر قرار دیا ہے۔

(المدفن فی الضعفاء ج ۱ ص ۱۶۹)

③ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں

قال عبد الله بن أحمد عن أبيه ما أنكر حديث حسين بن واقد عن أبي المنيب وقال العقيلي أنكر أحمد بن حنبل حديثه۔

عبد اللہ بن احمد اپنے والد (امام احمد بن حنبل) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حسین بن واقد کی حدیث کا انکار کیا ہے اور عقیلی نے فرمایا ہے کہ احمد بن حنبل نے اس کی حدیث کا انکار فرمایا ہے۔

(تہذیب ج ۲ ص ۳۷۴)

④ امام ابن حبان فرماتے ہیں:

”ربما اخطاء في الروايات“ ”بسا اوقات وہ روایات میں خطا کرتا ہے“

(تہذیب ج ۲ ص ۳۷۴)

⑤ قال الاثرم قال احمد في احاديث زيادة ما ادرى ابي شيبي ونقض

يده۔ (تہذیب ج ۲ ص ۳۷۴)

”امام اثرم نے کہا ہے۔ امام احمد نے فرمایا کہ اس کی احادیث میں زیادتی ہوتی ہے۔ میں نہیں جانتا وہ کونسی چیز ہے۔ اور امام احمد نے اپنے ہاتھ کو مارا۔“

⑥ قال الساجي فيه نظر وهو صدوق يعم (تہذیب ج ۲ ص ۳۷۴)

امام ساجی فرماتے ہیں اس میں نظر ہے اور وہ سچے ہیں البتہ اس پر تہمت ہے۔

⑦ ایک روایت میں ہے کہ حدثنا احمد بن احرمة بن خزيمه قال سمعت

احمد بن حنبل وقيل له في حديث ايوب عن نافع عن ابن عمر عن النبي ﷺ

في الملبقة فانكره ابو عبد الله وقال من ردى هذا قيل له الحسين بن واقد

فقال بيده وحرك داسه كانه لم يرضه (كتاب الضعفاء الكبير ج ۱ ص ۲۵۱)

احمد بن احرمة بن خزيمہ نے فرمایا میں نے احمد بن حنبل سے سنا کہ ان سے پوچھا گیا ایوب

عن نافع عن ابن عمر کی حدیث میں تو ابو عبد اللہ نے انکار کیا اور پوچھا کے اعلیٰ کوئیں

نے روایت کیا ہے۔ تو کہا گیا ”حسین بن واقد“ نے تو اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے اپنے سر کو ہلایا گویا کہ انھوں نے عدم رضا مندی کا اظہار کیا۔

⑧ اور ایک روایت میں ہے کہ حدثنی الخضر بن داؤد قال حدثنا احمد بن محمد قال ذکر ابو عبد الله حسين بن واقد فقال: واحاديث حسين ما اری ایسی شیء ہى ونقض يده (کتاب الضعفاء الكبير ج ۱ ص ۲۵۱)

خضر بن داؤد نے مجھے کہا کہ ہمیں احمد بن محمد نے بتایا کہ ابو عبد اللہ حسین بن واقد کا ذکر کیا اور کہا کہ حسین کی احادیث میں میں خیال نہیں کرتا کہ وہ کیا ہے اور اپنے ہاتھ کو مارا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدوں کا اس روایت سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔

جواب نمبر ③:

صحیح مسلم میں ایک قولی حدیث ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

حدثنا يحيى بن يحيى اخبرنا ابو خيثمة عن ابى الزبير عن جابر ر
حدثنا احمد بن يونس حدثنا زهير حدثنا ابو الزبير عن جابر رضي الله عنه قال
خرجنا مع رسول الله ﷺ مهملين بالحج فامرنا رسول الله ﷺ ان نشترك
فى الابل والبقر كل سبعة منا فى بدنة۔

”حضرت جابر رضي الله عنه بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کا تلبیہ کہتے ہوئے گئے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں سات سات آدمی شریک ہو جائیں“ مسلم باب جواز الاشتراك فى الهدى

اب یہاں پر قول اور فعل کے درمیان تعارض آگیا اور اصولیین کے نزدیک جب قولی اور فعلی حدیث کے درمیان تعارض آجائے تو ترجیح قول کو ہوتی ہے جیسا کہ علامہ نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ

”تعارض القول والفعل والصحيح حينئذ عند الاصوليين ترجيح القول“

(نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۴۵۳)

جب قول اور فعل کا تعارض ہو تو اصولیین کے ہاں صحیح بات یہ ہے کہ ترجیح ”قول“ کو دی جاتی ہے۔

جواب نمبر ④:

تعجب ہے کہ غیر مقلدوں پر کہ ان کے نزدیک صحابہ کرامؓ کے اقوال اور افعال حجت نہیں لیکن پھر بھی وہ عبداللہ ابن عباسؓ کا یہ ضعیف اثر دلیل بناتے ہیں اور اس سے بڑھ کر تعجب اس بات پر ہے کہ جب حج کے دوران کسی پر دم لازم آجائے اور وہ اونٹ کی قربانی کرے تو سات حصے مانتے ہیں اور قربانی کے اونٹ کے دس حصے مانتے ہیں۔

جواب نمبر ⑤:

یہ حدیث منسوخ ہے اور اس کے نسخ وہ احادیث ہیں جنہیں سات آدمیوں کی صراحت ہے مثلاً حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نَحَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِالسَّحَابِیَّةِ الْبَدْنَةِ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ۔ (ترمذی ص ۱۸۰ ج ۱)

یعنی ہم نے حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر اونٹ بھی سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیے اور گائے بھی سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کی۔

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور اسی پر عمل ہے علمائے صحابہ وغیرہم کا اور یہی قول ہے سفیان ثوری اور ابن مبارک کا اور شافعی اور احمد (کا)۔

(ترمذی مترجم علامہ بدیع الزماں ج ۱ ص ۵۲۵)

حدیث نمبر ۴: حدثنی محمد بن حاتم حدثنا وکیع حدثنا عذرة بن ثابت عن أبي الزبیر عن جابر بن عبد الله قال حججنا مع رسول الله ﷺ فنَحَرْنَا الْبَعِيرَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا،

سات آدمیوں کی طرف سے اونٹ کو نحر کیا اور سات آدمیوں کی طرف سے ہی گائے کی قربانی کی۔ (مسلم شریف، باب: جواز الاشتراک فی الہدی)

حدیث نمبر ۳: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رضی اللہ عنہ قَالَ اشْتَرَكْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ كُلِّ سَبْعَةٍ فِي بَدَنَةٍ فَقَالَ رَجُلٌ لَجَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَيَشْتَرِكُ فِي الْبَدَنَةِ مَا يَشْتَرِكُ فِي الْجُزُورِ قَالَ مَا هِيَ إِلَّا مِنَ الْبَدَنِ وَخَضَرَ جَابِرٌ حَدِيثَهُ قَالَ نَحَرْنَا بِوَقْتِ سَبْعِينَ بَدَنَةً اشْتَرَكْنَا كُلُّ سَبْعَةٍ فِي بَدَنَةٍ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حج اور عمرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور سات سات آدمی ایک قربانی میں شریک ہو گئے تھے۔ ایک شخص نے حضرت جابر سے دریافت کیا کہ جس طرح قربانی کے اونٹ میں شریک ہو سکتے ہیں کیا اسی طرح بعد کے خریدے ہوئے اونٹ میں بھی شرکت جائز ہے۔ انہوں نے کہا پہلے سے اور بعد میں خریدے ہوئے دونوں اونٹوں کا حکم ایک ہے، حضرت جابر حدیبیہ میں موجود تھے، حضرت جابر نے کہا کہ ہم نے ستر اونٹ ذبح کیے اور ہر اونٹ میں سات آدمی شریک تھے۔

(مسلم شریف، باب اشتراک فی الہدی)

فتاویٰ علمائے حدیث کا حوالہ

(فتاویٰ علمائے حدیث ص ۱۵۰، ج ۱۳ میں ہے صحیح بخاری و مسلم و سنن ابی داؤد میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت ہے امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نشترک فی الابل وابۃ فہنا فی بدنة ”ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اونٹ اور گائے ہر بدنتہ میں سات سات آدمی شریک ہو جائیں۔

جواب نمبر ۶:

اگر بالفرض ہم مان بھی لیں کہ یہ روایت ثابت ہے تو اس سے صرف اتنی بات ثابت ہوتی

ہے کہ بعض صحابہ نے ایسا کیا۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی رائے اور اجتہاد سے کیا جیسے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ غنیمت کی تقسیم میں ایک اونٹ کے برابر دس بکریاں کو شمار کیا تو انہوں نے ایک اونٹ کو قربانی میں دس بکریوں کے قائم مقام بنایا۔ لہذا یہ ان کا اجتہاد تھا۔ اس کے مقابل میں ہمارے پاس مرفوع حدیث ہے۔ اس لیے اس کے مقابلہ میں موقوف اجتہاد قبول نہیں ہو سکتا۔

جواب نمبر ⑤:

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حسن ہے غریب ہے۔ نہیں پہچانتے ہم اس کو مگر فضل بن موسیٰ کی روایت سے۔
(ترمذی مترجم علامہ بدیع الزماں غیر مقلد ج ۱ ص ۵۶۵)

جواب نمبر ⑧:

یہ سفر کا واقعہ ہے اور مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے اگر وہ کچھ بھی نہ کرتے تو ان پر کچھ گناہ نہ تھا اسی طرح اگر وہ دس میں شریک ہوں تو بھی ان پر کچھ الزام نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام ابو حنیفہؒ اور قرآن و سنت

سوال نمبر ۱:

”بخاری شریف اور احادیث کی دوسری کتابیں پڑھتے ہوئے بعض اوقات ایسے اشارات ملتے ہیں کہ گویا امام ابو حنیفہؒ قرآن و سنت کے مقابلے میں رائے اور قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس مسئلہ کی حقیقت کیا ہے؟

(ایک جج)

جواب:

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اسلامی قانون کے پہلے مدون تھے۔ جس طرح قرآن کریم ان کی نظروں میں تھا اسی طرح احادیث کا پورا ریکارڈ بھی ان کے سامنے تھا مگر وفات کی شکل میں تھا۔ اس لیے کہ اسلامی قانون کے اولین ماخذ قرآن و سنت ہی تھے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ اسلامی قانون کی تدوین قرآن و سنت کے بالمقابل کرتے۔ حقیقتاً قرآن و سنت کے نصوص پر ہی تدوین ہوئی۔ البتہ فہم نصوص میں اختلاف ضرور ہوا۔ فقہاء وہ طبقہ تھا جو قرآن و سنت سے قوانین اخذ کرتا تھا۔ محدثین وہ لوگ تھے جنہوں نے قرآن کے ساتھ سنت کی صحیح نصوص کی تفسیح کی۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک فریق نے لکڑی فراہم کی اور دوسرے نے اس سے فرنیچر تیار کیا۔

امام ابو حنیفہؒ کے دور ہی میں اسلامی قانون کے اصول و کلیات بھی منع ہوئے تھے۔ چلتے چلتے یہ اصول و کلیات ایک فن بن گئے اور ہم تک اس فن کی جو پہلی کتاب پہنچی ہے وہ امام ابو الحسن کرخی بغدادی (۲۶۰ھ۔ ۳۷۰ھ) کا رسالہ اصول کرخی ہے۔ امام کرخی ابن ماجہ ابو داؤد ترمذی دارمی بزاز نسائی جیسے محدثین کے ہم عصر تھے۔ امام کرخی نے جو ۳۹ اصول جمع کیے ان میں سے ۲۸ واں اصول یہ ہے:

﴿الاصل ان کل آية تخالف قول اصحابنا فانها تحمل على النسخ او على الترجيح او على التاويل من جهة التوفيق﴾ (یعنی اصول یہ ہے کہ جو آیت ہمارے ساتھیوں کے قول کے خلاف ہو تو اسے نسخ یا ترجیح یا تاویل پر از روئے توفیق محمول کیا جائے گا)۔

اس اصول کی یہ تشریح کہ احناف قرآن و سنت کے خلاف ہیں اور اپنے اقوال کو قرآن و سنت سے برتر سمجھتے ہیں یا قرآن و سنت کے مقابلے میں اپنے قول یا اپنی رائے کو ترجیح دیتے ہیں احناف کے مستند مسلک اور تصریحات اور توجیحات کے خلاف ہے۔ لیکن اس اصول کو ان الفاظ میں بیان کرنے سے غلط فہمی پیدا ہوئی اور محدثین اس کو دہراتے چلے گئے اور انہوں نے احناف کا لقب ہی اہل الرائے بنا دیا۔ حالانکہ مقصد یہ تھا کہ بعض اوقات ہمارے اصحاب کا قول جو قرآن و سنت کے خلاف نظر آتا ہے وہ نص یا منسوخ ہوتی ہے یا اس کے مقابلے میں دوسری نص کو ترجیح دی گئی ہوتی ہے یا مختلف دلائل کے درمیان تطبیق کی گئی ہوتی ہے اور یہ کام تمام محدثین اور فقہاء کرتے ہیں۔

باوجود اس کے کہ اسلامی شریعت کے قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ تاویل القول بما لا یرضی بہ قائلہ باطل (کسی کے قول کا یہ معنی لینا کہ اس کا قائل وہ معنی نہ لیتا ہو جائز نہیں ہے) مگر محدثین اور مخالفین اب تک عرصہ تک حنفی فقہاء پر یہ الزام لگاتے رہے اور حدیث کی بنیادی کتابوں میں اس کی تصریح ہونے کی وجہ سے یہ الزام قیامت تک کے لیے ریکارڈ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ تمام سلف صالحین کو معاف کرے اور انہیں جنت میں جگہ دے

اور اب بہر حال احناف کے بارے میں کوئی بھی یہ الزام نہیں لگاتا۔

فقہی اختلافات میں ترجیح و توفیق کا عمل بہر حال جاری رہتا ہے۔ لیکن ہمارے دور میں اگر ایک طرف ائمہ اربعہ کے پیروکاروں کے درمیان اختلاف کی شدت کم ہو گئی ہے اور اس میں مواصلات کی ترقی اور حج کے موقع پر زیادہ انٹرایکشن کا دخل ہے لیکن دوسری جانب سے بعض ممالک کی طرف سے سلفیت کی پرجوش تبلیغ کرنے والے لوگوں کو وافر مالی امداد دی جاتی ہے۔ یہ لوگ آج کل افغانستان پہنچے ہوئے ہیں جہاں لوگوں کی اکثریت حنفی ہے۔ اگر سب کو سلفی بنا دیا جائے تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ لیکن وہاں سلفیت اور حنفیت کی کشمکش پیدا کرنے سے امارت اسلامیہ کمزور ہوگی۔

بہر حال سلفیت و حنفیت کی کشمکش بھی وہی کشمکش ہے جو محدثین اور امام ابو حنیفہ کے درمیان رہی۔ علمائے کرام سے گزارش ہے کہ اس معاملے میں اعتدال رواداری اور بروہاری کا مظاہرہ کیا جائے۔

